بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصۃ تفسیر القرآن

جلد ۱

عقیدۂ توحید باری تعالیٰ

استاذ التفسیر مفتی حمید الرحمن عباسی مدظلہ

مدرسہ قاسم العلوم

شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن

33 - حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا یَأْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا

خلاصۃ تفسیر القرآن

عقیدۂ توحیدِ باری تعالیٰ

جلدِ اوّل

مرتّبہ

احقر العباد حمید الرحمٰن عباسی

اُستاذِ تفسیر

مکتبۃ الحسن

33۔ حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

فون 042-7241355 موبائل:0300-4339699

297.16
ع 75 ح
92105
جلد 1

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت ——— اوّل
نام کتاب ——— عقیدہ توحید باری تعالےٰ
المعروف خلاصہ تفسیر القرآن جلد اوّل
مؤلف ——— استاذ تفسیر حمید الرحمان عباسی
تعداد ——— گیارہ سو
طباعت ——— کاروان پریس دربار مارکیٹ
لاہور

مکتبۃ الحسن
33۔حق سٹریٹ اردو بازار۔لاہور
فون 042-7241355 موبائل:0300-4339699

فہرست مضامین

۱	مناجات بدرگاہِ باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ	۱۴
۲	تعارف وخصوصیات	۱۵
۳	دیباچہ کتاب	۱۷
۴	اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے	۱۹
۵	متعدد خدا ماننے کی سزا	۳۵
۶	متعدد خدا ہوتے تو زمین وآسمان درہم ہوجاتے	۳۹
۷	عقیدہ توحید کا عقلی اور نقلی ثبوت	۴۶
۸	عقیدہ توحید پر چار عقلی دلائل اور دلیل اوّل	۵۰
۹	خلقت اور صنعت میں فرق	۵۴
۱۰	عقیدہ توحید پر دوسری عقلی دلیل	۵۸
۱۱	عقیدہ توحید پر تیسری عقلی دلیل	۶۲
۱۲	عقیدہ توحید پر چوتھی عقلی دلیل	۶۸
۱۳	موت وحیات کی تشریح	۷۰
۱۴	اکتساب روزی کے لیے عقلی شرط ہے	۷۴
۱۵	عقیدہ توحید پر مزید چار عقلی دلائل	۷۶
۱۶	عقیدہ توحید پر پانچویں عقلی دلیل	۷۸
۱۷	عقیدہ توحید پر چھٹی دلیل	۸۴

۱۸	عقیدۂ توحید پر ساتویں عقلی دلیل	۸۶
۱۹	عقیدہ توحید پر آٹھویں عقلی دلیل	۸۷
۲۰	عقیدہ توحید پر آٹھ اور عقلی دلائل	۸۸
۲۱	عقیدہ توحید پر نویں عقلی دلیل	۹۳
۲۲	عقیدہ توحید پر دسویں عقلی دلیل	۹۵
۲۳	عقیدہ توحید پر گیارھویں عقلی دلیل	۹۸
۲۴	باب اوّل	۱۰۰
	خلا اور آسمانوں کے وجود پر بحث اور سائنسی دلائل	۱۰۰
۲۵	سائنس کے محدود مشاہدات	۱۰۱
۲۶	سائنس کی محدود معلومات	۱۰۳
۲۷	شرعی دلائل	۱۰۴
۲۸	ستارے آسمان کے نیچے ہیں	۱۰۵
۲۹	آسمانوں کا وجود	۱۰۷
۳۰	فلسفۂ یونان اور اسلام	۱۰۸
۳۱	مفسر حقانی اور آسمان	۱۰۹
۳۲	آسمانوں کا مواد	۱۱۰
۳۳	آسمانوں کے باہمی فاصلے اور انکی بناوٹ	۱۱۲
۳۴	ستاروں کے آسمان کے نیچے ہونے کی واضح ترین دلیل	۱۱۳
۳۵	باب دوم ۔ فلک کی تعریف اور اسکی حقیقت	۱۱۶
۳۶	فلک سے مراد مدار ہے	۱۱۸
۳۷	فلک آسمان کے نیچے ہے	۱۲۳

۳۸	فلک آسمان سے غیر ہے	۱۲۵
۳۹	فلک زمین و آسمان کے درمیان ہے	۱۲۶
۴۰	خلاصۂ کلام	۱۲۷
۴۱	**باب سوم**	۱۳۰
	تسخیر خلا اور تسخیر قمر کے شرعی امکانات	۱۳۰
۴۲	تسخیر خلا کے دلائل	۱۳۱
۴۳	آسمان کی طرف جن کا عروج	۱۳۳
۴۴	تسخیر خلا کی پیش گوئی	۱۳۷
۴۵	انسان کی خدا فراموشی	۱۳۸
۴۶	ایک دوسری آیت کریمہ سے استدلال	۱۳۸
۴۷	آلات کے ذریعہ عروج آسمان کی واضح ترین دلیل	۱۴۰
۴۸	تکوینی استعداد اور آلات	۱۴۱
۴۹	انسانی ارتقاء اور اقرار توحید	۱۴۲
۵۰	کلمہ لو پر بحث	۱۴۳
۵۱	اسباب کی تاثیر کا مسئلہ	۱۴۵
۵۲	علامہ عثمانی کی تقریر بخاری	۱۴۶
۵۳	مولانا روم اور اسباب و علل	۱۴۸
۵۴	مفسر روح البیان اور اسباب و آلات	۱۵۰
۵۵	فقہ کا مسئلہ	۱۵۱
۵۶	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۵۳
۵۷	سائنسی ترقیوں کے باوجود انسان کی بے بسی	۱۵۴

۵۸ باب چہارم ۱۵۶

سورج اور چاند زمین و آسمان کے درمیان ہیں ۱۵۶

۵۹ ایک اشکال ۱۵۸

۶۰ دوسرا اشکال ۱۶۱

۶۱ چاند کے تقدس کا مسئلہ ۱۶۲

۶۲ خلاصۂ کلام ۱۶۳

۶۳ سورج کی حرکت اور سائنس ۱۶۴

باب پنجم ۱۶۶

۶۴ تمام ستارے اور بروج زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ ۱۶۶

۶۵ قنادیل کا اطلاق تمثیلاً ہے ۱۶۸

۶۶ بروج کی بحث ۱۷۰

۶۷ برجوں کی کیفیتیں ۱۷۱

۶۸ بروج آسمان کے نیچے ہیں ۱۷۳

۶۹ تمام اجرام فلکی زمین و آسمان کے درمیان ہیں ۱۷۴

۷۰ باب ششم ۱۷۵

سائنس کے انکشافات قرآن کی صداقت پر گواہ ہیں ۱۷۵

۷۱ باب ہفتم ۱۷۸

وجود باری تعالیٰ پر سائنسدانوں کا ایمان ۱۷

۷۲ باب ہشتم ۱۸

امریکہ نے چاند پر پہنچ کر انسان کی کونسی خدمت کی ؟ ۱۸۴

۷۳ قانون استدراج ۱۸۵

۷۴	باب نہم	۱۸۶
	ستاروں کے بارے میں سائنس کے انکشافات	۱۸۶
۷۵	ستاروں کی دوری	۱۸۸
۷۶	سورج کا حجم	۱۸۹
۷۷	ستاروں کی تعداد	۱۹۰
۷۸	ستاروں کے فاصلے	۱۹۱
۷۹	ستاروں کی جسامت	۱۹۱
۸۰	ستاروں کی حرکت	۱۹۱
۸۱	باب دہم	۱۹۲
	ستاروں پر شرعی اور سائنسی نقطہ نظر سے بحث	۱۹۲
۸۲	باب یازدہم	۲۰۰
	اللہ تعالیٰ کا لامحدود علم اور لامحدود کائنات	۲۰۰
۸۳	لامحدود علم الٰہی	۲۰۴
۸۴	باب دوازدہم	۲۰۸
	آسمانوں میں جاندار مخلوق کا وجود	۲۰۸
۸۵	عقیدہ توحید پر بارہویں عقلی دلیل	۲۱۴
۸۶	روح کیا چیز ہے	۲۲۱
۸۷	تولید کے متعلق سائنس جدید کی تحقیق سے قرآن حکیم کی صداقت کا اعتراف	۲۲۴
۸۸	رحم مادر میں جنین کی مختلف حالتیں	۲۲۵
۸۹	عقیدہ توحید پر تیرھویں عقلی دلیل	۲۶۷

۹۰	عقیدہ توحید پر چودہویں عقلی دلیل	۲۷۶
۹۱	نذر لغیر اللہ اور تحریمات غیر اللہ میں فرق	۲۷۹
۹۲	عقیدہ توحید پر پندرھویں عقلی دلیل	۲۸۱
۹۳	عقیدہ توحید پر سولہویں اور سترھویں عقلی دلیل	۲۸۵
۹۴	عقیدہ توحید پر اٹھارہویں عقلی دلیل	۲۸۹
۹۵	عقیدہ توحید پر انیسویں عقلی دلیل	۲۹۳
۹۶	عقیدہ توحید پر بیسویں عقلی دلیل	۲۹۴
۹۷	عقیدہ توحید پر اکیسویں عقلی دلیل	۲۹۵
۹۸	" " بائیسویں " "	۲۹۵
۹۹	" " تیئسویں " "	۳۰۱
۱۰۰	" " چوبیسویں " "	۳۰۳
۱۰۱	" " پچیسویں " "	۳۰۴
۱۰۲	دعوتِ توحید کا طریقہ بطور استفہام	۳۰۸
۱۰۳	عقیدہ توحید پر چھبیسویں عقلی دلیل	۳۰۹
۱۰۴	" " ستائیسویں " "	۳۱۱
۱۰۵	عقیدہ توحید پر چھ عقلی دلائل کا اعادہ بطور تاکید	۳۱۴
۱۰۶	عقیدہ توحید پر اٹھائیسویں عقلی دلیل	۳۱۹
۱۰۷	" " انتیسویں " "	۳۲۴
۱۰۸	" " تیسویں " "	۳۲۷
۱۰۹	" " اکتیسویں " "	۳۳۰
۱۱۰	" " بتیسویں " "	۳۳۴

۱۱۱	عقیدہ توحید پر تینتسویں عقلی دلیل	۳۳۶
۱۱۲	〃 〃 〃 چونتیسویں 〃 〃	۳۳۸
۱۱۳	〃 〃 〃 پینتسویں 〃 〃	۳۳۹
۱۱۴	〃 〃 〃 چھتیسویں 〃 〃	۳۴۰
۱۱۵	〃 〃 〃 سینتیسویں 〃 〃	۳۵۳
۱۱۶	〃 〃 〃 اڑتیسویں 〃 〃	۳۵۶
۱۱۷	〃 〃 〃 انتالیسویں 〃 〃	۳۵۷
۱۱۸	〃 〃 〃 چالیسویں 〃 〃	۳۵۹
۱۱۹	〃 〃 〃 اکتالیسویں 〃 〃	۳۶۰
۱۲۰	〃 〃 〃 بیالیسویں 〃 〃	۳۶۳
۱۲۱	〃 〃 〃 تنتالیسویں اور چوالیسویں عقلی دلیل	۳۶۹
۱۲۲	〃 〃 〃 پنتالیسویں عقلی دلیل	۳۷۱
۱۲۳	〃 〃 〃 چھیالیسویں 〃 〃	۳۷۸
۱۲۴	〃 〃 〃 سینتالیسویں 〃 〃	۳۷۸
۱۲۵	〃 〃 〃 اڑتالیسویں 〃 〃	۳۸۰
۱۲۶	〃 〃 〃 انچاسویں 〃 〃	۳۸۳
۱۲۷	〃 〃 〃 پچاسویں 〃 〃	۳۸۴
۱۲۸	〃 〃 〃 اکیاونویں 〃 〃	۳۸۷
۱۲۹	〃 〃 〃 باونویں 〃 〃	〃
۱۳۰	〃 〃 〃 چار عقلی دلائل	۳۹۰
۱۳۱	〃 〃 〃 دو اور عقلی دلائل	۳۹۴

۱۳۲	عقیدہ توحید پر تین اور عقلی دلائل	۳۹۷
۱۳۳	″ ″ ″ ایک اور عقلی دلیل	۳۹۹
۱۳۴	″ ″ ″ دو اور عقلی دلائل	۴۰۳
۱۳۵	″ ″ ″ ایک اور عقلی دلیل	۴۰۷
۱۳۶	آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب اور ایام تخلیق کی تعیین	
۱۳۷	عقیدہ توحید پر ایک اور عقلی دلیل	۴۲۰
۱۳۸	″ ″ تین عقلی دلائل	۴۲۴
۱۳۹	اللہ تعالیٰ سارے جہاں کا مالک ہے	۴۲۹
۱۴۰	تفسیر شہادت اوّل	۴۳۱
۱۴۱	″ ″ دوم	۴۳۵
۱۴۲	″ ″ سوم	۴۳۹
۱۴۳	″ ″ چہارم	۴۴۴
۱۴۴	″ ″ پنجم	۴۴۶
۱۴۵	سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے	۴۴۹
۱۴۶	بحث صفت ربوبیت کا خلاصہ	۴۵۹
۱۴۷	ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے	۴۶۲
۱۴۸	تفسیر شہادت اوّل	۴۶۲
۱۴۹	شہادت دوم کہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہری اور مخفی چیز کو جانتا ہے	۴۶۶
۱۵۰	شہادت سوم	۴۶۷
۱۵۱	شہادت چہارم	۴۶۹
۱۵۲	″ پنجم	۴۷۲

۱۵۳	شہادت ششم	۴۷۳
۱۵۴	شہادت ہفتم	۴۷۵
۱۵۵	شہادت ہشتم	۴۷۷
۱۵۶	شہادت نہم، اللہ تعالیٰ انسان کے مشورے اور حرکات جانتا ہے	۴۸۰
۱۵۷	شہادت دہم، حضرت نوحؑ کا اعلان کہ اللہ عالم الغیب ہے	۴۸۱
۱۵۸	شہادت یازدہم اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں جانتا ہے	۴۸۵
۱۵۹	شہادت دوازدہم اللہ تعالیٰ رحم مادر میں حمل کی ہر حالت جانتا ہے	۴۸۶
۱۶۰	شہادت سیزدہم اللہ تعالیٰ انسان کے منہ سے نکلنے والی ہر بات جانتا ہے	۴۹۰
۱۶۱	شہادت چہاردہم اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تہوں میں رہنے والوں کو بھی جانتا ہے	۴۹۴
۱۶۲	شہادت پانزدہم اللہ تعالیٰ پتھر کے اندر کی چیز کو جانتا ہے	۴۹۶
۱۶۳	شہادت شانزدہم کل ہونے والے واقعات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔	۴۹۸
۱۶۴	شہادت ہفدہم زمین میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے والی اور آسمان سے اترنے اور چڑھنے والی چیزیں بھی جانتا ہے	۵۰۱
۱۶۵	شہادت ہشتدہم اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی مخفی نہیں اور ہر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے	۵۰۴
۱۶۶	شہادت نوزدہم اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی عمر کا علم ہے	۵۰۶
۱۶۷	شہادت بستم اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت بھی جانتا ہے	۵۰۸
۱۶۸	شہادت بست ویکم اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہے ہیں	۵۰۹

۱۶۹	شہادت بست و دوم، فنا شدہ چیزوں کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے	۵۱۱
۱۷۰	شہادت بست و سوم، اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے	۵۱۴
۱۷۱	شہادت بست و چہارم، اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز کا خالق ہے اس لیے اسے جاننا بھی ہے	۵۱۹
۱۷۲	شہادت بست و پنجم، اللہ تعالیٰ خلائی مخلوق کو بھی جانتے ہیں	۵۲۰
۱۷۳	شہادت بست و ششم، اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانہ علمی میں سے رسولوں کو بھی کچھ عطا فرمایا ہے	۵۲۲
۱۷۴	شہادت بست و ہفدہم، اللہ تعالیٰ رات دن کے اوقات اور لمحات کو بھی جانتے ہیں	۵۲۴
۱۷۵	دلائل نقلیہ کا بیان	۵۲۶
۱۷۶	دلیل نقلی اوّل عقیدہ توحید حضرت آدم علیہ السلام	۵۲۷
۱۷۷	دلیل نقلی دوم حضرت نوح علیہ السلام کا عقیدہ توحید	۵۳۰
۱۷۸	دلیل نقلی سوم حضرت ہود علیہ السلام کا عقیدہ توحید	۵۳۹
۱۷۹	عاد اور ثمود کی مختصر تاریخ	۵۴۲
۱۸۰	حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ اور بعض حالات	۵۴۴
۱۸۱	دلیل نقلی چہارم حضرت صالح علیہ السلام کا عقیدہ توحید	۵۴۹
۱۸۲	دلیل نقلی پنجم حضرت لوط علیہ السلام کا عقیدہ توحید	۵۶۶
۱۸۳	دلیل نقلی ششم حضرت شعیب علیہ السلام کا عقیدہ توحید	۵۷۵
۱۸۴	دلیل نقلی ہفتم جنات کا عقیدہ توحید	۵۹۵
۱۸۵	جنات کی حقیقت	۶۰۳
۱۸۶	سورۂ جن کے نزول کے واقعہ کی تفصیل	۶۰۴

۱۸۷ ابوطالب کی وفات اور آنحضرتؐ کا سفر طائف ۶۰۵

۱۸۸ ایک صحابی جن کا واقعہ ۶۰۹

۱۸۹ حضرت رافع بن عمیر کا اسلام بسبب جنات ۶۱۱

۱۹۰ جنات آسمانوں کی خبریں سننے کے لیے صرف بادلوں تک جاتے تھے ۶۱۳

۱۹۱ شہاب ثاقب بعثت نبوی سے پہلے بھی تھے مگر ان کے ذریعہ دفع شیاطین کا کام آپؐ کے زمانہ سے ہوا ۶۱۵

۱۹۲ علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق ۶۱۸

۱۹۳ دلیل نقلی ہشتم فرشتوں کا عقیدہ توحید ۶۲۱

۱۹۴ عقیدہ توحید پر عقلی اور نقلی دلائل کی برکات اور فوائد ۶۲۵

۱۹۵ مثال اوّل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے جادوگروں کی استقامت کا واقعہ ۶۲۶

۱۹۶ مثال دوم استقامت اصحاب کہف کا واقعہ ۶۲۸

۱۹۷ مثام سوم خندق والوں کی استقامت کا واقعہ ۶۳۰

۱۹۸ مثال چہارم حضرت زبیرؓ بن عوام کی استقامت کا واقعہ ۶۳۴

۱۹۹ مثال پنجم حضرت بلالؓ بن رباح کی استقامت کا واقعہ ۶۳۵

۲۰۰ مثال ششم حضرت یاسرؓ اور ان کی بیوی کی استقامت کا واقعہ ۶۳۸

۲۰۱ مثال ہفتم حضرت خبابؓ بن ارت کی استقامت کا واقعہ ۶۳۹

۲۰۲ مثال ہشتم حضرت زید بن دثنہ اور حضرت خبیب کی استقامت کا واقعہ۔ ۶۴۰

دیباچہ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

بیحد اور بے انتہا حمد وثنا اس اللہ جلّ جلالہٗ اور عمّ نوالہٗ کے لیے لائق اور زیبا تر ہے جس نے بلا شرکتِ غیر اس پوری کائنات کو اپنے کلمۂ کُن سے پیدا فرمایا ہے اور فرما رہا ہے۔ اور اپنی لم یزل اور لا یزال بسیط اور محیط غیر مکتسب حکمت عملی اور اختیارات قاھرہ اور باھرہ سے ہر ذرّہ کو نشوونما دے کر تدریجی طور پر پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے اور فرشِ زمیں سے لے کر عرشِ بریں تک ہر چیز کو اپنی قدرتِ کاملہ کا مظہر بنایا ہے۔ اور اپنی ذاتِ اقدس کا تعارف کرانے کے لیے ہر انسان کو عقل وخرد اور شعور بخشا ہے تاکہ وہ ان مادیات اور اسباب میں غور و فکر کرکے اس کی ذات پر یقین کامل پیدا کر سکے۔ اور اس پر دلیل نقلی کے طور پر انبیاء علیہم السلام کو اپنے کارخانۂ قدرت کا ماہر بنا کر مبعوث فرمایا ہے تاکہ اس کے تعارف کے سلسلہ میں لغزش کھانے والی عقل کو وہ راہِ راست پر لا سکیں۔ اور ان پر اپنی کتابیں بھی نازل فرمائی ہیں تاکہ انبیاء کے بعد رہتی دنیا

ان سے مستفید ہو سکے ۔ اور کروڑ ہا رحمتیں نازل ہوں حضرت محمدؐ مصطفٰے حبیبِ کبریا خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ان کے صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ پر اور ان علماء کرامؒ اور بزرگانِ دینؒ پر جن کی مساعی اور محنت شاقہ سے باقی انسانوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا تعارف نصیب ہوا

بنا کردند خوش رسمے بخاک خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

از

احقر حمید الرحمان عباسی عفی عنہ

اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ۝ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ کہہ دو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے برابر کا کوئی نہیں ہے۔

تحقیق الفاظ

قُلۡ صیغہ امر ہے قَوۡل سے بنا ہے اس کے مخاطب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ۔ اسم للذات الواجب الوجود والمستحق لجمیع المحامد (المطول) ترجمہ اللہ اس ذات کا نام ہے جس کا ہونا ضروری ہے اور وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ لفظ اللہ کی اصل میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض علماء لغت کا قول ہے کہ اللہ اصل میں اِلٰہٌ ہے۔ اس کے شروع میں اَلۡ لگایا اور ہمزہ فا کلمہ کو حذف کر دیا تو اَلۡ لَہٗ بن گیا اور

پھر اَلْ والے لْ کو لَہٗ کے لام سے ملا دیا تو اللہ بن گیا۔ الہ ہر معبود کو کہتے ہیں۔ معبودان باطلہ اور غیر باطلہ دونوں کو شامل ہے اور اللہ صرف معبود برحق کو کہتے ہیں۔ اور بعض علماء لغت کا کہنا ہے کہ اللہ کا اصل اِلٰہٌ ہے۔ اس کا معنی حیرت ہے اور اللہ کو اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ لوگ اس کی ذات اور صفات میں حیرت زدہ ہیں۔ کیونکہ انسان اپنی تخلیق سے لے کر آج تک اس کی ذات اور صفات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن کسی کو ابھی تک کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اس لیے انسان حیرت میں ہے۔ اسی لیے ایک روایت ہے۔ تفکروا فی الاء اللہ ولا تفکروا فی اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک رسائی ناممکن ہے۔

قطعہ

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہم چناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

(شیخ سعدی)

اور بعض اہلِ لغت نے فرمایا ہے کہ لفظ اللہ کی اصل ولاہ ہے۔ اور ولاہ کے معنی عشق و محبّت کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اسی لیے اللہ کہتے ہیں کہ وہ سچّا اور حقیقی محبوب ہے۔ اسی لیے عموماً دیکھا گیا ہے کہ مجازی محبوبوں کی محبت تا دیر نہیں رہتی کٹ جاتی ہے اور آخر دشمنی میں بدل جاتی

ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے جو لو لگا لیتا ہے وہ کٹ تو سکتا ہے لیکن اس کی محبّت ختم نہیں ہو سکتی۔ اور واء کو ہمزہ سے بدلایا اور پھر اسکے شروع میں اَلْ لگایا تو ہمزہ فا کلمہ کو حذف کر دیا اور پھر لام کو لام میں ادغام کیا تو اللہ ہو گیا اور بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ لفظ اللہ کا اصل مادہ لِیَاھًا ہے یعنی لاہ یلوہ لِیَاھًا۔ واء کو الف سے بدلا اور شروع میں اَلْ داخل کیا تو اللہ ہو گیا۔ اس کے معنی حجاب کے ہیں اور اللہ کو لِلّٰہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں سے حجاب میں ہے جیسا کہ قرآن مجید کی یہ آیت ہے، کہ لا تدرکہ الابصار وھو یدرك الابصار۔ آنکھیں اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتیں اور وہ ان کی حقیقت کو پا لیتا ہے (یہ تحقیق مفردات امام راغب اصفہانی سے منقول ہے)

اَحَدٌ اس لفظ کا استعمال دو طرح ہوتا ہے نفی میں اور اثبات میں۔ جب اس کا استعمال نفی میں ہو تو پھر یہ نفی سب کو شامل ہوتی ہے صرف فردِ واحد کی نفی مقصود نہیں ہوتی۔ مثلاً مَافِی الدَّار احد گھر میں کوئی ایک بھی نہیں ہے اور اگر لفظ احد کا استعمال مقام اثبات میں ہو تو پھر یہ لفظ تین طرح استعمال ہوتا ہے۔ ایک جب اس کو عشرات سے ملایا جائے جیسے احد عشر احد وعِشْرُوْنَ وغیرہ ذالك اور دوسرا جب اس کو مضاف یا مضاف الیہ بنایا جائے تو اس وقت یہ لفظ اوّل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اما احد کما فیسقی ربہ خمرا یا یوم الاحد۔ ان دونوں مثالوں میں لفظ احد اوّل کے معنی میں ہے اور تیسرا یہ لفظ مطلق صفت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر

ہی ہوسکتا ہے۔ غیر اللہ پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔ جیسے قل هو الله احد۔ کیونکہ احدیّت کا مقصد یہ ہے کہ جو ذات ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے اور اس پر کبھی فنا طاری نہ ہو اور اس میں تعدّد اور تجزّی نہ ہو ایسی ذات بے مثل اور یکتا صرف اور صرف وہ ایک ہی ہے۔ اب قل هو الله احد کا مقصد یہ ہوا کہ وہ ذات جو واجب الوجود ہو۔ جس میں کمالات کی تمام خوبیاں جمع ہوں اور اس میں کسی قسم کا عیب اور نقص نہ ہو۔ ایسی ذات وہ ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی ذات ایسی نہیں جس میں یہ مذکورہ صفات پائی جائیں اس لیے کسی اور پر صفت احدیّت کا اطلاق جائز نہیں ——— (یہ تحقیق امام راغب سے منقول ہے)

الله الصَّمَدُ قال علیہ السلام هو السیّد الذی یصمد الله فی الحوائج (کبیر) آپ نے فرمایا صمد اس سردار کو کہتے ہیں جس کی طرف لوگ اپنی حاجتیں لے جائیں۔ عن ابن عباسؓ عن ابی ھریرۃؓ هو المستغنی عن کل احد المحتاج الیه کل احد (روح) ترجمہ صمد وہ ہے جو سب سے بے پروا ہو اور باقی سب اپنی حاجتیں اس کے پاس لے جائیں ——— (یہ تفسیر ماجدی سے منقول ہے)

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ - یہ دونوں صیغے ولادت سے بنے ہیں۔ اس آیت میں یہودی، عیسائی اور مشرکین کے باطل نظریات کی تردید ہے یہودی حضرت عزیر علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں اور مشرکین فرشتوں کو اور جنات

٩٢١٥٧

کو خدا کی اولاد تصوّر کرتے تھے۔ اس آیت میں ان سب باطل نظریات کی تردید کی گئی ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ - بعض مشرکوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں کا باہم رشتہ ہے اور ان سب کا بڑے معبود سے بھی رشتہ ہے۔ اس آیت میں اس خیال باطل کی تردید ہے۔

شانِ نزول

ترمذی حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا نسب پوچھا تھا۔ ان کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ دوسری بعض روایات میں یہ سوال یہود مدینہ کی طرف منسوب ہے۔ اسی لیے اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت حسن بصری، عطا، عکرمہ، جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو مکی کہا ہے۔ اور قتادہ ضحاک وغیرہ نے مدنی۔ حضرت ابن عباسؓ کے دو قول منقول ہیں (قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ مشرکین کے سوال میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ سونا چاندی یا اور کچھ۔ ان کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔

فضائل سورۃ

امام احمدؒ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض

کیا کہ مجھے اس سورۃ (اخلاص) سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا ہے (ابن کثیر) ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ سب جمع ہو جاؤ۔ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا۔ جو جمع ہو سکتے تھے جمع ہو گئے۔ تو آپ تشریف لے آئے اور قل ھو اللہ الخ کی قرارت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سورۃ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے (رواہ مسلم فی صحیحہ)۔ اور ابوداؤد ترمذی نسائی نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح و شام قل ھو اللہ اور معوذتین پڑھ لے تو یہ اس کے لیے کافی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لیے کافی ہے (ابن کثیر) امام احمدؒ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی تین سورتیں بتاتا ہوں کہ جو توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن سب میں نازل ہوئی ہیں اور فرمایا کہ رات کو اس وقت تک نہ سوؤ جب تک ان تینوں (معوذتین اور قل ھو اللہ احد) کو نہ پڑھ لو (معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس سورۃ میں ممتاز توحید اسلام کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ اپنی حاجت لے کر کسی کے پاس نہیں جاتا۔ باقی سب اسی سے مانگتے ہیں۔ وہ کسی کی اولاد نہیں اور اس کا کوئی کنبہ برادری نہیں۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	اور تمہارا معبود ایک ہی ہے
لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ	جس کے سوا اور کوئی معبود
الرَّحِيْمُ ۝ (سورہ البقرہ	نہیں ۔ بڑا مہربان نہایت
آیت ۱۶۴) اَللّٰهُ	رحم والا ہے اللہ کے سوا
لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ	کوئی معبود نہیں ۔ زندہ ہے
الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ	سب کا تھامنے والا ہے
سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط	نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے
(سورۃ البقرہ آیت ۲۵۴)	نہ نیند۔

یہاں اس جگہ دو آیتوں کے چار جملے نقل کئے گئے ہیں ۔ پہلا جملہ سورۃ الاخلاص کے پہلے جملہ کی تفسیر ہے کیونکہ سورۃ اخلاص مسئلہ توحید کا متن ہے اور باقی تمام آیات توحید اس کی تفسیر ہے ۔ اسی لیے اس کو شروع میں رکھا گیا ہے کیونکہ متن کی وضاحت تفسیر اور تفصیل سے ہی معلوم ہوتی ہے اور پہلا جملہ سورۃ اخلاص کے پہلے جملہ کی تفسیر اس طور پر ہے کہ سورۃ اخلاص کے پہلے جملہ میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو چونسٹھ کے پہلے جملہ میں یہ فرمایا ہے کہ معبود بھی وہی ایک ہے یعنی بندگی اور پرستش کے لائق بھی وہی ہے اور دوسرے جملہ میں تین چیزوں کا بیان ہے ۔ پہلی چیز یہ ہے کہ بندگی کے لائق اور کوئی نہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہ رحمان ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ رحیم ہے۔

یہ دونوں الفاظ (رحمان اور رحیم) رحم سے بنے ہیں ۔ رحم کے لغوی معنی رقت قلبی کے ہیں اور اصطلاح میں جب آدمی کسی کو محبت اور

شفقت بھرے الفاظ سے یاد کرے اور اس پر احسان اور انعام کرے تو اسے رحمت کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف جب ان الفاظ کی نسبت کی جاتی ہے تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت کرتے ہیں اور ان پر انعامات اور احسانات بھی فرماتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں جو زیادہ تر ان دو لفظوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف آئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ رحمان اور رحیم دونوں صیغہ مبالغہ ہیں۔

یہاں مبالغہ سے مراد اردو محاورات کا مبالغہ نہیں ہے بلکہ عربی محاورات کا مبالغہ مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ عربی میں جب کسی میں بے حد خوبیاں اور کمالات جمع ہوں تو ان کو بیان کرنے کے لیے جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے اسے مبالغہ کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں اور بقیہ مخلوقات پر بے حد مہربان ہے اور اس کی مہربانی کے اسباب انسان شب و روز دیکھ رہا ہے اور ان کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ صفت ظاہر کرنے کے لیے یہ دونوں لفظ رحمان اور رحیم بار بار قرآن مجید میں بیان فرمائے تاکہ لوگوں کو اس کی اس صفت بے پایاں کا پتہ چلے اور اسکی رحمتوں کے خزانے حاصل کرنے کے لیے اس کے ساتھ اپنا تعلق جوڑیں۔ اور اس کی صفت رحیمی اور بے پایاں رحمت یہ ہے کہ وہ انسانوں پر حیوانات اور چرند پرند سب پر مہربان ہے۔ دنیا میں بھی مہربان ہے اور آخرت میں بھی مہربان ہوگا۔ دنیا کی مہربانی تو ظاہر ہے اور آخرت کی مہربانی یہ ہے کہ اس نے آخرت کے نیک اور برے انجام سے پہلے ہی اس دنیا میں انسان کو آگاہ فرما دیا ہے۔ اور وہ اس سے آگاہ نہ فرماتا اور قیامت کے دن ویسے ہی دوزخ میں ڈالے تو یہ زیادتی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کسی پر زیادتی

کرنے والے نہیں ہیں ۔ اور پھر ان دونوں لفظوں (رحمان اور رحیم) میں فرق یہ ہے کہ رحمان عام ہے ۔ کافروں، ایمان والوں بقیہ حیوانات وغیرہ سب کو شامل ہے اور رحیم ایمان والوں کے لیے مخصوص ہے۔ لیکن یہ خصوصیت کسی خاص موقعہ پر ہی ہو گی ۔ اور یہ موقعہ دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اور آخرت میں بھی ہو گا ۔ دنیاوی مثالیں تو بہت ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتشِ نمرود سے نجات دینے کا واقعہ اور ان کے صاحب زادہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح ہونے سے بچانے کا واقعہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچانے کا واقعہ وغیرہ ذالک بہت سے واقعات موجود ہیں ۔ ہم نے نمونے کے طور پر اور اجمالاً یہ تین ہی پیش کئے ہیں اور ایمان والوں کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ جو مہربانیاں فرمائیں گے وہ قیامت کو ہی ظاہر ہوں گی ۔ البتہ قرآن مجید میں ان کی کچھ تفصیلات بیان فرمائی ہیں جو عنقریب ان شاء اللہ العزیز بحث قیامت میں بیان ہوں گی۔ بہرحال سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو چونسٹھ کے دونوں جملے سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت قل ھو اللہ احد کی تفسیر ہے جس کا خلاصہ مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ بندگی کے لائق اس لیے ہے کہ وہ بہت بڑا مہربان ہے۔

(ملخص از ابن کثیر بحوالہ ابن جریر)

اس کے بعد سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۴ کے دو جملے ہیں اور یہ دونوں جملے بھی سورۃ الاخلاص کے پہلے جملہ کی تفسیر ہے ۔ ان دونوں جملوں میں سے پہلے جملہ کا پہلا حصہ (اللہ لا الٰہ الا ھو) تو بطور تاکید نقل کیا گیا ہے کیونکہ آیت ایک سو چونسٹھ میں آچکا ہے کہ لا الٰہ الا ھو الرحمان الرحیم۔

اور پھر اس مضمون کا اعادہ بطور تاکید ہی ہو سکتا ہے اور اس سے پہلے جملہ کے دوسرے حصّہ میں فرمایا ھو الحیّ القیّوم۔ اس کی تفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ آل عمران کی پہلی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اشیاء کی ترکیب صورت اور مادہ سے ہے۔ جس صفت کے انعکاس سے صورتیں پیدا ہوتی ہیں وہ حیّ ہے اور جس اسم کی تاثیر سے مادہ پیدا ہوتا ہے وہ قیوم کہلاتا ہے تو حاصل یہ ہے کہ مادہ اور صورت کی انتہا اللہ تعالیٰ ہی پر ہے۔ جب مادہ اور صورت کی انتہاء اسی پر ہے تو پھر دوسرے کے دروازے پر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ جس چیز کی ہمیں ضرورت ہو گی اس میں یہی دو چیزیں ہوں گی۔

اور سورۃ البقرہ کی آیت دوسو چون کے دوسرے جملہ میں فرمایا کہ ولا تاخذہ سنۃ ولا نوم کہ اس اللہ تعالیٰ کو اونگھ اور نیند بھی نہیں دباتی۔ دراصل یہ جملہ ایک شبہ کا ازالہ ہے۔ شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب سارے جہان کی صورتیں اور مادہ بنانے والا ہے تو پھر وہ تھک جاتا ہو گا تو اس کی وجہ سے اسے نیند یا اونگھ آجاتی ہو گی۔ تو اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ اس کو نیند یا اونگھ نہیں آتی۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے وہ بہت بڑا مہربان ہے۔ سارے جہان کی صورتیں اور مادہ بنانے والا وہی ہے۔ اور اتنی کارکردگی پر اسے تھکاوٹ، نیند یا اونگھ تک نہیں آتی۔ لہٰذا اسی ذات کے ساتھ انسان کو اپنا تعلق جوڑنا چاہیئے۔

شَهِدَ اللّٰہُ اَنَّـہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ط لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○	اللہ نے، فرشتوں نے اور علم والوں نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے ۔ وہی انصاف کا حاکم ہے ۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں زبردست حکمت والا ہے۔
(سورۃ آل عمران آیت ۱۸)	

تفسیر

سورۃ آل عمران کی یہ آیت نمبر ۱۸ بھی سورۃ اخلاص کے پہلے جملہ قل ھو اللہ احد کی تفسیر ہے مگر اس کی پوری تفسیر تو ان شاء اللہ العزیز بحث دلائل میں بیان ہوگی ۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان فرمائی گئی ہیں ۔ پہلی قائما بالقسط دوسری عزیز اور تیسری حکیم ہے ۔ پہلی صفت کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ عادل ہے ہر وقت انصاف پر قائم ہے۔ اس کی پوری تفصیل خلاصہ تفسیر جلد ثامن میں موجود ہے

اور آیت میں دوسری صفت عزیز بیان فرمائی ہے یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے عزت سے بنا ہے ۔ اب اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالےٰ بڑی عزت والا ہے اور عزت والا وہ ہوتا ہے جس کے پاس طاقت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی طاقت کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ سارے جہان کی صورتیں بنانے والا بھی وہی ہے اور مادہ بنانے والا بھی وہی ہے تو پھر اس کی طاقت اور زور ظاہر ہے ۔

اور اس آیت میں تیسری صفت حکیم بیان ہوئی ہے ۔ یہ لفظ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے حکمت سے بنا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا دانا، سمجھ دار اور کاریگر ہے ۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (سورۃ النمل آیت ۲۶)	اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش عظیم کا مالک ہے
لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (سورۃ القصص آیت ۸۸)	اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔
وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ۝ (سورۃ ص آیت ۶۵)	اور اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ایک ہے سب پر غالب ہے ۔
وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ (سورۃ زخرف آیت ۸۴)	اور وہ جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے اور وہی حکمت والا جاننے والا ہے ۔

تفسیر

یہاں پر متعدد سورتوں کے جملے ہیں اور یہ سب سورۃ الاخلاص کے پہلے جملہ قل ھو اللہ کی تفسیر ہیں ۔ پہلا جملہ سورۃ النحل کا ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم کا مالک ہے ۔ لفظ عرش کا معنیٰ تخت

ہے۔ اور یہاں عرش سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں کے اوپر اللہ تعالےٰ کا تخت ہے جو ان سب کو حاوی ہے۔ اور اس کی وسعت کی تفصیل حدیث میں یوں آئی ہے کہ جیسا کہ ایک بہت بڑے میدان میں ایک انگوٹھی ڈال دی جائے۔ اسی طرح ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کی حیثیت ایک انگوٹھی کی سی ہے اور عرش کی حیثیت اس میدان کی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی کرسی عرش اور آسمانوں اور زمین سب کو حاوی ہے۔ پس مقصد یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم کا مالک ہے اس لیے وہی بندگی کے لائق ہے

اس کے بعد سورۃ القصص کے دو جملے ہیں ان میں سے پہلا جملہ بطور تاکید بیان فرمایا ہے تاکہ عقیدۂ توحید ذہن نشین رہے اور دوسرے جملہ میں فرمایا ہے کہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور اللہ تعالیٰ پر کبھی فنا طاری نہیں ہوگی۔ اس لیے انسان کو فانی شئے کی عبادت نہیں کرنا چاہیئے بلکہ باقی رہنے والی ذات کی عبادت کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد سورۃ زخرف کے دو جملے ہیں۔ پہلے میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔ یعنی اس کی اکائی اور معبودیت صرف زمین ہی میں نہیں بلکہ آسمانوں میں بھی ہے اور دوسرے جملے میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ حکیم علیم ہے یعنی وہ بہت بڑا سمجھ دار ہے اور بہت بڑا ماہر ہے۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ اسی کے ساتھ رشتۂ بندگی، پرستش اور عبادت کا تعلق جوڑنا چاہیئے نہ کہ کسی انجان اور ناسمجھ اور کم علم کے ساتھ۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ج عَالِمُ الْغَیْبِ
وَالشَّهَادَةِ هُوَ
الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝
هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ
الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ
الْخَالِقُ الْبَارِئُ
الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰی ،

(سورۃ حشر آیت ۲۲ تا ۲۴)

وہی اللہ ہے اس کے سوا
کوئی معبود نہیں، سب چھپی
اور کھلی باتوں کا جاننے والا
ہے۔ وہ بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے وہی
اللہ ہے اس کے سوا
کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ
پاک ذات سلامتی دینے والا
امن دینے والا نگہبان زبردست
خرابی کا درست کرنے والا
بڑی عظمت والا ہے۔ اللہ
پاک ہے اس سے جو اس کے
شریک ٹھہراتے ہیں وہی
اللہ ہے پیدا کرنے والا
ٹھیک ٹھیک بنانے والا
صورت دینے والا اس
کے اچھے اچھے نام ہیں۔

تفسیر

یہ آیات بھی سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت قل ھو اللہ احد کی تفسیر ہے ان میں سے بعض جملے لا الٰہ الا ھو اور ھو الرحمان

الرّحیم، جو مکرر آئے ہیں یہ بطور تاکید آئے ہیں ان کی تفسیر پہلے بیان ہوچکی ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ بعض اسماء کی تفسیر کی ضرورت ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی پہلی صفت عالم الغیب و الشہادہ بیان فرمائی ہے۔ یہاں غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آدمیوں سے مخفی ہیں اور شہادۃ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ان کے سامنے ہیں۔ پس آیت کا مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بھی جانتے ہیں جو آدمیوں سے مخفی ہیں اور ان چیزوں کو بھی جانتے ہیں جو ان کے سامنے ہیں اور یہاں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت مَلِکُ بیان فرمائی ہے۔ ملک کا معنی بادشاہ ہے تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ وہ اللہ ایک ہے سارے جہان کا بادشاہ ہے اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو جیسے چاہے اور جو چاہے کرے اسے کوئی روک نہ سکے تو اللہ تعالیٰ جہان کا بادشاہ ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت القدوس بیان فرمائی ہے۔ قدوس کے معنی پاک ہے تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام عیوب سے پاک ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت السّلام بیان فرمائی ہے تو اس کا معنی ہے سلامتی دینے والا۔ اور پانچویں صفت المؤمن بیان فرمائی ہے یہ لفظ امن سے بنا ہے اس کا معنی ہے امن دینے والا، اور چھٹی صفت المھیمن بیان فرمائی ہے اس کا معنی ہے نگہبانی کرنے والا پس ان صفات کا مقصد یہ ہوا کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے تو اللہ تعالیٰ اسے سلامتی بھی دیتے ہیں یعنی آفات و بلیّات مصائب امراض وغیرہ سے بچاتے ہیں اور دشمنوں سے امن دیتے ہیں۔

اوراس کی نگہبانی فرماتے ہیں۔ اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ساتویں صفت عزیز بیان فرمائی ہے اس کی تفسیر پہلے بیان ہوگئی ہے اور آٹھویں صفت جبار بیان فرمائی ہے۔ یہ لفظ جَبْرٌ سے بنا ہے۔ زخم پر پٹی باندھنے کے معنی میں ہے اور پٹی زخم کو درست کرنے کے لیے باندھی جاتی ہے اور جبّار چونکہ صیغہ مبالغہ بھی ہے اس لیے اس کا معنی ہے بے حد درست کرنے والا۔ یعنی انسانوں میں یا باقی مخلوقات میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں تو وہی درست کرتا ہے۔ اس کے بعد نویں صفت المتکبّر بیان فرمائی ہے۔ یہ لفظ اسم فاعل کا صیغہ ہے کِبْرٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہے بڑائی۔ اور متکبّر صیغہ اسم فاعل باب تَفَعُّلٌ سے بنا ہے اور اس باب کی بہت سی خصوصیات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی صفت اپنے اندر خود پیدا کرنا۔ اور اب اس لفظ کا معنی ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات بے پایاں ہیں وہ اس نے کسی کی مدد اور تعاون سے پیدا نہیں کی ہیں اور کسی سے مستعار بھی نہیں لی ہیں بلکہ خود پیدا کی ہیں۔ اس لیے آگے فرمایا ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یشرکون یعنی اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز بنانے میں کسی معاون اور مددگار کی ضرورت نہیں۔ اور دسویں صفت خالق بیان فرمائی ہے۔ یہ لفظ خلقت سے بنا ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ پس اس لفظ کا معنی یہ ہوا کہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانا اسی اللہ کا کام ہے اور اس کے بعد گیارھویں صفت البارئ ہے۔ اس کا معنی ہے ٹھیک بنانے والا۔

پس اس کا مقصد یہ ہوا کہ اس نے جو چیز بنائی ہے ٹھیک بنائی ہے اس کے بعد بارھویں صفت المصوّر بیان فرمائی ہے یعنی ہر چیز کی شکل وصورت

بنانے والا بھی وہی ہے۔ اور آخر میں فرمایا ہے کہ لہ الاسماء الحسنیٰ کہ یہ سارے اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ یہ جملہ اصل میں ایک وہم دور کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ شاید خدا بہت ہوں گے کیونکہ بہت سے نام جو ذکر کئے گئے ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے تو ایک ہی ہے اور یہ اس کی ذات واحد کے اچھے اچھے نام ہیں۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور بہت خوبیوں کا مالک ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ اسی ایک ذات کی عبادت کرے اور اپنی ضروریات کے لیے اسی کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے۔

متعدد خدا ماننے کی سزا

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ؕ
(سورۃ النساء آیت ۱۷۱)

اور نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ اس بات کو چھوڑ دو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ بے شک اللہ اکیلا معبود ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو

یقیناً وہ لوگ کافر ہیں

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

(سورۃ المائدہ آیت ۷۳)

جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ تین میں سے ایک ہے حالانکہ سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئیں گے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ

اور وہ لوگ اللہ کا شریک جنّات کو ٹھہراتے ہیں حالانکہ اس (اللہ) نے انہیں پیدا کیا ہے اور جہالت سے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ وہ پاک ہے اور ان باتوں سے بہت بلند ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کو از سر نو پیدا کرنے والا ہے اس کا بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس کی بیوی

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ نہیں اور اس نے ہر چیز
(سورۃ الانعام آیت ۱۰۰-۱۰۱) کو بنایا ہے اور وہ ہر چیز
کو جاننے والا ہے۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں متعدد آیات کے جملے جمع کئے گئے ہیں۔ پہلے سورۃ النساء کی آیت ۱۷۱ کے تین جملے ہیں۔ پہلے جملے میں تین خداؤں کے عقیدے سے منع فرمایا ہے اور دوسرے جملے میں اس کا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں تمہاری بہتری ہے اور تیسرے جملے میں فرمایا ہے کہ یقین جانو کہ اللہ ایک ہے اس کو اولاد کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت ۷۳ ہے۔ اس میں فرمایا ہے کہ جو لوگ تین خدا ماننے کے عقیدے سے باز نہیں آئیں گے انہیں عذاب ہوگا اور اس کے بعد سورۃ الانعام کی دو آیتیں ہیں۔ ان میں یہ فرمایا ہے کہ کچھ لوگ جنّات کو خدا کی اولاد اور شریک مانتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اولاد اور شریک کی ضرورت نہیں ہے وہ تو آسمانوں اور زمین جیسی مخلوق بنانے والا ہے۔

پس یہ آیات بھی سورۃ الاخلاص کی تفسیر ہے۔ ان آیات کا مقصد یہ ہے جو آدمی اس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کو نہیں مانے گا تو وہ اللہ تعالیٰ ایسے عقائد والوں کو سزا بھی دے گا۔ لہٰذا جو اس کی سزا سے بچنا چاہے وہ ان عقائد باطلہ سے باز آجائے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

(سورۃ التوبہ آیت ۳۰ - ۳۱)

یہود نے کہا کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کی زبانی بات ہے۔ وہ کافروں کی سی باتیں بنانے لگے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہیں اللہ ہلاک کرے یہ کدھر اُلٹے جا رہے ہیں انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا ہے اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی حالانکہ انہیں بھی حکم ہوا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

تفسیر

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر شکایت فرمائی ہے جو

اس کی اولاد قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا بیٹا اور پیروں اور مولویوں کو رب مانتے ہیں اور آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے یعنی اس عقیدہ بد کی اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے گا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے عقیدہ کی نسبت کر کے اس پر الزام لگایا کہ وہ سوائے بیوی کے کچھ پیدا ہی نہیں کر سکتا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے پیدا کرنے میں کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہے۔

متعدد خدا ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً	کیا انہوں نے زمین کی
مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ	چیزوں سے ایسے معبود
يُنْشِرُوْنَ ۝ لَوْ	بنا رکھے ہیں جو انہیں زندہ
كَانَ فِيْهِمَآ	کریں گے۔ اگر ان دونوں
اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ	میں اللہ کے سوا اور معبود
لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ	ہوتے تو دونوں خراب
اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ	ہو جاتے۔ سو اللہ عرش
عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝	کا مالک ان باتوں سے
لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا	پاک ہے جو یہ بیان کرتے
يَفْعَلُ وَهُمْ	ہیں۔ جو کچھ وہ کرتا ہے
يُسْـَٔلُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا	اس سے پوچھا نہیں جاتا

مِنْ دُوْنِهٖ
اٰلِهَةً ط قُلْ
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
هٰذَا ذِكْرُ مَنْ
مَّعِيَ وَ ذِكْرُ مَنْ
قَبْلِيْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ
فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

اور وہ پوچھے جاتے ہیں کیا
انہوں نے اس کے سوا اور
بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ کہہ
دو اپنی دلیل لاؤ۔یہ میرے
ساتھ والوں کی کتاب اور
مجھ سے پہلے لوگوں کی
کتابیں موجود ہیں بلکہ اکثر
ان میں سے حق جانتے ہی
نہیں اس لیے مُنہ پھیرے
ہوئے ہیں۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ
اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ
اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝
وَقَالُوا اتَّخَذَ
الرَّحْمٰنُ وَلَدًا
سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ
عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ
وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝

اور ہم نے تم سے پہلے
ایسا کوئی رسول نہیں بھیجا
جس کی طرف یہ وحی نہ
کی ہو کہ میرے سوا اور
کوئی معبود نہیں سو میری
ہی عبادت کرو۔ وہ کہتے
ہیں کہ اللہ نے اولاد بنا
رکھی ہے وہ پاک ہے۔
لیکن وہ معزز بندے ہیں۔
بات کرنے میں اس سے
پیش قدمی نہیں کرتے وہ

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ (سورۃ الانبیاء آیت ۲۱ تا ۲۹)	اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں ۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے ۔ اور وہ شفاعت بھی نہیں کرتے مگر اسی کے لیے جس سے وہ خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ بے شک میں اس کے سوا خدا ہوں تو اسی پر ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے ۔ ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں ۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں متعدد آیات نقل کی گئی ہیں ۔ پہلی آیت میں ان لوگوں پر زجر ہے اور انہیں ڈانٹا گیا ہے جو بہت خدا مانتے ہیں اور شروع میں استفہام انکاری ہے ۔ یعنی خدا متعدد نہیں ہیں ایک ہی ہے ۔ اور اس کے بعد آیت نمبر ۲ میں فرمایا ہے کہ اگر متعدد الٰہ ہوتے

تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ اور جب وہ درہم برہم نہیں ہوئے تو معلوم ہوتا ہے کہ الٰہ متعدد نہیں ہیں۔ اور آیت کے شروع میں لفظ لَو آیا ہے یہ محالات کے لیے ہے۔ یعنی متعدد الٰہ کا ہونا محالات میں سے ہے اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو شریکوں کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ان کے تعاون کے بغیر ہی کام کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تعاون کا محتاج ہو تو یہ اسکا عیب ہوگا اور وہ تمام عیوب سے پاک اور منزّہ ہے۔

اس کے بعد والی آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرتا ہے اس سے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر کوئی اور سُپر طاقت نہیں ہے جو اس سے باز پرس کرے یا اس کی کوئی پارلیمنٹ نہیں ہے جس کے سامنے وہ جواب دہ ہو۔ بلکہ وہ قادر مطلق ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اور لوگ جس کو اللہ تعالیٰ کا شریک مانتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے۔

اس کے بعد والی آیت میں پھر اللہ تعالیٰ نے زجر فرمائی ہے۔ ان لوگوں پر جو متعدد خدا مانتے ہیں اور اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ ان لوگوں کو فرما دیں کہ وہ اپنے عقیدہ باطلہ پر کوئی ٹھوس دلیل اور ثبوت پیش کریں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرمایا ہے کہ آپ فرما دیں کہ ہم جو عقیدۂ توحید کے قائل ہیں ہمارے پاس ثبوت موجود ہے انہیں یہ عقیدہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ کہ ایک خدا سارے جہان کا نظام کس طرح چلا سکتا ہے اس لیے وہ عقیدۂ توحید کا انکار کرتے ہیں۔

اس کے بعد والی آیت میں فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے پہلے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان سب نے اسی عقیدۂ توحید کی دعوت دی تھی اور ان کو اسی مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا

اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر پھر شکوہ فرمایا ہے جو خدا کی اولاد قرار دیتے ہیں اور آگے فرمایا ہے کہ وہ لوگ جن کو خدا کی اولاد یا معبود قرار دیتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کے معزز بندے ہیں ۔ وہ بات میں اللہ تعالیٰ سے پیش قدمی نہیں کرتے وہ اس کے حکم کے پابند ہیں ۔ وہ اللہ کی مرضی کے خلاف کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے اور وہ خداوند پاک کی ہیبت سے لرزاں ترساں رہتے ہیں ۔ اور آخر میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ۔ اگر ان میں بھی کوئی دعویٰ خدائی کرے گا تو اس کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہو گا ۔ پس یہ آیات بھی سورۃ الاخلاص کی تفسیر ہے ۔

ان کا خلاصہ اور لبِّ لباب یہ ہے کہ متعدد خدا سارے جہان کا نظام نہیں چلا سکتے اور مذکورہ صفات والا ایک ہی اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ سارے جہان کا خالق و مالک ہے وہی یہ نظام قائم کرنے والا ہے اور وہی چلانے والا ہے اس کی مزید تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے ۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ	اللہ نے کوئی بھی بیٹا نہیں
مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ	بنایا اور نہ اس کے ساتھ
مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ	کوئی اور معبود ہی ہے ۔
اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ	اگر ہوتا تو ہر خدا اپنی بنائی
اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ	ہوئی چیز کو الگ لے
لَعَلَا بَعْضُهُمْ	جاتا اور ایک دوسرے پر
عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ	چڑھائی کرتا ۔ اللہ پاک ہے

عَمَّا يَصِفُونَ ۝ جو یہ بیان کرتے ہیں۔

(سورۃ المؤمنون آیت ۹۱)

تفسیر

اس آیت میں پہلے مضمون کی تفصیل بیان کر دی ہے کیونکہ پہلے یہ آچکا ہے کہ اگر زمین اور آسمان میں متعدد خدا ہوتے تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے مگر اس بربادی کی تفصیل نہیں بیان فرمائی کہ وہ کس طرح برباد ہو جاتے۔ اس آیت میں تفصیل آگئی ہے۔ کہ پھر ہر خدا اپنی بنائی ہوئی چیز لے جاتا اور پھر ایک دوسرے کے خلاف جنگ لڑتے تو زمین و آسمان اس طرح تباہ ہو جاتے کیونکہ خداؤں کی آپس کی لڑائی معمولی نہ ہوتی بلکہ بڑی تباہ کن ہوتی۔ لہٰذا ایک اللہ تعالیٰ کا وجود ضروری ہے۔ اسی کا آرڈر چلے باقی سب اس کے احکامات کی تعمیل کریں اور وہ خدا کن صفات کا حامل ہو اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ جس سے خود بخود اللہ تعالیٰ کی طاقت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ ورلڈ آرڈر صرف اسی ذات کا ہو سکتا ہے اور چل سکتا ہے اور باقی کسی کا بھی ورلڈ آرڈر نہ چل سکتا ہے اور نہ کوئی مان سکتا ہے۔

آج پوری دنیا میں یہ اصول مانا گیا ہے کہ ورلڈ آرڈر ہونا چاہیئے اس کے سوا دنیا کا نظام نہیں چل سکتا۔ اور امریکہ اپنے آپ کو اس سلسلہ میں پیش کر رہا ہے۔ اور اس نے اس سلسلہ میں عراق میں اپنی طاقت کا مظاہرہ بھی کیا ہے تاکہ دنیا اس کی طاقت کو مان جائے اور بعض ممالک نے تو اس کا آرڈر مان بھی لیا ہے اور بعض نے نہیں مانا۔ بہر حال یہ ورلڈ آرڈر کا عقیدہ تصور اور نظریہ تو وہ ہے جو ایک لاکھ اور چوبیس ہزار انبیاء علیہم السّلام

نے پیش کیا تھا مگر لوگ کہتے تھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک خدا سارے جہاں کا نظام چلائے؟ اس لیے انہوں نے اپنے اپنے زعم میں مختلف خدا بنائے ہوئے تھے اور انہیں شریک خدا مانتے تھے مگر آج دنیا کو یہ ماننا پڑ گیا ہے کہ دنیا میں ایک ایسی سُپر طاقت ضروری ہے ورنہ یہ چھوٹے چھوٹے ممالک آپس میں لڑ کر تباہ ہو جائیں گے۔ مگر یہ طاقت انسانوں میں سے جنات یا فرشتوں میں سے نہیں ہو سکتی - یہ طاقت صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی ہو سکتی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ باقی جس کا آرڈر ہوگا وہ ذاتی مفاد پر مبنی ہوگا اور یہ نظام بقیہ اقوام نہیں مانے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کا تعلق تمام انسانوں کے ساتھ برابر کا ہے کیونکہ وہی رب العلمین ہے اور اس کا نظام جو ہوگا وہ سب کے لیے برابر ہوگا جیسا کہ گھر میں ماں اور باپ اپنی اولاد کے ساتھ برابر کا سلوک کرتے ہیں۔ کسی کے ساتھ امتیاز نہیں برتتے۔ ہاں اگر اولاد میں سے کوئی کمزور ہو لنگڑا، اپاہج، معذور ہو تو اس کی طرف ضرور خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا برتاؤ اپنے بندوں کے ساتھ والدین کا سا ہے اور وہ اپنے کمزور اور معذور بندوں کی طرف زیادہ توجہ بھی دیتے ہیں۔ اور جس طرح گھر میں والدین کا آرڈر تو چل سکتا ہے اور ان کی اولاد میں سے اُٹھ کر اگر کوئی اپنا قانون دوسرے بھائیوں پر مسلّط کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اس کا حکم کوئی نہیں ماننے گا۔ اسی طرح خدائی زمین پر خدا کا نظام ہی چل سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق سب کے ساتھ برابر کا ہے اور اس کا قانون قرآن مجید سب کے لیے برابر ہے۔ اور اگر اقوام عالم میں سے یا افراد میں سے کوئی اپنا قانون یا نظام دوسروں پر مسلّط کرنے

کی کوشش کرے گا تو وہ بری طرح ناکام ہوگا جیسا کہ روس ناکام ہوگیا۔

عقیدۂ توحید کا عقلی اور نقلی ثبوت

یہاں تک جو عرض کیا گیا ہے یہ تو صرف دعویٰ ہے کہ اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک ہے وہ بے بہا برکات، کمالات اور خوبیوں کا مالک ہے مگر اس پر کوئی دلیل نہیں بیان فرمائی گئی۔ اور انسان صرف اس چیز کو مانتا ہے کہ جس کو وہ بچشم خود دیکھے یا اس کا کوئی عقلی یا نقلی ثبوت ہو۔ یہاں پہلی صورت (کہ اللہ تعالیٰ کو بچشم خود دیکھنا) ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ ایک لطیف ذات ہے اور لطافت کے اَرب ہا پردوں میں محجوب اور مستور بھی ہے انسان اس کے انوار اور تجلیات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بارگاہ باری تعالیٰ میں عرض کیا تھا۔

وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰے	اور جب موسٰے ہمارے
لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ	مقرر کردہ وقت پر آئے
رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ	اور ان کے رب نے
اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ	ان سے باتیں کیں تو عرض
قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ	کیا اے میرے رب مجھے
وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى	دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔
الْجَبَلِ فَاِنِ	فرمایا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ
اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ	سکتا لیکن تو پہاڑ کی طرف

فَسَوْفَ تَرَانِیْ ج ۔ دیکھنا وہ اگر اپنی جگہ پر
فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ ۔ ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ
لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا ۔ سکے گا پھر جب اس کے
وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۔ رب نے پہاڑ کی طرف تجلّی
فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ ۔ کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر
سُبْحٰنَكَ تُبْتُ ۔ دیا اور موسٰے بیہوش
اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ ۔ ہوکر گر پڑے ۔ پھر جب
الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ۔ ہوش میں آئے ۔ عرض کی
(سورۃ الاعراف آیت ۱۴۳) ۔ کہ تیری ذات پاک ہے
میں تیری جناب میں توبہ
کرتا ہوں اور میں سب
سے پہلا یقین لانے والا ہوں

تفسیر

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے کسی موقعہ پر جب کہ آپ کوہِ طور پہ تھے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ مجھے اپنی زیارت کرا تاکہ میں آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں تو اللہ تعالٰے نے جواب میں فرمایا کہ اے مُوسیٰ تمہارے اندر مجھے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے ۔ میں اپنے انوار پہاڑ پر ڈالوں گا ۔ اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو بھی مجھے دیکھ لے گا ۔ پھر جب اللہ تعالٰے نے اپنے انوار پہاڑ پر ڈالے (کوہ طور پر ڈالے) تو وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا ۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش

ہوکر گر پڑے اور جب ہوش آئی تو پھر توبہ کی کہ اے اللہ میرا سوال غلط تھا اور مجھے تو آپ کی ذات پر بڑا پکا یقین ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی۔ کیونکہ انسان انوارِ الٰہی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تھی وہ سدرۃ المنتہیٰ کا واقعہ ہے جو اس دنیا سے ماوراء ہے۔ اور نیز آپ کے اندر اللہ تعالےٰ نے وہ قوّت پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے آپ انوارِ الٰہی کو برداشت کر گئے تھے اور قیامت کے دن ایمان دار جو اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اندر ایسی قوت پیدا کر دیں گے بہرحال یہاں اتنا ہی کافی ہے۔ اس کی تفصیل اور دلائل کا یہ مقام نہیں ہے۔ یہاں تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں بچشم خود دیکھنے کی صورت متحقق نہیں ہو سکتی کیونکہ پیغمبر جو روحانیت کی معراج کا سرخیل ہوتے ہیں وہ جب ذاتِ باری تعالیٰ کو دنیا میں نہیں دیکھ سکتے تو اور کس کی مجال ہے جو اسے دیکھ سکے۔ زیارت کا مقصد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر انسان کا یقین کامل پیدا ہو جائے اور زیارت کرانے سے جب آدمی ہوش میں نہیں رہتا تو زیارت کا فائدہ کیا؟ اس لیے اللہ رب العزّت نے اپنا تعارف کرانے کے لیے دلائل کی راہ اختیار فرمائی ہے اور اس طریقۂ تعارف سے انسان کا اللہ تعالیٰ پر ایسا یقین کامل ہوتا ہے کہ انسان اگر مر بھی جائے تب بھی اس کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا بلکہ اور بڑھتا ہے جب کہ آئندہ دلائل سے خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔

اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان انہیں بچشم خود دیکھ تو نہیں سکتا لیکن آثار اور علامات سے انہیں پہچان لیتا ہے مثلاً انسان کی عقل۔ انسان کے اندر یہ ایک قوت موجود ہے اور سب دنیا اس کو مانتی ہے لیکن آج تک کسی نے بھی اس عقل کو دیکھا نہیں صرف آثار سے ہی اس کو مانتے ہیں۔ مثلاً انسان اگر اچھی اچھی باتیں کرتا ہو۔ اچھی اور بُری چیزیں امتیاز کرتا ہو اس میں شعور ہو تمیز ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ آدمی عقل مند ہے اور اگر وہ آدمی بہکی بہکی باتیں کرتا ہو اور اس میں اچھی اور بُری چیز کی کوئی تمیز نہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ آدمی بے عقل ہے پاگل ہے۔ حالانکہ آج تک انسان کی عقل کو کسی نے دیکھا نہیں ہے صرف آثار سے ہی اندازہ لگا لیا جاتا ہے کہ یہ آدمی عقل مند ہے یا بے عقل ہے یا اسی طرح انسان کی روح۔ یہ بھی آج تک کسی نے نہیں دیکھا لیکن اس کو بھی آثار اور علامات سے پہچان لیا جاتا ہے۔ مثلاً انسان باتیں کرتا ہو، کھاتا پیتا ہو، چلتا پھرتا ہو اس میں حس و حرکت ہو تو کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اور اگر اس کی یہ علامات بند ہو جائیں تو کہا جاتا ہے کہ وہ مر گیا ہے حالانکہ اس کی رُوح کو زندگی کے اندر بھی کسی نے نہیں دیکھا اور نکلتے وقت اور مرنے کے بعد بھی کسی نے نہیں دیکھا صرف آثار اور علامات سے ہی اس کا وجود مان لیا جاتا ہے کہ یہ انسان کے بدن میں ایک قوت ہے اور بہت بڑی قوت ہے اور اسی طرح اور بھی ہزارہا لطیف قوتیں ہیں جو صرف آثار اور علامات سے ہی مانی جاتی ہیں۔ بظاہر ان کا وجود کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس سارے جہان میں سب سے بڑی قوت ہے اور سب سے زیادہ لطیف ہے اور یہ سب لطیف اور کثیف قوتیں اس کی پیدا کردہ ہیں۔

مگر آج تک اس دنیا میں اس کو کسی نے دیکھا نہیں صرف آثار اور علامات سے ہی اسے پہچانا جاتا ہے۔ اور اس پہچان کے سلسلہ میں دو قسم کے دلائل اور ثبوت ضروری ہیں۔ ایک عقلی اور دوسرے نقلی۔ عقلی سے مراد وہ امور ہیں جن میں غور کرنے سے اللہ تعالیٰ پر یقین کامل پیدا ہو جاتا ہے اور نقل سے مراد انبیاء علیہم السلام جنات اور فرشتوں کے اقوال ہیں۔ اصل میں دنیا میں یہ ایک مانا ہوا اصول ہے کہ دو یا تین مفکر اور جج جو فیصلہ کر دیں تو اس فیصلہ کو قانون مانا جاتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کو جرم تصور کیا جاتا ہے۔ تو جب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام جو سب سے بڑے عقلمند اور دانشور گزرے ہیں ان کا عندیہ بھی یقیناً قانون ہے اور اسکی خلاف ورزی جرم ہے

عقیدۂ توحید پر چار عقلی دلائل اور دلیل اوّل

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ	اے لوگو اپنے رب کی
اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ	عبادت کرو جس نے
خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ	تمہیں پیدا کیا اور انہیں
مِنْ قَبْلِكُمْ	جو تم سے پہلے تھے تاکہ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ	تم پرہیزگار ہو جاؤ۔
الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ	جس نے تمہارے لیے
الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ	زمین کو بچھونا اور آسمان
بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ	کو چھت بنایا اور آسمان

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ	سے پانی اتارا پھر اس
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ	سے تمہارے کھانے کے
رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا	لیے پھل نکالے سو کسی کو
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا	اللہ کا شریک نہ بناؤ حالانکہ
وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝	تم جانتے بھی ہو۔
هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ	اللہ وہ ہے جس نے جو
لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ	کچھ زمین میں ہے سب
جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤی	تمہارے لیے پیدا کیا پھر
اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ	آسمان کی طرف متوجہ ہوا
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ	تو انہیں سات آسمان
بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝	بنایا اور وہ ہر چیز جانتا
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ	ہے۔ بے شک آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	اور زمین کے پیدا کرنے
الَّیْلِ وَالنَّهَارِ	میں اور رات اور دن کے
وَالْفُلْكِ الَّتِیْ	بدلنے میں اور جہازوں میں
تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ	جو دریا میں لوگوں کی نفع
بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ	دینے والی چیزیں لے کر
وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	چلتے ہیں اور اس پانی میں
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ	جسے اللہ نے آسمان سے
مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ	نازل کیا ہے پھر اس سے
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا	مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے

وَ بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ٥

اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں جو آسمان اور زمین کے درمیان حکم کا تابع ہے البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تفسیر

یہاں عقیدۂ توحید پر چار دلائل نقل کئے گئے ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو۔ رَبّ اصل میں مصدر ہے اس کا معنی ہے تربیت کرنا یعنی چیز کو بنانا اور تدریجی طور پر اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانا۔ یہ لفظ رب اگر مطلق بولا جائے اور اس کے ساتھ کسی اور لفظ کی قید نہ ہو تو پھر اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس وقت اس سے مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی لیا جائے گا۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی اور لفظ کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہو سکتی ہے جیسے رب العٰلمین اور غیر کی طرف بھی ہو سکتی ہے جیسے رب الدّار یعنی گھر کا مالک۔ رَبّ الفرس (گھوڑے کا مالک) اب جملہ کا مفہوم یہ ہو گا اے لوگو اس ذات کی عبادت کرو جس نے تمہیں بنایا اور تدریجی طور پر تمہیں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس سے مراد نطفہ سے لے کر انسانی شکل و صورت کا دور ہے کیونکہ نطفہ انسانی

پیدا کرنا اور اس میں انسانی تولید کے جراثیم پیدا کرنا اور اسے مختلف ادوار سے گزار کر انسانی شکل وصورت تک پہنچانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ یہ کارکردگی کسی انسان کے بس میں نہیں ہے۔ لیکن اس میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام تو آدمی کے ماں اور باپ کرتے ہیں کیونکہ میاں بیوی کے ملاپ اور رشتۂ ازدواجیت سے انسان پیدا ہوتا ہے اور عدم سے وجود میں آتا ہے۔ پھر ماں دودھ پلاتی ہے اور باپ پیسہ ٹکا کما کر روزی فراہم کرتا ہے تو بظاہر تو سبب ماں باپ نظر آتے ہیں خدا تو کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے اگلے جملہ میں اس کا جواب دیا ہے کہ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ وہ رب وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں لفظ خلق استعمال فرمایا ہے جو خلقت سے بنا ہے اور خلقت کا معنیٰ امام لغت راغب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے ابداع الشیٔ من غیر اصل یعنی چیز کا مادہ اور صورت پہلے سے موجود نہ ہو تو اسے بنا دینا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ کیونکہ اس ساری کائنات کا پہلے سے نہ تو مادہ موجود تھا اور نہ صورت موجود تھی تو پھر اللہ تعالیٰ نے پہلے مادہ بنایا اور پھر اس مادہ کی مختلف صورتیں بنائیں۔ زمین کی صورت الگ ہے اور اس کے اندر بھی مختلف اسباب اور اشیاء موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی صورت الگ ہے۔ جیسا کہ انسان، حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ اور پھر اسی طرح آسمان اور سیارات وغیرہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور ان گنت مخلوقات ہے۔ اور اس سارے نظام اور طرز تخلیق پر خلقت کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس شبہ کا جواب یہ ہوا کہ تربیت کا یہ نظام پیدا کرنا ماں اور باپ کا کام نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور ماں باپ

بھی اسی تخلیق و تربیت کا ایک حصہ ہیں۔

خلقت اور صنعت میں فرق

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلقت اور صنعت کا فرق بھی عرض کر دوں۔ خلقت کی تعریف تو پہلے آچکی ہے کہ چیز کا مادہ نقشہ اور نمونہ موجود نہ ہو تو اسے بنا دینا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا اختیار کسی کو نہیں دیا۔ ساری دنیا کے انسان اگر جمع ہو جائیں تب بھی ایک چھوٹی سی چیز بھی وہ نہیں بنا سکتے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں سورۃ الحج میں یہ آیت موجود ہے۔ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا، ذبابا ولو اجتمعوا لہ (سورۃ الحج آیت ۷۳) جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لیے جمع ہو جائیں۔ پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلقت صرف اللہ تعالےٰ کا کام ہے بندے کا کام نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالےٰ نے کسی کو یہ اختیار دیا ہے۔

صنعت یہ ہے کہ مادہ موجود ہو جائے اور اس کی صورت بھی بن جائے تو پھر اس میں ردّ و بدل کرنا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کا اختیار بندوں کو دیا ہے مثلاً لوہے کا مادہ اور اس کی صورت تو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے انسان نہیں بنا سکتا۔ البتہ اس کی صورت معرضِ وجود میں آجانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اختیار دیا ہے کہ اس سے جو مشینری وہ تیار کرے

کرسکتا ہے جیسا کہ آج تک دنیا میں ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اسی طرح لکڑی کا مادہ اور نباتات و جمادات کے مادیات کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ انسان کو صرف اس ذات کی عبادت کرنی چاہیئے جو نظام ربوبیت کا خالق ہے۔ لیکن کچھ تھوڑا سا شبہ ابھی باقی ہے کہ ہمارے ماں باپ کو تو اس کے ماں باپ نے پیدا کیا تھا اور انکے ماں باپ کو ان کے ماں باپ نے پیدا کیا تھا علیٰ ھذا القیاس۔ تو و الّذین من قبلکم سے جواب دیا کہ تمہارے ماں باپ اور ان کے ماں باپ تا آدم علیہ السلام سب کو اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہے اور آدم علیہ السلام کی پیدائش پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سوائے ماں اور باپ کے پیدا ہوئے تھے اور ان کی پیدائش مٹی سے ہوئی تھی۔ اور اس کی شکل و صورت کے بارے میں اگرچہ سائنس دانوں کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے اس کی صورت بندر کی تھی بعد میں اس کی شکل انسانی بنی ہے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ شروع سے ہی اس کی صورت انسانی تھی۔ اور قرآن مجید نے ساتھ ساتھ اس کا عقیدہ بھی بتایا ہے کہ آدم علیہ السلام توحید پرست تھے مشرک نہیں تھے۔ اور پھر اس انسان کے جسم میں جس جس چیز کی ضرورت تھی وہ بھی نصب کی ہے مثلاً آنکھ، کان، ناک، ہاتھ پاؤں، دل و دماغ وغیرہ اور جس جس چیز کو جہاں جہاں فٹ کیا ہے وہیں موزوں ہے اور آدم علیہ السلام میں یہ سلسلہ رکھا تو اس سے لے کر آج تک پوری اولاد آدمؑ کا نمونہ وہی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ آنکھیں سر کے پیچھے ہوں اور کان سر کے اوپر ہوں وغیرہ ذالک علیٰ ھذا القیاس۔

یہ انسانی پیدائش اور اس کے جسم کا ایک ایک پرزہ قابل تدبر اور

محل غور ہے کہ مٹی سے ایسا باشعور چلتا پھرتا، مفکّر، مدبّر اور دیگر اسباب کا موجد انسان از سر خود نہیں بن سکتا بلکہ اس کے پیچھے ایک بہت بڑی طاقت کام کر رہی ہے جس کا یہ آلۂ کار ہے کیونکہ خارج میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی چیز از سر خود نہیں بنتی بلکہ اسے بنانے والا ایک ماہر کاریگر ہوتا ہے تو اتنی بڑی مشینری از سر خود کیسے بن گئی؟ ہرگز نہیں یقیناً اس کے پیچھے بھی ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ وہی طاقت اس کو بنانے والی ہے اسی طاقت کو ہم خدا یا اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

لہٰذا اشتراکیوں اور کمیونسٹوں کا یہ کہنا کہ خدا وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ یہ غلط ہے اور بداہت کے خلاف ہے۔ اور اسی طرح اس انسان کا خالق کوئی اور انسان، جن یا فرشتہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ان میں سے کسی کو خالق مانیں گے تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ مادے کا بعض حصہ بعض کا خالق ہے حالانکہ مادہ خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہے جیساکہ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ، آپ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ پس یایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم۔ یہ آیت عقیدہ توحید پر پہلی عقلی دلیل ہے جس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسانی نظام ربوبیت کا خالق ہے اور کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا وہی بندگی کے لائق ہے۔

آخر میں فرمایا ہے کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تاکہ تم بچ جاؤ یعنی اگر تم اپنے رب اور خالق کی عبادت کرو گے تو اس کے عذاب سے بچ جاؤ گے، ورنہ نہیں بچو گے۔ اب اس عبارت میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ عذاب کی دھمکی ہے اس لیے کہ بندگی اس خداوند تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ جو انسان کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور پھر اس کی تربیت کا اتنا اونچا

نظام قائم کیا ہے۔ یہ سب کچھ بے مقصد تو نہیں ہے۔ اگر یہ بے مقصد ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا بے کار کام کرتا ہے اور وہ سب بے کار کاموں سے پاک ہے۔ پس یہ بندگی اس کا مالکانہ حق ہے۔ اور دنیا میں جس طرح ایک مالک مجازی اپنی مملوک چیز سے اپنا مالکانہ لینے کا حقدار ہوتا ہے اور اگر کوئی بندہ اس کا حق نہ ادا کرے تو وہ بھی اسے سزا دینے کا یا اس سے اپنی مملوک چیز چھیننے کا حقدار ہے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ اے لوگو اپنے رب کی بندگی کرو تاکہ اس کے عذاب سے بچ جاؤ ورنہ نہیں بچو گے۔ اور اس عبارت (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے تمہارے لیے جو نظامِ ربوبیّت قائم فرمایا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کی خلاف ورزی سے بچو ورنہ خود بخود تباہ ہو جاؤ گے۔ مثلاً اس نظامِ ربوبیت کا ایک حصّہ یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ اولاد پیدا کی جاتے۔ اگر انسان ایسا کریں گے تو رحم دل اور مہربان نسل پیدا ہوگی۔ اور اگر اس کی خلاف ورزی کریں گے تو شقی القلبی اور درندہ صفت انسان پیدا ہوں گے۔ اور پھر خود انسانوں کا دنیا میں رہنا ناممکن اور محال ہو جائے گا۔

اور اسی طرح بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے کھانے اور استعمال کرنے سے انسان کے جسم کے اجزاء اچھے تیار ہوتے ہیں اور پھر انسان دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرتا ہے۔ شریعت میں ایسی چیزوں کو حلال کہتے ہیں۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے استعمال کرنے سے اور کھانے سے انسان کے جسم کے اجزاء ناقص تیار ہوتے ہیں اور پھر انسان کو ان کی وجہ سے دنیا میں پریشانی ہوتی ہے اور وہ تباہی کا شکار ہوتا ہے۔ شریعت میں انہی چیزوں کو حرام کہتے ہیں۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ رب العلمین اور خالق کے نظام ربوبیت کے تحت چلیں گے تو خود بخود بچ جائیں گے اور اگر خلاف ورزی کریں گے تو خود بخود تباہ ہو جائیں گے۔ اس لیے فرمایا ہے لعلکم تتقون تا کہ تم بچو۔

دوسری عقلی دلیل

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ... تَعْلَمُوْنَ - اس آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز عقیدۂ توحید پہ دوسری عقلی دلیل ہے یعنی زمین و آسمان انسانوں تک آب رسانی کا یہ انتظام اور زمین سے غذاؤں کا اخراج اور برآمد از سر خود نہیں ہو رہا بلکہ یہ کارکردگی افزائش اور مہارت بھی اسی ذات کی ہے جس نے انسان کو معرض وجود لا کر اسے شرف انسانی بخشا۔ اور نیز اس آیت میں ان لوگوں کی بھی تردید فرما دی جو جنّات، فرشتوں، انبیاء علیہم السلام، صلحاء، اولیاء اللہ اور شہداء کو شریک خدا مانتے ہیں۔ پس اس آیت میں یہ بتا دیا ہے کہ زمین و آسمان۔ پانی کا یہ انتظام اور غذاؤں کی پیدائش خداوند تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ ان ہستیوں میں میں سے کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ کیونکہ ہم خارج میں دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہستیاں تو خود اپنے وجود اور بقا میں موت و حیات میں اور روزی کے سلسلہ میں سب اسی کے محتاج ہیں اور جو خود محتاج ہے وہ خالق کیسے بن سکتا ہے۔

دوسری چیز اس آیت میں اٰلہٰ اللہ کا بیان ہے اور اس آیت میں جو مذکور ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت کا ایک حصّہ ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پیدا فرمایا ہے تو اس کے لیے رہائش، خوراک اور پانی کا

بھی انتظام فرمایا ہے۔

تیسری چیز اس آیت میں یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ الآءِ اللہ اور یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔ اور یہ سب کی مشترکہ ہیں۔ لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ نعمتیں اور سرمایہ اور دولت سب کی مشترکہ ہے تو پھر ان کی تقسیم کا بھی کوئی اصول اللہ تعالےٰ نے مقرر فرمایا ہوگا ورنہ یہ لوگ تو تقسیم کے سلسلہ میں کٹ مریں گے اور ان کی تربیت کے بجائے ہلاکت ہو جائے گی۔

پس اس کا جواب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جس طرح انسان کو پیدا فرمایا ہے اور ان کی روزی کا انتظام کیا ہے۔ تو اس روزی کی تقسیم کے بھی اصول مقرر فرماتے ہیں۔ ان کی تفصیل خلاصہ تفسیر جلد سادس اور سابع میں بیان ہوگی۔

اور چوتھی چیز اس آیت میں یہ بیان فرمائی کہ یہ نعمتیں اللہ تعالےٰ نے ساری انسان کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔ اب انسان کا بھی یہ حق بنتا ہے کہ بندگی اس کی کرے کسی غیر کو اس کی بندگی میں شریک نہ کرے۔ اس لیے آیت کے آخر میں فرمایا کہ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ سو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہو کہ تمہارا خالق اور زمین و آسمان کا خالق، بارش اتارنے والا اور اناج پیدا کرنے والا صرف وہ اللہ ہے اور کوئی نہیں۔

دفع تعارض

سورۃ البقرہ کی اس آیت ۲۲ کے جملہ (وانزل من السماء ماء) سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش آسمان سے برستی ہے اور سورۃ

الواقعہ کی ان آیات سے اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ٥ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ٥ بھلا دیکھو تو سہی وہ پانی جو تم پیتے ہو کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں)۔ اور اسی طرح سورۃ النبا کی آیت وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا۔ اور ہم نے بادلوں سے زور کا پانی اتارا) سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے برستی ہے

پس ان آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بظاہر اگرچہ تعارض نظر آتا ہے لیکن درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ سورۃ البقرہ والی آیت میں من السماء کا ذکر ہے اور اس کا معنی بلندی ہے تو یہ معنی بنتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بلندی سے بارش اتارتے ہیں۔ اور وہ بلندی عام ہے خواہ آسمان ہو یا بادل۔

اب یہاں دو احتمال ہیں۔ ایک احتمال یہ کہ کبھی بارش آسمان سے اترتی ہو گی اور کبھی بادلوں سے۔ اور سورۃ البقرہ والی آیت میں آسمان کا ذکر فرما دیا ہو اور سورۃ الواقعہ اور سورۃ النبا والی آیتوں میں بادلوں کا ذکر فرما دیا ہو۔ اور سائنس جدید کی تحقیق سے بھی اس احتمال کی توثیق ہوتی ہے کیونکہ سائنس والوں کی تحقیق یہ ہے کہ پانی کا اصل ذخیرہ سمندر ہے مگر وہ پانی پینے یا کاشت کے قابل نہیں ہے۔ پروردگار نے اسے قابل بنانے کے لیے ایک بہت بڑا اونچا نظام قائم فرمایا ہے۔ اور ایسا نظام قائم کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قدرت پہلے سمندر سے بخارات اُٹھاتی ہے اور پھر ان سے بادل بناتی ہے اور پھر ان سے بارش برساتی ہے اور پھر اونچی اونچی پہاڑیوں کی چوٹیوں سے اولوں

اور برف کی شکل میں اس پانی کو منجمد کر دیا جاتا ہے اور پھر ان پہاڑیوں کی اندر کی حرارت سے ان اولوں اور برف کو پگھلا کر دریاؤں، ندیوں اور چشموں کی شکل میں وہ صاف شدہ پانی پہنچایا جاتا ہے۔

پس ظاہر بات ہے کہ اس سمندری پانی کو اس طرح صاف کرنا اور پھر انسانوں تک پہنچانا یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے بلکہ یہ صرف اور صرف اس خالقِ کائنات کا کام ہے۔ اور اس میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اصل میں بارش آسمان سے ہی اترتی ہے اور چونکہ وہ بادلوں کے راستے سے ہو کر زمین پر اترتی ہے اس لیے بادلوں کی طرف بھی نسبت فرما دی ہوگی اور اضافت لادنیٰ مناسبۃ عربی کا مانا ہوا اصول ہے۔

رفع اشتباہ

قرآن مجید کی آیت کے جملہ (فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھل وغیرہ پیدا فرماتے ہیں حالانکہ بظاہر کاشت کار زمین میں ہل چلاتا ہے اسے ہموار کرتا ہے اس میں بیج ڈالتا ہے اس کی آبیاری کرتا ہے۔ تو یہ نسبت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت کام اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے مگر اس نے کام کرنے کے لیے آلات پیدا کیے ہیں۔ ان آلات کے ذریعہ وہ کام کرتا ہے۔ پس انسان، بیل وغیرہ یہ سب آلات ہیں یہ اس کارگزاری میں خداوند تعالیٰ کے شریک نہیں۔ اور نیز انسان صرف زمین ہی ہموار کرتا ہے۔ پودا پیدا کرنا اس کے بس میں نہیں ہے اس نے

جو بیج زمین میں ڈالا وہ تو گویا فنا ہوگیا، گل سڑ گیا اور اب اس سڑے ہوئے بیج سے پودا بنانا اس کے ساتھ پتیاں اور پھل لگانا اور پھر بیج کی وہی شکل وصورت بنانا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس لیے فرمایا ہے۔ اَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے ہیں۔

اسی لیے ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کو یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ زَرَعْتُ میں نے فصل اگائی بلکہ آدمی کو کہنا چاہیئے حَرَثْتُ میں نے زمین ہموار کی۔ کیونکہ زراعت انسان کا فعل نہیں ہے یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور حراثت میں انسان کے فعل کو کچھ نہ کچھ دخل ہے۔ اگر زراعت کی نسبت انسان اپنی طرف کرے گا تو یہ جملہ شرکیہ ہے۔

عقیدۂ توحید پر تیسری عقلی دلیل

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ تا عَلِيْمٌ۔ اس آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز عقیدۂ توحید پر یہ تیسری عقلی دلیل ہے یعنی زمین کی ہر چیز خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائی ہے۔ وہ خود بخود نہیں بن گئی۔ یہ بھی ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ہر چیز خود بخود بن گئی ہے۔ اور نیز اس آیت میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو جنات، فرشتوں، انبیاء علیہم السلام اولیاء اللہ اور شہداء کو خدا کا شریک مانتے ہیں۔ یا مشرق و مغرب آتش سیارات

آفتاب و ماہ تاب کو بھی اس کا شریک سمجھتے ہیں ۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ان سب نظریات کی تردید فرمادی گئی ہے۔ اور اس سے پہلی آیتوں میں تو بڑی بڑی چیزوں کا ذکر تھا۔ مثلاً انسان، زمین و آسمان پانی و اناج ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ زمین کی چھوٹی سی چھوٹی چیز کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ پہلی آیت میں تو بڑی بڑی چیزوں کا ذکر تھا تو اس سے شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ بڑی بڑی چیزوں کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہو اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خالق کوئی اور ہو تو اس آیت میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ زمین کی ہر چھوٹی سی چھوٹی چیز کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں ہے ۔

اور سورۃ الحج کی اس آیت (ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ) سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لیے جمع ہو جائیں ۔

اور اس آیت میں دوسری چیز آلاء اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے اور اس سے پہلی آیت میں بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر تھا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے علاوہ اور بھی بہت سی نعمتیں پیدا کی ہیں اور اس آیت میں جو لفظ ما اور جمیعا آیا ہے یہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو شامل ہے ۔

رفع اشتباہ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز حلال ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ

نے ہر چیز آدمی کے لیے بنائی ہے تو وہ حلال ہے بے کار تو نہیں بنائی۔ اور بعض دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں حلال ہیں اور بعض حرام ہیں جیساکہ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے۔ پس ان آیتوں کا بظاہر تعارض نظر آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اگرچہ بظاہر تعارض نظر آتا ہے لیکن حقیقۃً کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ خلق لکم میں لام انتفاع کے لیے ہے یعنی اللہ تعالےٰ نے ہر چیز تمہارے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہے اور نفع کے سلسلہ میں یہ ضروری نہیں کہ انسان بچشمِ خود اس کو دیکھے کیونکہ بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ انسان کو ان کا نفع پہنچتا ہے مگر اس نفع کو دیکھ نہیں سکتا جیسا آج سے چند ماہ پہلے اخبار میں مغربی ممالک کے ایک علاقہ کا مضمون چھپا تھا کہ ایک نیا کیڑا پیدا ہوا ہے کہ جو فضا میں پیدا شدہ نئے زہریلے مواد کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس زہریلے مواد کی وجہ سے انسان ہلاک ہو جائیگا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ اور جو کیڑے مکوڑے ہیں قدرت ان سے بھی یہی کام لیتی ہے اس لیے ان میں زہر زیادہ ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ خداوند تعالےٰ نے یہ کیڑے مکوڑوں کا نظام بھی انسان کے تحفظ کے لیے بنایا ہے اور ان کے کھانے سے انسان کا دو قسم کا نقصان ہوگا۔ ایک تو یہ ہے کہ ان زہریلے جانوروں کے کھانے سے انسان خود ہلاک ہوگا اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ انسان فضا میں موجود زہریلے مواد سے بچ نہیں سکے گا اور اس کا تحفظ ختم ہو جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

پس سورۃ البقرہ والی آیت مجمل ہے اور اعراف والی میں اسکی تفصیل ہے لہٰذا ان آیتوں میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے ۔ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات آسمان بنایا اس جملہ میں دلیل عقلی کے علاوہ دو اور چیزوں کا بیان بھی ہے ایک یہ ہے کہ یہ جملہ آیت ۲۲ کے جملہ وَالسَّمَآءَ بنآء کی تفسیر ہے۔ کیونکہ وہاں پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا ہے ۔ تعداد نہیں بتائی تھی کہ وہ کتنے ہیں اور اس آیت میں وہ تعداد بتا دی ہے وہ سات ہیں ۔ اور دوسری چیز اس میں یہ بیان فرمائی ہے کہ زمین کے اندر کی چیزیں پہلے پیدا فرمائی ہیں اور پھر سات آسمان بنائے ہیں

رفع اشتباہ

سورۃ البقرہ کی ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور اس کے اندر کی چیزیں پہلے پیدا ہوئی تھیں اور آسمان بعد میں پیدا ہوئے تھے ۔ اور بعض دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پہلے پیدا ہوئے اور زمین اور اس کے اندر کی چیزیں بعد میں پیدا ہوئیں ۔ پس ان آیات میں تعارض معلوم ہوتا ہے ۔

مثلاً سورہ حٰم السجدہ میں ہے ۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ	کہہ دو کیا تم اس کا انکار
بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ	کرتے ہو جس نے دو دن
فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ	میں زمین بنائی ۔ اور تم اس
لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ	کے لیے شریک ٹھہراتے ہو

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ
فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ
فَوْقِهَا وَبٰرَكَ
فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَا
اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ
اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝
ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی
السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ
فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ
ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ
قَالَتَآ اَتَیْنَا
طَآئِعِیْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ
سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ
یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی
فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا
(سورۃ حٰمٓ السجدہ
آیت ۹ تا ۱۲)

وہی سب جہانوں کا پروردگار
ہے۔ اور اس نے زمین
میں اوپر سے پہاڑ رکھے
اور اس میں برکت دی
اور چار دن میں اس کی
غذاؤں کا اندازہ کیا۔ یہ
جواب پوچھنے والوں کے
لیے پورا ہے۔ پھر وہ
آسمان کی طرف متوجہ ہوا
اور وہ دھواں تھا پس اس
کو اور زمین کو فرمایا کہ
خوشی سے آؤ یا جبر سے
ان دونوں نے کہا ہم خوشی
سے آتے ہیں پھر انہیں
دو دن میں آسمان بنا دیا
اور اس نے ہر ایک آسمان
میں اس کا کام القا کیا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ
خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ
بَنٰهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا
فَسَوّٰهَا ۝ وَاَغْطَشَ

کیا تمہارا بنانا بڑی بات
ہے یا آسمان کا؟ جس
کو اس نے بنایا ہے اس
کی چھت بلند کی پھر اس

لَیۡلَهَا وَاَخۡرَجَ	کو سنوارا اور اسکی رات
ضُحٰهَا ۝ وَالۡاَرۡضَ	اندھیری کی اور اس کے
بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝	دن کو ظاہر کیا اور اس
(سورۃ النازعات ۲۷ تا ۳۰)	کے بعد زمین کو بچھا دیا۔

تفسیر

یہاں سورۃ حٰمٓ السجدہ کی آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ ایک تو یہ ہے کہ زمین اور اس کے اندر کی چیزیں پہلے پیدا ہوئی ہیں اور آسمان بعد میں پیدا ہوتے ہیں ۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ زمین اور آسمان وغیرہ کی پیدائش پر چھ دن لگے ہیں ۔ اور اس کی تفصیل نہیں بتائی کہ کام کی ابتداء کس دن ہوئی اور انتہا کس پر ہوئی ؟ اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث بھی منقول نہیں ہے اور جو آئی ہیں ان کے بارے میں مفسّرین کا خیال ہے کہ وہ اسرائیلیات میں سے ہیں ۔ اور سورہ النازعات کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پہلے بنے ہیں اور زمین وغیرہ ان کے بعد میں بنے ہیں ۔ بہرحال آیات میں تعارض سا نظر آتا ہے۔

جواب

اس کا جواب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں یہ دیا ہے کہ میرے خیال میں تو یہ آیا ہے کہ یوں کہا جائے کہ اوّل زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ

پر پھیلا دی گئی - پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے - پھر آسمان کے مادہ سیّالہ کے سات آسمان بنا دیئے گئے - آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہے - وھو بکلّ شیٌ علیم اور وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے بنانے میں خوب ماہر ہے - یعنی اس اللہ تعالےٰ نے جب پہلے مادہ بنایا اور پھر یہ سارا نظام قائم فرمایا تو یقیناً یہ بہت بڑی مہارت ہے - اور یہ اسی کا کام ہے - بہرحال یہ آیت بھی عقیدۂ توحید پر تیسری عقلی دلیل ہے -

عقیدۂ توحید پر چوتھی عقلی دلیل

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ تا یَعْقِلُوْنَ - اس میں عقیدۂ توحید پر چوتھی عقلی دلیل بیان فرمائی ہے - اس میں الفاظ خلق السموات والارض کی تفسیر گزر گئی ہے - اور واختلاف الیل والنھار کی تفسیر عرض کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ اختلاف سے مراد رات اور دن کا نظام ہے اور یہ نظام بھی صرف اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے دست پاک میں ہے کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے - جیسا کہ دوسری جگہ یہ آیتیں ہیں -

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ	کہہ دو بھلا یہ تو بتاؤ اگر
جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ	اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے
الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی	قیامت تک رات ہی
یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ	رہنے دے تو اللہ کے
اِلٰـہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ	سوا کونسا معبود ہے جو
بِضِیَآءٍ ط اَفَلَا	تمہارے لیے روشنی لائے

تَسۡمَعُوۡنَ ۝ قُلۡ	کیا تم سنتے نہیں ہو ۔
اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ	کہہ دو بھلا یہ تو بتاؤ اگر
اللّٰہُ عَلَیۡکُمُ النَّہَارَ	اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے
سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ	قیامت کا دن ہی رہنے
الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ اِلٰہٌ	دے تو اللہ کے سوا
غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ	کونسا معبود ہے جو تمہارے
بِلَیۡلٍ تَسۡکُنُوۡنَ	لیے رات لائے جس میں
فِیۡہِ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ	آرام پاؤ کیا تم دیکھتے
وَ مِنۡ رَّحۡمَتِہٖ جَعَلَ	نہیں ہو ؟ اور اس
لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ	نے اپنی رحمت سے تمہارے
لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَ	لیے رات اور دن کو بنایا
لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ	ہے تاکہ تم اس میں آرام
وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۝	پاؤ اور اپنے رب
(سورۃ القصص آیت ۷۱تا۷۳)	کا فضل تلاش کرو اور
	تاکہ تم شکر کرو۔

تفسیر

یہ آیات سورۃ البقرہ کی آیت ۱۶۴ کے جملہ اختلاف الیل والنھار کی تفسیر ہے ۔ ان میں سے پہلی دو آیتوں میں تو یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ہمیشہ رات بنا دے تو کوئی دن نہیں بنا سکتا اور اگر وہ ہمیشہ دن بنا دے تو کوئی رات نہیں بنا سکتا ۔ اور تیسری آیت میں یہ

فرمایا ہے کہ اس اللہ تعالیٰ نے رات تمہارے آرام کے لیے بنائی ہے اور دن روزی کی خاطر محنت کے لیے بنایا ہے۔ بہرحال یہ رات اور دن کا کارنامہ قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔ انسان کو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ (وَالْفُلْكِ الَّتِي تا النَّاسَ) سے مراد بحری صنعت ہے۔ اس میں بھی عقیدہ توحید کا عقلی ثبوت ہے کیونکہ سمندر اور اس کے اندر کے موتی لعل و جواہرات، حیوانات وغیرہ خود بخود تو نہیں پیدا ہو گئے۔ اور اسی طرح بحری جہاز میں استعمال ہونے والی لکڑی، لوہا بھی تو خود نہیں بنا۔ اور اسی طرح انسان جو بحری جہاز بناتا ہے وہ انسان اور اس کی عقل بھی تو خود نہیں بنی۔ اور جس ذات نے یہ بحری نظام قائم کیا ہے وہی اللہ ہے وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے۔ اور وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ سے لے کر مِنْ مَّاءٍ تک کی تفسیر پہلے بیان ہو چکی ہے اور فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا کی تفسیر عرض کرنا ہے کہ مردہ زمین کو زندہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

موت و حیات کی تشریح

موت کی کئی قسمیں ہیں۔ اس کا اطلاق ازالہ قوت نامیہ پر بھی ہوتا ہے جو انسان، حیوانات اور نباتات میں موجود ہے۔ اور قوت حاسہ کے خاتمہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور قوت عاقلہ کے ختم ہونے پر بھی ہوتا ہے اور اسی طرح یہ لفظ غم پر بھی بولا جاتا ہے اور نیند پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے بہرحال جس جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے جو جو قدرت عطا فرمائی ہے اس کا نام زندگی ہے اور اس کے ازالے کا نام موت ہے (ملخص از مفردات امام راغب)

اور اس آیت میں زندگی سے مراد زمین کی سبزہ وغیرہ اگانے کی قوت ہے اور اس قوت کے ختم کرنے کو موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین کے اندر سبزہ پیدا کرنا اور اس کی نشو و نما بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اسے ختم کرنا بھی اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ اسی لیے دیکھا گیا ہے اور شب و روز مشاہدہ ہو رہا ہے کہ ایسے علاقے اور پہاڑ وغیرہ بھی موجود ہیں کہ انسان وہاں آب یاری نہیں کرتا کھاد وغیرہ بھی نہیں ڈالتا مگر وہاں سبزہ گھاس اچھا پیدا ہوتا ہے اور بعض ایسے بھی علاقے ہیں کہ انسان وہاں اچھی طرح محنت کرتے ہیں آب یاری و آب پاشی کرتے ہیں۔ کھاد ڈالتے ہیں مگر اس کے باوجود وہاں کبھی فصل اچھی اگتی ہے اور کبھی نہیں اُگتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فصل سبزہ پیدا کرنے والی اصل قوت خدا کی ہے۔ کاشتکار بیل، بیج، پانی، کھاد اصل قوت نہیں ہیں۔ یہ صرف اسباب ہیں اور یہ اس خدا کے حکم کے پابند ہیں۔ وہ حکم دے گا تو یہ کام کریں گے ورنہ نہیں کریں گے۔

وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۔ اور اس نے اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلا دیئے ہیں۔ اس جملہ میں جو لفظ دابّہ آیا ہے یہ دَبٌّ سے بنا ہے دبّ یا دبیب رفتار خفی کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق تمام حیوانات اور حشرات الارض پر بھی ہوتا ہے۔ اس جملہ میں یہی معنی مراد ہے۔ اور آج کل کی ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز، بسیں اور کاریں وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔

تَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ : تصریف مصدر ہے اس کا معنی پھیرنا

ہے۔ ریاح، ریح کی جمع ہے اس کا معنی ہوا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالےٰ کی پیدا کردہ ایک قوت ہے اور لطیف قوت ہے۔ اس کے اندر بھی اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لیے اور بقیہ حیوانات کے لیے بڑے بڑے فوائد رکھے ہیں جس پر انسان کی زندگی موقوف ہے۔

والسحاب المسخر بین السماء والارض۔ سحاب بمعنی بادل ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالےٰ نے انسانی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ لَاٰیٰتٍ لِقَوۡمٍ یَعۡقِلُوۡنَ ۝ آیات آیۃٌ کی جمع ہے اس کے اصلی مادے میں علامہ راغب نے اپنی کتاب مفردات فی غرائب القرآن میں تین احتمال لکھے ہیں۔ یا تو یہ لفظ آیۃ ایٌّ سے بنا ہے اس کا معنی ظاہر کرنا ہے اور آیۃ کو آیۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے ایک دوسری چیز ظاہر ہوتی ہے اور قرآن مجید کی آیات کو بھی آیات اس لیے کہتے ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے اور یا یہ لفظ آیۃ تایٌّ سے بنا ہے اس کا معنی اپنی جگہ کھڑا رہنا ہے اور اس مناسبت سے آیات قرآنیہ کو آیات اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں غور و فکر کرنے سے انسان عقیدۂ توحید پر قائم رہتا ہے اور یا یہ لفظ اَوِیٌ سے بنا ہوا ہے اس کا معنی مائل ہونا ہے اور اس مناسبت سے آیات اللہ کو آیات اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں غور کرنے سے بھی انسان اللہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ لفظ قوم قِیَام یا قِوَام سے بنا ہے۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر اس کا اطلاق تمام انسانوں پر ہوا ہے اور کبھی کبھی اس کا اطلاق صرف مردوں پر بھی ہو جاتا ہے اور یہاں عام ہے مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے۔ یعقلون

صیغہ مضارع ہے عقل سے بنا ہے۔ یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک وہ قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان میں حصولِ علم کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ اور دوسرا وہ علم جو اس خدا داد قوت سے انسان میں پیدا ہوتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔ یعنی اس آیت میں جو قدرت کے کرشمے، مظاہر اور معالم موجود ہیں۔ ان میں تھوڑا سا غور کرنے سے انسان کو اس اللہ تعالیٰ کا تعارف ہو جائے گا کیونکہ یہ ایسے نمونے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں بنا سکتا۔

پس خلاصہ اور لبِّ لباب یہ نکلا کہ یہ آیت عقیدۂ توحید پر عقلی دلیل ہے اور آیت میں جتنے نمونے بیان فرمائے گئے ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز از سرِ خود نہیں بنی بلکہ اسے اللہ تعالےٰ نے بنایا ہے اور وہ ان کے بنانے میں اکیلا ہے اس کا کوئی شریک بھی نہیں اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں جیسا کہ بما ینفع الناس کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور پھر ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہاں نہیں بیان فرمائی۔ اتنا فرمادیا ہے کہ لاٰیٰت لقوم یعقلون یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے خزانوں کی نشاندہی فرمائی ہے اور انسانوں کو فرمایا ہے کہ اپنی اپنی عقل سے کام لو اور اللہ تعالےٰ کے خزانوں سے فائدہ اٹھاتے جاؤ۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے خزائن پر پردے ڈالے ہوئے ہیں اور اس نے انسان کو حکم دیا ہے کہ پردے اٹھاؤ۔ اور جب انسان ایک پردہ اٹھائے گا تو نیچے سے اور نعمت نکل آئے گی اور انسان وہ پردہ اٹھائے گا تو نیچے سے

اور نعمت نکل آئے گی ۔ علیٰ ہذا القیاس ۔

اکتسابِ روزی کے لیے عقل شرط ہے

اللہ تعالیٰ نے روزی کے خزائن کا ذکر فرمانے کے بعد آخر میں شرط عائد فرما دی ہے کہ لآیات لقوم یعقلون کہ ان میں عقلمند قوم کے لیے نشانیاں ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ غیر عقلمند ہیں ان کے لیے یہ نشانیاں نہیں ۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ غیر عقلمند بھی تو اس کی مخلوق ہے وہ بھی روزی کے محتاج ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو روزی کمانے کی عقل دی ہے اور کسی کو نہیں دی اس میں ان کا تو کوئی قصور نہیں ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جتنے بھی اسباب پیدا فرمائے ہیں ان سے استفادے کے لیے اصول بھی اس نے وضع فرمائے ہیں اور وہ اصول سکھانے کے لیے اس نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرماتے ہیں ۔ اور وہ اصول سمجھنے کے لیے اس نے ہر ایک کو عقل دی ہے ۔ بلکہ جانوروں کو بھی اس نے عقل دی ہے اسی لیے انہیں دیکھا گیا ہے کہ وہی گھاس کھاتے ہیں جو ان کی طبیعت کے موافق ہوتی ہے اور وہ نہیں کھاتے جو ان کی طبیعت کے خلاف ہو ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی عقل و خرد عطا فرمائی ہے ۔ اور انسان تو اشرف المخلوقات ہے اس کو تو اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیتیں اور دماغ عطا فرمایا ہے البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ یہ عقل کسی کو زیادہ عطا فرمائی

ہے اور کسی کو کم ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر سب کو برابر عقل عطا فرما دیتے تو سارے زیادہ روزی کماتے تو پھر بغاوت ہو جاتی ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی کو زیادہ عقل دی ہے اور کسی کو کم دی ہے تاکہ بعض بعض پر حاکم بنیں اور بعض محکوم تاکہ یہ نظام چلے اور نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ جو عقل عطا فرمائی ہے ۔ یہ قوت انسان میں علم حاصل کرنے کے بعد بار بار تجربہ اور مشاہدہ سے آتی ہے اور اب جو انسان جتنا زیادہ علم حاصل کریگا اور جتنا زیادہ تجربہ کریگا اتنا ہی اس میں عقل زیادہ ہو گی ۔ پس اللہ تعالےٰ نے یہ قوت سب میں رکھی ہے ۔ البتہ بعض ایسے ضرور ہیں جو پاگل مجنوں ہیں ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ نے عقلاء کے لیے بطور عبرت پیدا فرمائے ہیں ۔ تاکہ وہ اپنی عقل کو خداداد قوت سمجھ کر اس کا شکر بجالائیں ۔ اور اپنی عقل پر غرور کر کے خدائی دعوی نہ کریں ۔ اسی لیے اس عقل کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی ضروری ہے کیونکہ جہاں انبیاء کی تعلیم نہیں ہو گی اور صرف عقل ہی پر انحصار ہوگا وہاں تباہی ہو گی ۔ جیسا کہ آج دنیا میں یہی ہو رہا ہے کہ انسان ترقیاتی کاموں میں بام عروج تک پہنچ چکا ہے اور یہ بری، بحری اور فضائی صنعتیں اسی خداوند تعالیٰ کی عطا کی ہوئی عقل و خرد اور شعور کا نتیجہ ہیں اور یہ رفتار آگے بھی بڑھے گی یا یہاں رک جائے گی ۔ اس کے بارے میں کوئی بھی سائنس دان یہ نہیں کہہ سکتا کہ آگے ترقی نہیں ہو گی ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آنے والے عقلاً آج کل کے عقلاء کی نسبت کہیں زیادہ اونچے ہوں ۔ مگر آج کل کے عقلاء انبیاء کی تعلیم سے بے خبر ہیں یہ لوگ صرف عقل پر ہی انحصار کر رہے ہیں اس لیے انہوں نے جو بھی اسباب ایجاد کئے ہیں وہ پوری انسانیت کی تباہی کا باعث بھی بن رہے ہیں ۔ ترقی ہو رہی ہے تو ساتھ ساتھ تباہی بھی ہو رہی

ہے یہاں تک کہ موجد خود بھی اس تباہی سے نہیں بچ سکتا۔ اور انبیاء علیہم السلام کی حیثیت کارخانہ قدرت کے ماہرین کی ہے جب تک ان ماہرین کی تعلیم پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک انسان پوری ترقی نہیں کر سکے گا اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔

شعر

ترقی مستقل وہ ہے جو رُوحانی ہے اکبر
اڑا جو خاک کا ذرّہ وہ پھر سوئے زمین آیا

عقیدہ توحید پر مزید چار عقلی دلائل

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا	اے لوگو اپنے رب سے
رَبَّکُمُ الَّذِیْ	ڈرو جس نے تمہیں ایک
خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ	جان سے پیدا کیا اور اسی
وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ	جان سے اس کا جوڑا بنایا
مِنْھَا زَوْجَھَا	اور ان دونوں سے بہت
وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا	سے مرد اور عورتیں پھیلائیں
کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج	اس اللہ سے ڈرو جس کا
وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ	واسطہ دے کر تم ایک
تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ	دوسرے سے اپنا حق مانگتے
وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ	ہو۔ اور رشتہ داری کے
	تعلقات بگاڑنے سے بچو بے شک

اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ○	اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ	سب تعریف اللہ ہی
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	کے لیے ہے جس نے
وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ	آسمان اور زمین بنائے
الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ؕ	اور اندھیرا اور اُجالا بنایا
ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	پھر بھی یہ کافر اوروں کو
بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ○	اپنے رب کے ساتھ برابر
ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ	ٹھہراتے ہیں اللہ وہی ہے
مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ	جس نے تمہیں مٹی سے
قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ	پیدا کیا پھر ایک وقت
مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ثُمَّ	مقرر کر دیا اور اس کے
اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ	ہاں ایک مدت مقرر ہے
وَ ہُوَ الَّذِیۡ	تم پھر بھی شک کرتے
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ	ہو اور وہی ہے جس
بِالۡحَقِّ ؕ (سورۃ النساء	نے آسمانوں اور زمین کو
آیت سورۃ الانعام آیت ۱-۲-۳-۷۳)	ٹھیک طور پہ بنایا ہے۔

تحقیق الفاظ

النَّاس انس سے بنا ہے بمعنی محبت اور یا اِنۡسَانٌ بمعنی نسیان ہے۔ انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ یا تو یہ آپس میں اور

یا حیوانات سے محبت کرتا ہے یا بھول جاتا ہے۔ اتّقوا صیغہ امر ہے وَقٰی سے بنا ہے بمعنی نگاہ رکھنا۔ اور کبھی کبھی یہ لفظ خوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے (مفردات فی غریب القرآن) نفس جان نَفَسَ، سانس۔ سیاق کے لحاظ سے یہاں اوّل مراد ہے۔ زوج دو ملی ہوئی چیزوں میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے زوج کہلاتا ہے۔ تسآءلون جمع مضارع ہے سوال سے بنا ہے۔ یہ مادہ جب باب تفاعل پر لے جائیں تو پھر یہ مشارکت کے لیے آتا ہے پھر اس کا معنی ہوگا ایک دوسرے سے کوئی چیز مانگنا ارحام رِحم کی جمع ہے۔ رِحم بچہ دانی کو کہتے ہیں۔ قرابت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے۔ یہاں ارحام سے پہلے اتقوا مقدر ہے اور اس کا مفعول بہ بھی محذوف ہے یعنی اتقوا قطع الارحام۔

تفسیر

ان آیات میں سے پہلی آیت میں عقیدۂ توحید پر پانچویں عقلی دلیل ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے دلیل کے ساتھ ساتھ دو آرڈر بھی دیئے ہیں پہلے آرڈر میں انسانوں کے تمام طبقات کو صرف ایک اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور دلوں میں اس کا خوف رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اور انسان اسی وقت کسی سے ڈرتا ہے کہ جب اس میں تین چیزیں ہوں۔ پہلی چیز اس سے اس کا کچھ مفاد وابستہ ہو اور دوسرا اس سے اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اور تیسرا اس کے ساتھ تعلق رکھنے کے سوا چارہ بھی نہ ہو۔ ان تین چیزوں کے سوا ایک بچہ بھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ مثلاً ایک بچے

سے جب کہا جائے کہ فلاں آدمی سے ڈرو تو وہ جواب میں یہی کہے گا کہ میں اس سے کیوں ڈروں وہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے ؟ اور جب اسے کہا جائیگا کہ نیچے وہ تو تمہیں کھانے پینے کو دیتا ہے، کپڑے دیتا ہے ۔ اگر اس سے نہیں ڈرو گے تو وہ تم سے یہ سب کچھ دیا ہوا چھین لے گا اور ساتھ ساتھ مارپٹائی بھی کرے گا ۔ تو اب وہ بچّہ سہم جائے گا اور پھر اس کی ہر بات مانے گا ۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی سے بچے گا لیکن پھر بھی پوری طرح اس بچے کے دل میں اس کا خوف اور ڈر جاگزین نہیں ہو گا جب تک کہ اس بچے کو یہ نہ کہا جائے کہ اس نے فلاں فلاں اتنے آدمیوں کو مارا ہے تم اس کے مقابلہ میں کیا چیز ہو تو اب وہ بچہ اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کریگا ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اجل مجدہٗ نے اس آیت میں انسانوں کے تمام طبقات کو اپنی ذات (اللہ تعالےٰ) سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں ہی تمہیں پالنے والا ہوں اور میں ہی تمہیں ایک جان سے پیدا کرنے والا ہوں اور میں ہی تمہیں مرد اور عورت بنانے والا ہوں اور جب تم سے کسی کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ میرے نام کی برکت سے ملتی ہے ۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ قطع رحمی سے بچو ۔ یعنی اس اللہ تعالےٰ نے تمہاری تربیت اور تحفظ کے لیے رحم کا نظام قائم فرمایا ہے

حقیقت رحم

رحم لغت میں رقت قلبی کو کہتے ہیں ۔ اور اصطلاح میں آثار رحمت کو رحم کہتے ہیں مثلاً ایک آدمی کے دل میں جب کسی کے بارے میں نرمی پیدا

ہوتی ہے تو وہ اسے کچھ نہ کچھ دیتا ہے اس کا نام رحم ہے اور رحم بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے جو بھی مخلوق پیدا کی ہے وہ دو قسم کی ہے۔ ایک تو وہ ہے کہ جس کے اجسام ہمیں نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ آگ، پانی، مٹی، بادل وغیرہ۔ اور دوسری قسم وہ ہے جنکے اجسام ہمیں نظر نہیں آتے۔ جیسا کہ گرمی، سردی، عقل، روح، رحم اور محبت وغیرہ لیکن آثار سے ماننا پڑتا ہے کہ یہ بھی قدرت کی پیدا کردہ طاقتیں ہیں اور اسی اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی پیدا فرمایا ہے۔ اور اس اللہ تعالےٰ نے ہر ایک کے پیدا کرنے کے لیے کچھ اصول اور ضوابط رکھے ہیں کہ ان کے استعمال سے دوسری چیز خود بخود معرض وجود میں آجاتی ہے اور اگر وہ اصول استعمال نہ کئے جائیں تو وہ چیز معرض وجود میں نہیں آسکتی۔ مثلاً رحم ہی کو لے لیں اس کے لیے اللہ تعالےٰ نے دو اصول رکھے ہیں ایک یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کی روزی حلال اور طیّب ہو اور دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ بیوی جائز ذریعہ سے اولاد پیدا کرے۔ ان دو اصولوں کے تحت جو اولاد جنم لے گی وہ اپنے ماں باپ کے لیے بھی مہربان ہوگی۔ اور باقی معاشرہ کے لیے بھی مہربان ہوگی جیسا کہ تجربہ اس پر شاہد ہے۔ اور اگر وہ میاں بیوی ان دونوں اصولوں کی خلاف ورزی کرکے یا ایک کی خلاف ورزی کرکے اولاد پیدا کریں تو وہ اولاد بے رحم ہوگی۔ اور ان کی یہ بے رحمی ماں باپ کے لیے بھی ہوگی اور بقیہ معاشرے کے لیے بھی ہوگی۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ ان اصولوں کی پیروی سے اولاد میں خود بخود رحم آجاتا ہے اور اگر ان کی خلاف ورزی ہوگی تو وہ رحم اور شفقت خود بخود کٹ جائے گی جیسا کہ تسبیح کی ڈوری جو منکوں (دانوں) کو جوڑے رکھتی

ہے اگر وہ ڈوری ٹوٹ جائے تو منکے خود بخود بکھر جاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قطع رحمی سے بچنے کی تعلیم دی ہے اور یہ تو صلۂ رحمی قائم کرنے کا طریقہ ہے اور اس کے بحال رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ رشتہ داروں میں سے جب بھی کسی پر مصیبت آئے تو دوسروں کو اس سے تعاون کرنا چاہیئے۔ اگر ایسا کریں گے تو یہ صلۂ رحمی قائم رہے گی ورنہ ختم ہو جائے گی۔

پھر اس کا نقصان اور خمیازہ نہ صرف والدین کو بلکہ پورے معاشرہ کو بھگتنا پڑے گا۔ اور ایسے لوگ اپنی موت کا آپ ہی سامان کریں گے کیونکہ اس سے بے رحمی کی ایک ایسی فضا پیدا ہو جائے گی جسکا تدارک مشکل ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام انسانوں کو اپنی ذات سے ڈرتے رہنے اور قطع رحمی سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے پس ہمارا مقصد یہاں یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کثیف چیزوں کا خالق ہے لطیف چیزوں کا بھی خالق ہے، جس کی ایک مثال رحم ہے اور یہ اس خدا کے سوا کوئی نہیں پیدا کر سکتا۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ۝ بے شک اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔ یہ جملہ دفع وہم کے لیے فرمایا ہے۔ وہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی اگر اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرے گا اور اس کے قائم کردہ اصولوں کی خلاف ورزی کرے گا تو اس اللہ تعالیٰ کو کیا پتہ چلے گا کہ کس نے خلاف ورزی کی ہے اور کس نے مانا ہے تو اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگرانی کر رہا ہے اور اس نگرانی کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود عالم الغیب ہے اور ہر جگہ موجود ہے۔ ہر

چھوٹی بڑی چیز کو دیکھتا ہے اور سینوں کے سربستہ راز بھی جانتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ج ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝
(سورۃ المجادلہ آیت ۷)

کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے (یہاں تک) کہ جو کوئی مشورہ تین آدمیوں میں ہوتا ہے تو وہ چوتھا (اللہ) ہوتا ہے اور جو پانچ میں ہوتا ہے تو وہ چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرگوشی ہو یا زیادہ کی مگر وہ ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر انہیں قیامت کے دن بتائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔ بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے

تفسیر

یہ آیت سورۃ النساء کے آخری جملہ (ان اللہ کان علیکم رقیبًا) کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نگرانی کر رہا

ہے اور اس کی ایک صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر جگہ موجود ہے۔

وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○	اور بے شک تم پر محافظ ہیں عزت والے اعمال لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

(سورۃ الانفطار آیت ۱۰ تا ۱۲)

تفسیر

یہ آیت بھی ان اللہ کان علیکم رقیبا کی تفسیر ہے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی نگرانی کی دوسری صورت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کے اعمال لکھنے کے لیے فرشتے مقرر فرماتے ہیں۔ انسان جو بھی عمل کرتا ہے تو وہ فرشتے لکھ لیتے ہیں۔ پس ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی طاقت اور معلوماتی نظام کا بیان ہے لہٰذا ایسی ذات سے ہر انسان کو ڈرنا چاہیئے۔

صلہ رحمی کی باقی تفصیلات اور برکات خلاصہ تفسیر جلد خامس میں مذکور ہیں۔

تحقیق الفاظ

الحمد للہ الذی تا یعدلون ۔ حمد تعظیم کے طور پر کسی کی خوبیاں بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ اُس نے

اس پر کوئی احسان بھی کیا ہو۔ خلق السموٰت والارض کی تفسیر اور الفاظ کی تحقیق گزر گئی ہے۔ **ظلمات** ظلمت کی جمع ہے اس کا معنی تاریکی ہے اور نور کے معنی روشنی ہے۔ اور نور سے مراد اسلامی نظام حیات اور ظلمت سے مراد بقیہ غیر اسلامی نظامات ہیں۔ اور اسلام کو نور سے تعبیر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح روشنی میں انسان آسانی سے چلتا پھرتا ہے۔ اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے بھی آدمی آسانی سے چلتا پھرتا ہے اور غیر اسلامی نظاموں کو ظلمت سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ جس طرح ظلمت میں انسان بھٹکتا ہے ان نظاموں پر عمل کرنے سے بھی بھٹکتا ہے۔ **یعدلون** عدل سے بنا ہے اس کا معنی برابری کرنا ہے۔ یہاں مراد اللہ تعالیٰ سے برابری کرنا ہے۔

تفسیر

یہاں دوسری آیت عقیدۂ توحید پر چھٹی عقلی دلیل ہے۔ اس میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ جملہ کثیف چیزوں کا خالق اللہ تعالےٰ ہے۔ اس کو خلق السموٰت والارض میں بیان فرمایا ہے مگر اس کی تفصیل پہلے بیان ہو گئی ہے اور دوسرا یہ بیان فرمایا ہے کہ تمام لطیف چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کو جعل الظلمات والنور میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں چار نظریات کی تردید ہے پہلا یہ ہے کہ تمام تاریکیاں اور روشنی خود بخود پیدا ہو گئی ہے ان کا اور کوئی خالق نہیں ہے۔ اس نظریہ کے لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں جیسا کہ کمیونسٹ۔ یہ لوگ

یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے۔ ہر چیز خود بخود پیدا ہوگئی ہے قرآن مجید کی اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور روشنی اور تاریکیوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس آیت میں ان لوگوں کے خیالات کی بھی تردید موجود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز بنانے میں اکیلا نہیں ہے بلکہ بعض نیک ہستیاں بھی اس کی صفت خالقیت میں شریک ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت میں بتایا ہے کہ روشنی اور تاریکی پیدا کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ جن، فرشتے، انبیاء، اولیاء، شہداء میں سے کوئی بھی اس کے اس فعل میں شریک نہیں۔ اور تیسرا اس آیت میں ان لوگوں کے خیالات کی تردید ہے جو تاریکی اور روشنی کو خدا مانتے ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ روشنی اور تاریکی خدا نہیں بلکہ وہ تو خود مخلوق ہیں۔ اور کوئی بھی مخلوق خالق نہیں ہو سکتی۔ اور اس آیت میں ان لوگوں کے عقائد کی بھی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں ایک خالق خیر ہے جسے وہ یزدان کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر ہے جسے وہ اھرمن کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بتایا ہے کہ خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

سوال

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بڑا مہربان ہے تو پھر اس نے شر کیوں پیدا فرمایا ہے۔

جواب

اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیز پیدا فرمائی ہے تو اسکے استعمال کے

اصول بھی اس نے رکھے ہیں پس جو چیز ان اصولوں کے موافق استعمال ہوگی تو اس میں خیر ہی خیر ہوگی اور جو چیز ان اصولوں کے خلاف استعمال ہوگی تو اس میں شر ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ان تمام اصولوں سے نسلِ انسانی کو آگاہ فرما دیا ہے۔ اب جو آدمی ان اصولوں کو سیکھے گا اور ان پر عمل کرے گا تو وہ خیر پائے گا اور جو ان کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ شر کا شکار ہوگا۔

پس یہ آیت عقیدہ توحید پر بڑی واضح اور کھلی عقلی دلیل ہے کہ یہ روشنی اور تاریکی کا نظام اس ایک خالق کے سوا اور کوئی نہیں پیدا کرسکتا اور آخر میں فرمایا ہے کہ کافر اس واضح دلیل کے باوجود اس رب کے ساتھ اپنے باطل معبودوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ سوچتے نہیں۔ صلۂ رحمی کی باقی تفصیل جلد خامس میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ تا تَمْتَرُونَ ۔ یہ آیت عقیدۂ توحید پر ساتویں عقلی دلیل ہے ۔ اس میں سورۃ النساء کی پہلی آیت کی توضیح ہے ۔ کیونکہ سورۃ النساء کی پہلی آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفس واحدہ سے پیدا فرمایا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ نفس واحدہ کو کس سے پیدا فرمایا ہے ۔ اور سورۃ الانعام کی اس آیت میں اسکی وضاحت فرمادی ہے کہ اس نفس واحدہ کو کیچڑ سے پیدا فرمایا ہے مگر پھر بھی اجمال ہے کیونکہ یہ نہیں بتایا کہ کتنے دن میں آدمؑ کا خمیر تیار ہوا ۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں مذکور ہے کہ جمعہ کے دن جبرئیل علیہ السلام نے بحکم اللہ تعالیٰ آدم کا خمیر تیار کیا ۔ اور پھر اس کا ڈھانچہ تیار کیا پھر اس میں رُوح پھونکی تو آدم تیار ہوگیا ۔ پھر اس کی زندگی کا وقت مقرر کیا مگر آدم کو وہ وقت بتایا نہیں ۔ اور آخری

جملہ ثم انتم تمترون (پھر بھی تم شک کرتے ہو) شکوہ اور گلہ ہے کہ عقیدہ توحید پر یہ ایک واضح عقلی ثبوت موجود ہے مگر پھر بھی لوگوں کو یقین نہیں آتا اور اس کے وجود میں شک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

وھو الذی خلق السمٰوٰت والارض بالحق۔ یہ جملہ عقیدۂ توحید پر آٹھویں عقلی دلیل ہے اس میں لفظ بالحق سے دو معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی حقانیت ثابت ہوتی ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک بنایا ہے

پس خلاصہ اور لبّ لباب یہ نکلا کہ تھوڑی سی مٹی کو مختلف تغیّرات دے کر ذی سمع۔ بصر۔ ناطق۔ حساس۔ متحرک بالارادہ اور بے شمار انسان بنانا۔ یہ اسی ایک وحدہٗ لاشریک خداوند پاک کا کام ہے۔ اس کے سوا یہ کام نہ کسی نے کیا ہے اور نہ کوئی اور ایسا کر سکتا ہے۔ لٰہذا اُسی سے ڈرنا چاہیئے اور ہر وقت اسی کی پرستش اور عبادت ہونی چاہیئے۔ نہ کہ کسی غیر کی۔ اور اسی کو خالق و مالک اور مُتَصَرِّفُ فی الامور ماننا ہے نہ کہ کسی اور کو۔ کیونکہ یہ تصرّفات صرف اسی ذات باری تعالیٰ کے ہیں اور انسانی تصرفات اور اختیارات جو اسے اللہ تعالےٰ نے تفویض فرمائے ہیں وہ کلّی نہیں ہیں بلکہ جزوی اور نیم خودمختاری کے درجہ میں ہیں۔ مثلاً آنکھ اس نے بخشی ہے دیکھنے کے لیے اور کان سننے کے لیے۔ اب اس کی مرضی ہے کہ آنکھ سے دیکھے یا اسے بند کر دے۔ کان سے سُنے یا اس میں کوئی چیز ٹھونس کر بند کر دے۔ لیکن انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ آنکھ سے سننے کا کام لے یا کان سے دیکھنے کا کام لے۔ اور یہ جو اسے

دیکھنے کی قوت دی ہے یا سننے کے لیے کان دیئے۔ ان سے انسان اسی وقت تک دیکھنے کا کام لے سکتا ہے یا سُن سکتا ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا اور جب وہ یہ قوتیں چھین لے تو کوئی واپس نہیں دے سکتا۔

عقیدۂ توحید پر آٹھ اور عقلی دلائل

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ	بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مُردہ کو نکالنے والا ہے۔ اللہ یہی ہے پھر کدھر اُلٹے پھرے جا رہے ہو وہ صبح کا نکالنے والا ہے اور اس نے آرام کے لیے رات بنائی اسی نے چاند اور سورج کا حساب مقرر کیا ہے یہ غالب جاننے والے کا اندازہ ہے اور اسی نے تمہارے لیے ستارے بنائے ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝
وَهُوَ الَّذِيْٓ
اَنْشَاَكُمْ مِّنْ
نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ط
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ
فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ
خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ج وَمِنَ
النَّخْلِ مِنْ
طَلْعِهَا قِنْوَانٌ
دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ
مِّنْ اَعْنَابٍ
وَّالزَّيْتُوْنَ وَ

جنگل اور دریا کے اندھیروں
میں راستہ معلوم کرسکو
تحقیق ہم نے کھول کر
نشانیاں بیان کر دی ہیں
ان لوگوں کے لیے جو
جانتے ہیں اور اللہ وہی
ہے جس نے ایک شخص
سے تم سب کو پیدا کیا
(پھر ایک تو تمہارا ٹھکانا
ہے اور ایک امانت رکھے
جانے کی جگہ) تحقیق ہم
نے کھول کر نشانیاں بیان
کر دی ہیں ان کے لیے
جو سوچتے ہیں اور اسی
نے آسمان سے پانی اتارا
پھر ہم نے اس سے
ہر چیز اُگنے والی نکالی
پھر ہم نے اس سے
سبز کھیتی نکالی جس سے
ہم ایک دوسرے پر
چڑھے ہوئے دانے نکالتے

الرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ
مُتَشَابِهٍ ط

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ
اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ط
اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ۝
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
فَاعْبُدُوْهُ ج وَهُوَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
وَّكِيْلٌ ۝
وَهُوَ الَّذِيْٓ
اَنْشَاَ جَنّٰتٍ
مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ
مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ
وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا

ہیں اور کھجور کے شگوفوں
میں سے پھل کے جھکے
ہوئے گچھے اور انگور اور
زیتون اور انار کے باغ آپس
میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی۔
ہر ایک درخت کے پھل
کو دیکھو جب وہ پھل لاتا
ہے اور اس کے پکنے کو
دیکھو ان چیزوں میں ایمان
والوں کے لیے نشانیاں ہیں
یہی اللہ تمہارا رب ہے
اس کے سوائے اور کوئی
معبود نہیں ہر چیز کا پیدا
کرنے والا ہے پس اسی
کی عبادت کرو اور وہ
ہر چیز کا کارساز ہے
اور اسی نے وہ باغ پیدا
کئے ہیں جو چھتوں پر چڑھائے
جاتے ہیں اور جو نہیں
چڑھائے جاتے اور کھجور
کے درخت اور کھیتی جس کے

أُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ	پھل مختلف ہیں اور زیتون
وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا	اور انار پیدا کیے جو ایک
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ	دوسرے سے مشابہ اور
كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ	جدا جدا بھی ہیں ان کے
اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا	پھل کھاؤ جب وہ پھل
حَقَّهٗ يَوْمَ	لائیں اور جس دن اسے
حَصَادِهٖ ۖ وَلَا	کاٹو اس کا حق ادا کرو اور
تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ	بے جا خرچ نہ کرو بیشک
لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝	وہ بے جا خرچ کرنے
سورۃ الانعام ۹۵ تا ۹۸ - ۱۰۲ - ۱۴۱ تا ۱۴۳	والوں کو پسند نہیں کرتا۔
وَمِنَ الْاَنْعَامِ	اور بوجھ اٹھانے والے
حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۚ	مویشی پیدا کیے اور زمین
كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ	سے لگے ہوئے اور اللہ
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا	کے رزق میں سے کھاؤ
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ	اور شیطان کے قدموں
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ	پر نہ چلو وہ تمہارا صریح
مُّبِيْنٌ ۝	دشمن ہے۔
ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ	آٹھ قسمیں پیدا کیں بھیڑ
مِنَ الضَّاْنِ	میں سے

تحقیق الفاظ

فالق اسم فاعل کا صیغہ ہے فَلْقٌ سے بنا ہے اس کا معنی چیرنا ہے اور اس کی جمع فُلُوقٌ ہے۔ حَبٌّ جنس ہے بمعنی دانہ اناج اس کی جمع حُبُوبٌ ہے۔ یُخْرِجُ واحد مضارع ہے اخراج سے بنا ہے۔ حَیٌّ حیٰوۃ سے بنا ہے۔ یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ زندہ۔ کنبہ آؤ اس کی جمع احیاء ہے اور حیاۃ کے کئی درجے ہیں۔ ایک قوت نامیہ جو حیوانات اور نباتات میں موجود ہوتی ہے۔ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اور قوۃ حاسّہ پر بھی لفظ حیاۃ بولا جاتا ہے۔ اور حیوان کو اسی لیے حیوان کہتے ہیں اور قوۃ عاملہ عاقلہ کو بھی حیاۃ کہتے ہیں جیسا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ۔ اور غم دور کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ شہداء کے بارے میں فرمایا ہے۔ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور حیاۃ اخرویہ ابدیہ کو بھی کہتے ہیں اور دائمی حیاۃ کو بھی حیاۃ کہتے ہیں اور یہ آخری حیاۃ صرف خداوند تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس کو جو حیاتی دی ہے اسی کے ازالہ کا نام موت ہے (امام راغب)

مُخْرِجٌ واحد مذکر اسم فاعل ہے اخراج سے بنا ہے۔

ذٰلِكُمْ اسم اشارہ واحد مذکر کے لیے ہے اور مشار الیہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور کُمْ ضمیر جمع مخاطب باعتبار مخاطبین کے ہے کیونکہ یہ اصول ہے کہ اگر مخاطب ایک ہو تو ذا کے ساتھ ضمیر خطاب واحد کی لگتی ہے۔ جیسا ذالك ذالکما جمع ذالکم یہاں مخاطب انسان ہیں

اَنّٰی بمعنے کیف ہے۔ تُؤْفَکُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اِفکٌ سے بنا ہے اس کا معنی جھوٹ اور بہتان آتا ہے۔

تفسیر

یہاں پہلی آیت عقیدہ توحید پہ نودیں عقلی دلیل ہے اس میں شرک اعتقادی کی تردید ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ اناج اور پھل پیدا کرنے میں اور مردہ سے زندہ بنانے کا اور زندہ سے مردہ بنانے کا متصرف بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے اناج اور پھل وغیرہ کی تفسیر تو پہلے بیان ہو چکی ہے اور مثالیں بھی گذر گئی ہیں اور زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ بنانے کی مثال یہ بھی دی جاتی ہے جیسے مرغی سے انڈا اور انڈے سے چوزہ بنانا یا جیسا کہ آدمی سے نطفہ اور نطفہ سے آدمی کا بچہ۔

پس اس آیت میں آدمی کو یہ عقیدہ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ یہ نظام بھی اللہ تعالیٰ ہی بنانے والا ہے اور وہی اسے چلانے والا ہے یہ نظام خود بخود نہیں بن گیا۔ اور اس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور شریک بھی نہیں ہے۔ اور آخر میں فرمایا ہے ذالکم اللہ ان صفات والا جو ہے وہ اللہ ہے۔ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْن۔ اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس سچے خدا کو چھوڑ کر جھوٹوں کی طرف کیوں پھیرے جا رہے ہو؟ اور یہ معنی تو اس وقت ہو گا کہ جب خدائی کے کچھ دعویدار ہوں اور لوگ ان کو ماننے لگ جائیں جیسا کہ فرعون، نمرود اور شدّاد وغیرہ ایسے بادشاہ دنیا میں گزرے جو خدائی کے دعویدار تھے۔ اور لوگ ان کو خدا مانتے تھے اور نہ ماننے والوں کو وہ جعلی خدا سزائیں دیتے

تھے۔ اس وقت ان لوگوں کو صحیح عقائد سے پھیرنے کی نسبت ان باطل معبودوں کی طرف ہوگئی جو ان لوگوں سے زبردستی اپنی عبادت کرواتے تھے اور ان سے اپنے آپ کو خدا منواتے تھے۔ اور دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ تم سے کیسے بہتان لگوایا جارہا ہے؟ اور یہ معنی اس اعتبار سے ہوگا کہ بعض ہستیاں دنیا میں ایسی گزری ہیں کہ لوگ شیطان کے بہکانے سے ان کو خدا مانتے تھے لیکن انہوں نے تو اپنی زندگی میں کبھی بھی دعویٰ خدائی نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ تو اپنی پوری زندگی میں عقیدۂ توحید کے موافق عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے رہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام، حضرت اسماعیل علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام۔ لیکن بعد والے لوگوں نے خود بخود ان نیک ہستیوں کو خدائی کا درجہ دیا اور ان کی پرستش کی۔ پس ان کے بارے میں یہ عقائد رکھنا ان پر بھی بہتان ہے اور خدا تعالیٰ پر بھی بہتان ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں اپنا شریک نہیں بنایا اور یہ لوگ خود یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے شریک ہیں اور انہوں نے کبھی بھی دعویٰ خدائی نہیں کیا تھا اور اب ان کو خدا کہنا ان کے مشن کے خلاف ہے۔

پس خلاصہ اور لبّ لباب یہ نکلا کہ خود دعویٰ خدائی کرنے والوں کو جو خدا مانتے ہیں یا بعض نیک لوگوں کو جو خدا مانتے ہیں یہ اُلٹے چل رہے ہیں کیونکہ وہ جن کی نسبت یہ عقائد رکھتے ہیں۔ کیا اناج، سبزیات پھل، فروٹ وغیرہ کو پیدا کرنا ان کے اختیارات میں ہے اور مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ بنانے کا نظام ان کے بس میں ہے؟

ظاہر بات ہے کہ یہ کام ان کا نہیں ہے کیونکہ وہ تو خود مخلوق ہیں، اور مخلوق کسی کا خدا نہیں ہو سکتی بلکہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

عقیدۂ توحید پر دسویں عقلی دلیل مع تحقیق الفاظ

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ تا عَلِیْم۔ اِصْبَاحٌ صبح سے بنا ہے اس کا معنی فجر ہے۔ شمس، سورج اور قمر چاند حُسْبَان مصدر ہے بمعنی گمان کرنا یا حساب کرنا ہے۔ یہاں حساب کرنا مراد ہے۔ تقدیر قدر سے بنا ہے بمعنی اندازہ لگانا۔ عزیز عِزّۃ سے بنا ہے اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ایک نام ہے۔ علیم علم سے بنا ہے۔ یہ لفظ بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

تفسیر

اس آیت میں چار نظاموں کا بیان ہے اور پھر اُن کے قیام کے مقاصد بھی بیان فرمائے ہیں۔ ایک دن کا نظام اور ایک رات کا نظام ہے اس کا مقصد لوگوں کو آرام کرانا ہے۔ آرام بھی انسان کے جسم میں اللہ تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی ایک قوت ہے جو صحیح طور پر رات کو سونے سے ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ تیسرا شمسی نظام ہے اور چوتھا قمری نظام ہے۔ مناطقہ کے نزدیک شمس اور قمر دونوں کل ہیں مگر کہتے ہیں ان دونوں میں سے ہر ایک کا فرد ایک ہی ہے لیکن جدید سائنس دانوں نے تحقیق سے ثابت کیا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے افراد بے شمار ہیں۔ کروڑہا شمس ہیں اور ہر ایک شمس کے تحت قمر بھی ہے پھر قمر بھی کروڑہا ہونگے

قرآن مجید کی اس آیت نے بتایا ہے کہ شمس اور قمر کو ہم نے حساب کے لیے بنایا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ کونسا حساب مراد ہے؟ کیا تاریخ سے حساب کرنا مراد ہے یا کوئی اور چیز ہے۔ پس اجمال ہے اس سے تاریخ بھی مراد ہو سکتی ہے جیسا کہ شمسی اور قمری حساب چلا ہوا ہے۔ یہ دونوں حساب اللہ تعالےٰ نے بنائے ہیں اور اس میں جو آسانی ہے وہ ظاہر ہے۔ اور اس حُسْبَانَ سے مراد چاند اور سُورج کی رفتار کا حساب بھی ہو سکتا ہے۔ اور لائن کا حساب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک ان میں سے اپنے وقت مقررہ پر اور متعین شدہ راستے اور طے شدہ رفتار کے موافق چلتا ہے اور حساب سے مراد ایک گنتی اور تعداد بھی ہو سکتی ہے یعنی انسان اتنی تحقیق اور تفحیص کے بعد اس بات کا قائل تو ہو گیا ہے کہ چاند اور سورج کی تعداد بےشمار ہے لیکن کوئی تعداد متعین نہیں کر سکا اس لیے کروڑہا کہہ دیتے ہیں لیکن اس آیت نے بتا دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں ان شمسوں اور قمروں کی تعداد متعین ہے بے حساب بنے ہوئے نہیں ہیں۔ اور حساب سے مراد ان کی ساخت بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے ان شمسوں اور قمروں کو بے ڈھب اور بے زینت نہیں بنایا بلکہ بناوٹ کے اندر بھی ان کو حساب سے بنایا ہے۔

اور آخر میں فرمایا ہے (ذالك تقدير العزيز العليم) یہ اندازہ سب پر غالب ماہر ذات کا ہے۔ اور یہ ذالك اشارہ مذکورین کی حسابی بناوٹ کی طرف ہے۔ اور یہاں اللہ تعالےٰ کی دو صفتیں لگانے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان سے

دو شبہے دُور فرمانا چاہتے ہیں۔ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ لوگوں کے بناوٹی اور خود ساختہ معبود اس نظام کی تخلیق کے وقت یا یہ نظام چلانے وقت وہ رخنہ ڈالتے ہوں گے تو اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہ اندازہ سب پر غالب ذات کا ہے۔ اس کے کاموں میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتا۔

دوسرا شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ شائد اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز بنانے میں غلطی لگ گئی ہو گی۔ تو اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ وہ بڑا ماہر ہے اس کو کوئی چیز بنانے میں غلطی نہیں لگ سکتی۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ یہ آیت چھیانویں عقیدہ توحید پر عقلی دلیل ہے کہ یہ لیل و نہار اور شمس و قمر کا نظام از سر خود نہیں بن سکتا۔ بلکہ اس کا بنانے والا سب پر غالب اور ماہر ہے اور اس کو ہم اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس نظام کے بنانے میں اس کے ساتھ کوئی جن، فرشتہ، نبی یا ولی شریک نہیں۔ اور نیز یہ شمس و قمر بھی خدا یا اس کے شریک نہیں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ اپنے ان کارناموں میں تن تنہا اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ تا یَعْلَمُوْنَ ۝

تحقیق الفاظ

النجوم نجم کی جمع ہے بمعنی ستارے۔ لِتَهْتَدُوْا جمع حاضر مضارع ہے ہدایت سے بنا ہے۔ ہدایت دو قسم کی ہے۔ مقصود تک پہنچانا اور راستہ دکھانا ـــــ یہاں ثانی معنی مراد ہے۔ ظُلُمٰتِ ظلمت کی جمع ہے بمعنی تاریکی۔ بَرّ خشکی بحر سمندر

فَصَّلْنَا جمع متکلّم ہے تفصیل سے بنا ہے۔ آیات آیت کی جمع ہے بمعنی نشانی یہاں مراد قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یعلمون مضارع ہے علم سے بنا ہے۔

تفسیر

یہ آیت بھی عقیدہ توحید پر گیارھویں عقلی دلیل ہے۔ اس میں چاند اور سورج کے علاوہ بقیہ سیّارات کا بیان ہے۔ اس میں انسان اگر رات کو چلنا چاہے تو اس کے لیے روشنی کے بندوبست کا ذکر ہے اور یہ بندوبست اربہا سیّارات پر مشتمل ہے جن کی تعداد اس خداوند پاک کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

پس معلوم ہوا کہ یہ ستاروں کا بے پناہ نظام از سر خود نہیں بن سکتا۔ بلکہ یہ کسی بہت بڑے ماہر کاریگر کا بنایا ہوا ہے۔ اسی کو ہم اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ نظام قائم کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ سیّارات خود بھی خدا نہیں ہیں جیسا کہ بعض جاہل قومیں انکو خدا مانتی نہیں۔ بلکہ یہ خدا کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالےٰ نے انکو انسانی خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ یہ انسان کی حماقت ہے کہ وہ اپنے خادموں کی عبادت کرتا ہے۔ عبادت تو اسکی کرنی چاہیئے جو سب کا خالق و مالک ہے۔

اور اس آیت کی تفسیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ انسان ان کے ذریعہ خشکی اور سمندر کی تہوں میں پوشیدہ اور مخفی چیزیں معلوم کرے کیونکہ انکی تہوں میں

بھی قدرت کی بے شمار اور مفصّل نشانیاں موجود ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ستاروں کے ذریعہ زمین اور سمندر کے اندر کی چیزیں معلوم کی جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ سائنس جدید کی تحقیق سے اس تفسیر کو تقویت ملتی ہے کیونکہ وہ سیّارات کے ذریعہ زمین کے اندر کی چیزیں معلوم کر رہے ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہُدہُد پرندے کے ذریعہ زمین کے اندر کی چیزیں معلوم کر لیتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض پرندوں کے اندر بھی یہ خصوصیت رکھی ہے کہ وہ زمین کے اندر کی چیزیں دیکھ لیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ستاروں کے ذریعہ زمین اور سمندر کے اندر کی چیزیں دیکھی جا سکتی ہیں جیسا کہ ٹی وی کے پاس بیٹھ کر آدمی مشرق و مغرب والوں کی تصاویر دیکھ سکتا ہے اور ان کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ بھی کر سکتا ہے اور ان کی گفتگو بھی سن سکتا ہے۔ مرد و عورت، لڑکا و لڑکی کی آواز میں امتیاز کر سکتا ہے حالانکہ درمیان میں ہزاروں میل کی مسافت اور فاصلہ موجود ہے پردے حائل ہیں، اسی طرح سمندر کے اندر کی چیزیں بھی انسان دیکھ رہا ہے۔ پس یہ تمام علوم ان ستاروں کے ذریعہ ہی حاصل کئے گئے ہیں۔ اور یہ جو علوم انسان نے حاصل کر لیے ہیں یہیں تک محدود ہیں یا اس کے علاوہ آگے اور بھی علوم حاصل کیے جاسکتے ہیں تو اس سلسلہ میں کوئی بھی سائنسدان یہ نہیں کہہ سکتا کہ بس آگے اور کچھ نہیں یہ سلسلہ یہیں تک محدود ہے۔ اب اس سلسلہ میں علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار مردانی رحمۃ اللہ کی مفصل تحقیق انکی تالیف (چاند کی تسخیر اور قرآن حکیم) سے من و عن نقل کی جاتی ہے۔

باب اوّل

خلا اور آسمانوں کے وجود پر بحث

قرآن میں واضح طور پر سات آسمانوں کا ذکر موجود ہے اور قرآن میں متعدد مقامات پر مختلف پیرایوں میں آسمانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور کوئی مسلمان آسمانوں کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا۔ دوسری طرف جدید علم ہیئت اور سائنسدانوں کا نظریہ یہ ہے کہ آسمانوں سے مراد خلا یا منتہائے نظر ہے۔ یعنی ہمارا منتہائے نظر ہی آسمان معلوم ہوتا ہے۔ میں اس باب میں سائنس اور قرآن دونوں کے دلائل سے آسمانوں کے وجود کو ثابت کروں گا۔

سائنسی دلائل

جدید علم ہیئت اور سائنسدان خلا ہی کو آسمان سمجھتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ وہ خلا کو اس لیے آسمان کہتے ہیں کہ ابھی انکی نظر حقیقی آسمانوں تک نہیں پہنچ سکی ہے کیونکہ آسمان خلا کے اوپر انتہائی بلندیوں پر واقع ہیں اور سائنس نے ابھی تک کوئی ایسی دوربین ایجاد نہیں کی ہے جس کے ذریعے ہماری نظر آسمانوں تک پہنچ سکے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں اوپر جو نیلا سا رنگ اور نیلا سا گنبد نظر آتا ہے۔ یہی قرآن کی رُو سے آسمان ہے اور اس کا دوسرا نام خلا ہی ہے تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ خلا نوردوں کا مشاہدہ ہے کہ کرّہ ہوائی سے نکلنے کے بعد (یعنی جہاں خاکی ذرات نہیں پہنچ پاتے) آسمان بالکل سیاہ نظر آتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں یہ کہیں نہیں آیا ہے کہ یہ نیلا گنبد ہی آسمان ہے بلکہ قرآن مقدس کی روشنی میں اسلامی دلائل سے یہی ثابت ہے کہ ساتوں آسمان اس نیلے گنبد اور تمام اجرام فلکی کے بہت اوپر اتنی بلندیوں پر واقع ہیں جن تک سائنس کی موجودہ رصد گاہوں اور دوربینوں کے ذریعے بھی ہماری نظر نہیں پہنچ سکتی۔ اور ہماری نظر اور مشاہدات سے ماورا ہیں۔

اس وقت تک سائنسدانوں اور علمائے ہیئت نے جو دوربینیں ایجاد کی ہیں ان کے ذریعے زیادہ سے زیادہ دس کھرب میل نوری سال کے فاصلے پر واقع اجرام فلکی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ بلندیوں تک ان دوربینوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ میں اس دعوے پر بطور دلیل چند مشہور و مسلّم سائنسدانوں کے افکار و آراء پیش کرتا ہوں۔

یورپ میں "خدا موجود ہے" کے نام سے انگریزی میں ایک کتاب چھپی ہے جس میں چالیس نامور سائنسدانوں کے مقالات اللہ تعالیٰ کے وجود اور کائنات کے حقائق پر شائع ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب عبدالحمید صدیقی نے کیا ہے۔ میں اسی کتاب سے ذیل میں حوالے پیش کرتا ہوں۔

سائنس کے محدود مشاہدات

اس کتاب کے صفحہ ۷ پر ڈونلڈ ہنری پورٹر ماہر ریاضی وطبیعات لکھتے ہیں :-

(۱) علم کائنات، کائنات کے عام مظاہر اس کی خلائی وسعت اور اس کی عمر کے بارے میں تحقیق و مطالعے کا نام ہے۔ دو سو انچ فطر کی دوربین سے جو مونٹ پلومر (کیلیفورنیا) میں نصب ہے۔ آدمی خلا میں اربوں میل نوری سال دور تک دیکھ سکتا ہے اور لکھو کھہا اجرام فلکی اس کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ نوری سال کو جب فاصلہ ناپنے کے پیمانے کی حیثیت سے بولا جائے۔ تو اسکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ روشنی کی اس تیز رفتار کی بنیاد پر کہ وہ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی مسافت طے کر لیتی ہے۔ وہ فاصلہ جو روشنی ایک سال میں طے کرے گی۔ ظاہر ہے کہ اتنے عظیم فاصلے کو اعداد و شمار کی زبان تو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ آج اس فلک نیلی فام کا فوٹو صرف یہ بتاتا

ہے کہ ستاروں سے جب روشنی نکلی ہوگی تو وہ کہاں رہے ہوں گے کیونکہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ روشنی نے کتنے نوری سال کے بقدر فاصلہ طے کیا۔"

یہی سائنسدان اِس کتاب کے صفحہ ۸۲ پہ لکھتے ہیں۔

(۲) ہماری فطر روشنی میں کام کرتی ہے۔ اور اگر کوئی چیز روشنی سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ہم سے دور ہوتی جا رہی ہو۔ تو ایسی چیز کو ہم عمدہ سے عمدہ اور طاقتور دوربین سے بھی دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اندازہ یہ ہے کہ جو اجرامِ فلکی ہم سے بیس کھرب نوری سال کے فاصلہ پہ پہنچ جاتے ہیں انکی سرعت رفتار اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ روشنی اس کو نہیں پا سکتی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ فاصلہ اس فاصلہ سے دوگنا ہے جو مونٹ پلومر پہ نصب شدہ دیوقامت دُوربین سے ماپا جا سکتا ہے۔"

عبارت نمبر ۲ سے میرے دعوے کی صاف تائید ہوتی ہے کہ سائنسدانوں کی نظر عظیم ترین دوربینوں کے ذریعے صرف دس کھرب میل نوری سال کے فاصلے تک پہنچ سکتی ہے۔ اس سے آگے جو اجرامِ فلکی ہیں وہ اس کی نظر سے اوجھل ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام اجرامِ فلکی یعنی سورج، چاند، سیارے، ستارے اور سیارچے سب کے سب زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ یعنی آسمان کے نیچے ہیں اور ساتوں آسمان تمام اجرامِ فلکی کے اوپر واقع ہیں اور وہ اتنی بلندیوں پہ ہیں کہ انہیں بڑی سے بڑی دوربینیں بھی ابھی تک دریافت نہ کر سکیں اور چونکہ سائنسدان اس چیز کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو ان کے مشاہدہ اور نظر میں آ سکے اور آسمان بوجہ عظیم ترین بلندیوں پہ واقع ہونے کے ان کی حدِ نظر سے ماوراء ہے اس لیے انہوں نے آسمان کے وجود کو خلا و منتہائے نظر ہی سے تعبیر کیا۔ اور اگر آئندہ

چل کر سائنس اس قابل ہو گئی کہ وہ موجودہ دُوربینوں سے زیادہ طاقتور دوربین ایجاد کر سکی۔ تو ان کے ذریعے انشاء اللہ تعالیٰ انسان آسمانوں کو بنظر خود دیکھ سکے گا۔ اور اس وقت سائنس کی طرف سے قرآن کی صداقت پر ایک اور دلیل قائم ہو جائے گی۔

جامۂ بود کہ بر قامت او دوختہ بود

سائنس کی محدود معلومات

اس طرح ایک دوسرے سائنسدان پال کلیرنس ایمبر سولڈ (ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی) نے کتاب مذکورہ کے صفحہ ۱۰۱ پر کائنات کے بارے میں سائنس کے محدود علم ونظر کا صاف اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

(۳) "سائنس کی ساری ترقیوں کے باوجود ابھی انسان کی رسائی اسرار کائنات کے مبادیات تک ہی ہو سکی ہے۔ ابھی اسے صرف یہ اندازہ ہی ہوا ہے کہ نجوم و کواکب بے اندازہ و بے شمار اور خلا کی وسعتیں بیکراں ہیں"۔

ان عبارتوں سے بھی میرے دعوے کی بخوبی تائید ہوتی ہے میں اپنے تعلیم یافتہ بھائیوں سے التماس کرتا ہوں کہ وہ مشہور و مسلّم سائنسدانوں کے مذکورہ اقوال کی روشنی میں سائنس کو اس نظر سے دیکھیں۔ جس کی وہ مستحق ہے اور جس نظر سے اسے خود سائنسدان دیکھ رہے ہیں۔ کائنات کے تمام حقائق کے بارے میں سائنس کو کبھی کلّی علم کا دعویٰ نہیں رہا ہے۔ اس لیے سائنس کی قدر و قیمت اس کی حیثیت ہی کے مطابق کرنی چاہیئے۔ ہمارے پاس قرآن مقدس جیسی بے مثال اور عظیم کتاب ہے۔ جو کتاب الٰہی ہونے کی وجہ سے کائنات کی لامحدود وسعتوں پر حاوی ہے اس لیے قرآن ہمیں جس چیز کی خبر دے اس پر بے چون و چرا ایمان لانا چاہیئے اور سائنس کی محدود معلومات

کی بنا پر قرآن مجید کے بیان کردہ حقائق کے بارے میں کسی قسم کے تردد اور ریب و شک میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے - اور ہر حالت میں اپنے ایمان کو مستحکم اور اپنے عقیدے کو مضبوط رکھنا چاہیئے -

شرعی دلائل اب میں آپ کے سامنے وہ شرعی دلائل پیش کرتا ہوں - جن کی رُو سے یہ صاف ثابت ہے کہ ساتوں آسمانوں کا وجود ستاروں اور اجرام فلکی کے اُوپر واقع ہے - عربی میں آسمانوں کو "سما" کہتے ہیں - یہ اسم جمع ہے واحد کے لیے بھی آتا ہے اور جمع کے لیے بھی -

امام راغب اصفہانی اپنی مفردات فی غریب القرآن میں "سما" کی لغوی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں - "سَمَاءُ کُلِّ شَیْءٍ اَعْلَاہُ" یعنی ہر چیز کی بلندی کو آسمان کہتے ہیں -

دوسرے علماء نے بھی کہا ہے کہ کُلُّ مَا اَعْلَاکَ وَاَظَلَّکَ فَهُوَ سَمَاءٌ - یعنی جو چیز تیرے اوپر ہو - اور تجھ پر سایہ کرے وہ آسمان ہے

صاحب تفسیر کشاف نے پارہ اوّل میں " ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ کی تشریح میں لکھا ہے - " وَالْمُرَادُ بِالسَّمَاءِ جِهَاتُ الْعُلُوِّ کَاَنَّهٗ قِیْلَ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلٰی مَا فَوْقَ - یعنی آسمان سے مراد بلندی کی جہتیں ہیں - گویا مطلب یہ ہوا - کہ پھر اللہ بلندی کی طرف متوجہ ہوا اور تفسیر مدارک نے لکھا ہے - اَقْبَلَ وَعَمَدَ اِلٰی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ " یعنی متوجہ ہوا اور قصد کیا سات آسمانوں کے پیدا کرنے کا -

اس تقریر سے اِس قدر ثابت ہوا کہ آسمانوں سے بلند جہات مراد ہیں - یعنی آسمان بلند ترین جہات پر واقع ہیں -

ستارے آسمان کے نیچے ہیں

سورۂ ملک میں ارشادِ خداوندی ہے۔ "وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ" یعنی ہم نے قریب ترین آسمان کو ستاروں سے مزین کر دیا ہے "فخر المتاخرین علامہ آلوسی نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے ذیل میں آسمانوں میں ستاروں کے نہ ہونے پر ایک طویل بحث کی ہے جس میں مندرجہ ذیل عبارت ترجمے کے ساتھ ملاحظہ ہو۔

(۱) "وَالظَّاهِرُ اَنَّ الْمُرَادَ الْكَوَاكِبُ الْمُضِيئَةُ اِضَاءَةَ السِّرَاجِ من السَّيَّارَات والثوابت بناءً عَلٰى اَنَّهَا كلها فى افلاكٍ و مجارٍ متفاوتة قربا و بعدًا فى ثخن السماء وكون السماء هى الفلك خلاف المعروف عن السلف وانما هو قول قاله من اراد الجمع بين الكلام الفلاسفة الاولى وكلام الشريعة فشاع فى ما بين الاسلام واعتقده من اعتقده"

(روح المعانی سورۂ ملک)

ترجمہ:۔ اور آیت سے بظاہر مراد رات کے چراغ کی طرح تمام روشن ستارے (ثوابت) اور سیارے ہیں۔ جو اپنے اپنے فلک اور گزرگاہوں پر الگ الگ بعض نزدیک اور بعض دور آسمان کے احاطے میں ہوتے ہیں اور یہ بات کہ آسمان ہی فلک ہے۔ بزرگانِ سلف کے معروف مسلک کے خلاف ہے۔ دراصل یہ ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے متقدمین فلاسفہ کے کلام اور شریعت کے کلام کے درمیان مطابقت

پیدا کرنے کی کوشش کی اور پھر یہی بات اہل اسلام کے درمیان شائع ہو گئی اور جس نے چاہا اس نے اس عقیدے کو اختیار کیا۔

اس تشریح سے یہ واضح ہوا کہ آسمان اور فلک الگ الگ چیزیں ہیں اور ہمارے سلف سے بھی یہی منقول ہے۔ اور ستارے اپنے فلک میں ہیں۔ جو آسمان سے غیر ہیں۔ صاحب روح المعانی نے آسمان اور فلک کو ایک کہنے کی علت بھی بتائی۔ کہ یہ تصور ان لوگوں کی وجہ سے مسلمانوں میں پھیل گیا۔ جو متقدمین یعنی فلاسفۂ یونان سے متاثر تھے۔ اور انہوں نے فلاسفہ یونان کے مکتب فکر اور شریعت کے درمیان مماثلت و موافقت پیدا کرنی چاہی۔

واضح رہے کہ فلاسفۂ یونان نے سات آسمانوں سے مراد سات مشہور سیاروں کے مدار لیے ہیں۔ یعنی فلک قمر فلک عطارد، فلک زہرہ، فلک شمس، فلک مریخ، فلک مشتری، فلک زحل، اور پھر اس چیز کو فلاسفۂ اسلام نے اپنی کتابوں میں داخل کیا۔ اور اس مکتب فکر کو مسلمانوں میں اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ اب عوام تو عوام بعض خواص بھی اس فلسفۂ یونان کے تحت آسمانوں اور افلاک کو ایک سمجھ رہے ہیں۔

صاحب تفسیر حقانی نے بھی جلد اوّل صہ ۱۰۱ میں تصریح کی ہے۔ کہ
"حکمائے قدیم کے مسلک کی طرف ہمارے علماء زیادہ مائل ہیں"
صاحب روح المعانی نے سورۂ ملک کی تفسیر میں آگے چل کر لکھا ہے۔

(۲) ان التخصیص السّماء بالتزیین بها لانها اعتز علیها ولا یری جرم فوقها : ترجمہ : اور ستاروں سے آسمان کے مزین ہونے کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ستاروں نے آسمان پر احاطہ کیا ہے اور ان کے اوپر

کوئی جسم دکھائی نہیں دیتا۔ صاحب روح المعانی نے اپنی اسی تشریح میں آگے چل کر یہ فیصلہ دیا ہے۔ کہ

(۳) اَنَّ مَنْ تصدی التطبیق الآیات والاخبار علی ما قاله الفلاسفة مطلقاً فقد تصدی الامر لا یکاد یتم له واللّٰہ تعالیٰ ورسوله احق بالاتباع"۔

ترجمہ:۔ یقیناً جو شخص آیات واحادیث اور فلاسفہ کے اقوال کے درمیان مطلقاً تطبیق پیدا کرنے کے درپے ہوا۔ تو وہ ایک ایسے امر کے درپے ہوا۔ کہ وہ کبھی پورا نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس لائق ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے"۔ صاحب روح المعانی سورہ صافات میں اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ کے ذیل میں مزید تحریر فرماتے ہیں۔

(۴) "یکفی لصحة کون السماء الدنیا مزینة بالکواکب کونها کذالك فی رءی العین"

ترجمہ: ہمارے قریب ترین آسمان کو ستاروں سے مزین ہونے کی صحت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہماری نظر میں ایسا ہی دکھائی دیتا ہے یعنی باوجودیکہ ستارے آسمان میں واقع نہیں ہیں۔ لیکن ہماری نظر میں چونکہ ستارے آسمان ہی میں معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارے معائنے کے اعتبار سے ستاروں کی زینت کی نسبت آسمان کی طرف کی گئی۔ ورنہ آسمان ستاروں سے بہت بلند ہیں۔

آسمانوں کا وجود

آسمانوں کے وجود کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی حواشی تفسیر قرآن سے ایک

حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر آیت ذیل۔

(۵) اَلَّذِی خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ جس (اللہ) نے سات آسمان تہہ بہ تہہ پیدا کیئے [۴] حدیث میں آیا ہے کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا آسمان دوسرے پر تیسرا اسی طرح سات آسمان اوپر نیچے ہیں۔ اور ہر ایک آسمان سے دوسرے تک پانسو برس کی مسافت ہے نصوص (آیات و احادیث) میں یہ تصریح نہیں کی گئی۔ کہ اوپر جو نیلگوں چیز ہم کو نظر آتی ہے وہ ہی آسمان ہے ہوسکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں۔ اور یہ نیلگوں چیز آسمان کی چھت گیری کا کام دیتی ہو (سورہ ملک ص ۷۲۹)

اس تشریح سے ثابت ہوا کہ مولانا عثمانی شریعت غرّا سے آسمانوں کو مانتے ہیں۔ اور ہر ایماندار مانتا ہے۔ لیکن ان کے نزدیک یہ نیلی نیلی چھت جو اوپر نظر آتی ہے آسمان نہیں ہے۔ بلکہ اس کے (اور ستاروں کے) اوپر ہی وہ آسمانوں کے قائل ہیں۔ اور یہی مقصود مؤلف ہے۔

فلسفۂ یونان اور اسلام :

صاحب تفسیر حقانی نے جلد دوم آیت کریمہ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط کے ذیل میں فلاسفہ یونان کے مختلف مکاتب فکر کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے۔

(۷) حکمائے یونان کے دو گروہ ہیں۔ ایک کا قائد فیثا غورث اور دوسرے کا قائد بطلیموس ہے۔ اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ بطلیموسی عقیدہ ہے کہ زمین سے لے کر فلک الافلاک تک کل تیرہ کرّے ہیں جن میں چار کرّے خاکی، آبی، ہوائی اور آتشی ہیں۔ اور باقی نو کرّے نو افلاک کے ہیں اور پھر یہ لکھا ہے کہ یہ تقسیم بھی بطلیموس کی ہے۔ کہ پہلے فلک میں چاند

دوسرے میں عطارد، تیسرے میں زہرہ، چوتھے میں سورج، پانچویں میں مریخ، چھٹے میں مشتری اور ساتویں میں زحل ہے۔ آگے چل کر مفسر حقانی نے لکھا ہے کہ جب حکمت یونانی عربی میں ترجمہ ہو کر آئی۔ تو اہل اسلام نے بھی اس کو پسند کیا۔ چنانچہ آج تک شرح چغمنی اور تصریح وغیرہ اسی حکمت کی کتابیں درس نظامی میں داخل ہیں۔ لیکن نہ اسلام کو اس ہیئت سے کچھ بحث ہے نہ اس سے اگر یہ غلط ہوا تو اسلام کی صداقت میں نقصان آتا ہے اور جو وہ سراسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے۔ البتہ آسمانوں کی بابت آیات قدرت میں غور و فکر کرنے کے اعتبار سے جو کچھ قرآن یا دیگر کتب الہامیہ میں مذکور ہے اس کے تمام بنی آدم قائل ہیں۔ وہ علم فطرت ہے جب بطلیموس اور فیثاغورث نہ تھے۔ جب بھی لوگ ان باتوں کو مانتے تھے"

مفسر حقانی اور آسمان

مفسر حقانی نے آگے چل کر صاف لکھا ہے کہ (۷) ہمیں اوپر جو یہ نیلا رنگ نظر آتا ہے۔ گو یہ آسمان کا رنگ نہ ہو۔ مگر جب یہ آسمان کے ساتھ وہ علاقہ رکھتا ہے جو کہ سمندر کے پانی کے ساتھ اس کا رنگ پھر جس طرح سمندر کا نیلا رنگ اس کی رویت اور نظر کرنے میں مانع نہیں۔ آدمی پائجامہ کرتہ پہنے ہوتے جب دکھائی دیتا ہے تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہم نے اس کو دیکھا۔ اس طرح اگر آسمانوں کے نیچے خدا نے یہ قدرتی نیلگوں چھت گیری لگا دی ہے تو اس (آسمان) کے دیکھنے میں کوئی حرج پیدا نہیں کرتی۔ اور یوں تو حقیقتاً کوئی جسم دکھائی ہی نہیں دیتا۔ جب نظر پڑے گی تو اس کے عوارض پر ہی پڑے گی۔ کما ھو الحق عند الحکماءٗ"۔

اس عبارت سے واضح ہوا۔ کہ ہمیں اوپر جو یہ نیلا رنگ نظر آتا ہے یہ

آسمان کا رنگ نہیں۔ اور نہ یہ بذاتِ خود آسمان ہی ہے۔ بلکہ آسمان اس نیلے رنگ کے اوپر ہے۔ اور آسمانوں کے نیچے خدا نے یہ قدرتی نیلگوں چھت گیری لگا دی ہے۔

آسمانوں کا مواد

صاحب روح المعانی نے سورۃ ملک میں آسمانوں کے مواد اور بناوٹ کے بارے میں کہا ہے۔

(۵) واختلف فی موادھا فقیل الاولیٰ من موج مکفوف والثانیۃ من درۃ بیضاء والثالثۃ من حدید والرابعۃ من نحاس والخامسۃ من فضۃ والسادسۃ من ذھب والسابعۃ من زمردۃ بیضاء وقیل غیر ذلک ولا اظنک تجد خبرا یعول علیہ فیما قیل ولو طرت الی السماء واظنک لو وجدت لا ولت مع اعتقاد ان اللّٰہ عزوجل علی کل شئ قدیر۔

ترجمہ: اور آسمانوں کے مادے کے بارے میں اختلاف ہے پس کہا گیا ہے کہ پہلا آسمان رکی ہوئی موج سے بنا ہے۔ دوسرا آسمان سفید موتی سے تیسرا لوہے سے چوتھا تانبے سے پانچواں آسمان چاندی سے، چھٹا آسمان سونے سے اور ساتواں آسمان سفید زمرد سے بنا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی کچھ کہا گیا ہے اور میں تجھ پہ یہ گمان نہیں کرتا ہوں کہ تو ایک خبر (حدیث) بھی اس قسم کی پائے گا جس پر آسمانوں کی مذکورہ بناوٹ کے بارے میں اعتماد کیا جائے۔ اگرچہ اس مقصد کے لیے تو آسمان تک پرواز ہی کیوں نہ کرے اور میں

تجھ پر گمان کرتا ہوں کہ اگر تو آسمانوں کی بناوٹ کے بارے میں اس قسم کی خبر (حدیث) دریافت بھی کرلے تو اس میں تاویل کرے گا۔ اس اعتقاد کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

روح المعانی کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ آسمانوں کی متذکرہ بناوٹ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ دراصل یہ فلاسفۂ یونان کے نظریے اور عقیدے کے مطابق ہے جو شرعاً غلط ہے۔

آسمانوں کے باہمی فاصلے اور ان کی بناوٹ

مفسر حقانی اسی مضمون میں آسمانوں کے باہمی فاصلوں اور ان کی بناوٹ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں ۔

(۹) حضرت ابن عباس رضؓ وغیرہ اکابر سے جو کچھ آسمانوں کے باہمی فاصلہ کی نسبت مروی ہے ۔ اور یہ کہ فلاں آسمان چاندی کا اور فلاں زبرجد کا اور فلاں اس کا اور فلاں اس کا اگر بسند صحیح ثابت ہے ۔ تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر ۔ پھر اس پر اعتراض بھی بے جا ہے ۔

سطور مندرجہ بالا میں تفسیر روح المعانی اور تفسیر حقانی کے حوالوں سے آسمانوں کی متذکرہ بناوٹ کی تردید ثابت ہوئی ۔ اور اس عقیدے کی بھی کہ چاند پہلے (آسمان) میں ہے ۔ اور باقی چھ سیارے یکے بعد دیگرے چھ آسمانوں میں ہیں ۔ اور دوسرے تمام محقق علمائے اسلام بھی یہی کہتے ہیں ۔ نیز مذکورہ تصریحات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ساتوں آسمان تمام ستاروں ، اور سیاروں اور اوپر نظر آنے والے نیلے رنگ کے اوپر ہیں ۔ اب یہ سوال کہ یہ ستارے ہماری زمین سے کتنی دور ہیں ۔ اس کا جواب سائنسدانوں کے ان بیانات سے ملتا ہے جس کی قدرے تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے کہ بیس کھرب نوری سال کے فاصلے پر جو اجرام فلکی ہیں ۔ ان تک بڑی سے بڑی دوربین کے ذریعے بھی انسان کی نظر نہیں پہنچ سکتی ۔ اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ ساتوں آسمان تمام اجرام فلکی کے اوپر ہیں ۔ تو ان تک انسان کی نظر کیسے پہنچ سکے گی ۔ سائنس چاہے جتنی ترقی بھی کرے لیکن وہ قدرت کی لامحدود کائنات کا احاطہ تو درکنار

اس کا کروڑواں حصہ بھی ابھی تک معلوم نہ کر سکی۔ جس کا ثبوت سائنسدانوں کے ان بیانات سے ملتا ہے۔ جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ ؎

خوشتر آں باشد کہ سِرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ستاروں کے آسمان کے نیچے ہونے کی واضح ترین دلیل

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عطاء کہتے ہیں کہ تمام ستارے قندیلوں کی طرح زمین و آسمان کے درمیان لٹکتے ہیں۔ اگلے صفحات میں اس موضوع پر تفصیلی بحث آ رہی ہے۔ یہاں صرف حضرت ابن عباسؓ کی روایت ملاحظہ کیجئے جو درج ذیل ہے۔

(۱۱) ان النجوم علی ما روی ابن عباس ما فی تنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور وتلک السلاسل بایدی ملائکۃ من نور فاذا امات من فی السمٰوٰت والارض تساقطت تلک الکواکب من ایدیھم لانہ مات من یمسکھا۔

(تفسیر روح البیان سورۃ تکویر ص ۶۱۵)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق تمام ستارے قندیلوں میں زمین و آسمان کے درمیان نور کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں اور وہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ پھر جب زمین و آسمان کے تمام لوگ مر جائیں گے۔ تو یہ ستارے ان کے ہاتھوں سے گر پڑیں گے کیونکہ جنہوں نے ان کو تھام رکھا تھا وہ مر گئے۔"

حضرت ابن عباس رضؓ کا یہ قول واضح ترین دلیل ہے - اس امر پر کہ تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں - اور آسمان ستاروں کے اوپر انتہائی بلندیوں پر واقع ہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں - کہ ستارے زمین و آسمان کے درمیان ہیں - اور درمیان کا لفظ بتا رہا ہے کہ ستارے آسمان سے بہت نیچے ہیں - واضح رہے کہ ابن عباس رضؓ کی یہ روایت باب ہذا کی جان ہے - نیز یہ بھی معلوم ہو - کہ میرے اس تحقیقی رسالے کی بنیاد زیادہ تر حضرت ابن عباس رضؓ ہی کے اقوال و مرویات پر مبنی ہے - اور میں نے دوسری دلیلوں کے علاوہ حضرت ابن عباس رضؓ ہی کے اقوال سے تسخیر قمر کے سلسلے میں وارد ہونے والے تمام اشکالات و اعتراضات کا تسلی بخش جواب پیش کیا ہے -

مثلاً میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ -

(۱) آسمان تمام ستاروں اور اجرام فلکی کے اوپر واقع ہیں - اور تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں -

(۲) سورج اور چاند آسمان کے نیچے ہیں -

(۳) بروج یعنی بڑے بڑے ستارے آسمان کے نیچے ہیں -

(۴) سورہ نوح کی ایک آیت میں فِيهِنَّ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ سورج اور چاند آسمانوں کے اندر واقع ہیں - لیکن حضرت ابن عباس رضؓ نے " فِيهِنَّ " کو " مَعَهُنَّ " کے معنوں میں لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سورج اور چاند آسمانوں کے اندر نہیں بلکہ ان کے ساتھ ہیں وغیرہ وغیرہ - تفصیلات آگے آ رہی ہیں -

میں یہاں حضرت ابن عباس رضؓ کا قدرے تعارف پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کو ان کی عظمت شان کا کچھ اندازہ ہو سکے ! ممدوح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے محترم چچا حضرت عباسؓ کے بیٹے ہیں۔ اُمت محمدیہ کے بڑے عالم دین اور بہترین اشخاص میں سے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت، فقہ اور تاویل قرآن کی ان کو دعا کی تھی۔ انہوں نے حضرت جبریل امینؑ کو دو دفعہ دیکھا تھا وہ سب سے زیادہ فصیح وبلیغ اور حدیث میں اَعْلَمُ النَّاس یعنی سب سے زیادہ عالم تھے۔ (اور ترجمان القرآن سمجھے جاتے تھے۔ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں وہ سب سے زیادہ مقرّب تھے اور اپنے نزدیک جگہ دیتے تھے۔ اور جلیل القدر صحابہ کے ساتھ مشورہ کرنے میں ان کو شریک کرتے تھے۔ (بحوالہ اکمال فی اسماء الرجال مؤلفہ صاحب مشکوٰۃ)

اس لیے آپ کو مطمئن ہونا چاہیئے۔ کہ میری پیش کردہ تحقیقات انشاء اللہ تعالیٰ بہ ہمہ وجوہ قابل اعتماد ہیں۔ ؎

اعتدالِ معانی از من پرس
کہ مزاجِ سخن شناختہ ام!

میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں۔ کہ اس کی توفیق وعنایت سے میں نے بابِ ہٰذا میں خلا کے مقابلے میں حقیقی آسمانوں کے وجود کو سائنسی اور قرآنی دلائل سے بخوبی ثابت کیا۔ اور آسمانوں کے بارے میں یونان کے قدیم فلاسفہ بطلیموس اور فیثاغورث کے نظریات کا رد کیا۔ نیز موجودہ علمائے ہیئت وسائنس کے نظریے کو خود اُن کے اقوال و دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کر دیا۔

فالحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً ط ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر مے خواست
آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

باب دوم

فلک کی تعریف اور اسکی حقیقت

جو لوگ چاند تک انسان کی رسائی کو شرعاً تسلیم نہیں کرتے وہ اس سلسلے میں مختلف اشکالات و اعتراضات وارد کرتے ہیں ۔ باب ہٰذا اور آئندہ ابواب میں ان تمام اعتراضات کا پورا جائزہ لیا گیا ہے ۔ اور ہر اشکال و اعتراض کا مدلل شرعی جواب دیا گیا ہے ۔ یہ حضرات فرماتے ہیں ۔ کہ قرآن مجید میں سورج چاند اور ستاروں کے متعلق یہ تصریح ہے کہ وہ اپنے اپنے فلک میں تیرتے اور حرکت کرتے رہتے ہیں بمصداق آیت کریمہ وَ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ط اور فلک سے مراد وہ آسمان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلک اور آسمان ایک ہی ہیں ۔ پھر فلاسفہ یونان کی طرح سات سیاروں کو سات آسمانوں پر اس طرح تقسیم کرتے ہیں کہ چاند پہلے آسمان میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے ۔ اس تفصیل کے مطابق جو باب اوّل میں گزر چکی ہے ۔ آپ نے باب اوّل میں پڑھا ہے کہ فلک، آسمان، ستاروں اور سیاروں کے بارے میں بطلیموس اور اس کے توابع کا نظریہ غلط ہے اور حضرت ابن عباس رضؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے اقوال اور روایات کے

ساتھ ان کے نظریات متصادم ہیں۔ نیز ہمارے معتمد مفسّرین قرآن نے بطلیموسی نظریات کا صریح رد کر دیا ہے اور بتلایا ہے کہ بطلیموس کے نظریات غلطی سے ہماری کتابوں میں داخل کیے گئے ہیں۔ اور پھر مسلمانوں میں ان کی اتنی شہرت ہو گئی کہ لوگ نصوص یعنی آیات و احادیث کے ساتھ ساتھ ان کی تطبیق کرنے لگے۔ بہر حال محترم مخالفین فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے چاند کا اپنے فلک یعنی آسمان میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آسمان تک انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے چاند کی تسخیر کا دعویٰ ناقابلِ اعتبار ہے۔

فلک سے مدار مراد ہے :-

ہمارا جواب یہ ہے کہ شرعاً فلک سے آسمان مراد نہیں بلکہ فلک کا مفہوم آسمان سے قطعی مختلف ہے اور اس سے ستاروں کا مدار مراد ہے فلک کے لغوی معنیٰ گول چیز کے ہیں اور عرب کے محاورے میں یہ گول چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب اصفہانی اپنی مفردات فی غریب القرآن میں فلک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۱) الفلك مجرى الكواكب وتسميته بذلك لكونه كالفلك قال وكل فى فلك يسبحون ط

ترجمہ : (فلک سے مراد ستاروں کا مدار ہے اور فلک کی وجہ تسمیّہ یہ ہے کہ وہ کشتی کی طرح گول ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے اور سورج چاند ستارے سب اپنے اپنے مدار پر گردش کرتے ہیں۔)

امام راغب کی اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ فلک سیّاروں کے مدار کو کہتے ہیں۔

امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں وَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ط کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

(۲) الفلك فى كلام العرب كل شئ دائرة جمعه افلاك واختلف العقلاء فيه فقال بعضهم الفلك ليس بجسم وانما هو مدار النجوم وهو قول ضحاك۔

(کبیر جلد ۶ صـ ۱۸۳)

ترجمہ :- فلک عرب کے محاورے میں ہر گول چیز کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع افلاک،

ہے۔ اور فلاسفہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فلک کا کوئی جسم نہیں ہے۔ اور دراصل یہ ستاروں کے مدار کو کہتے ہیں۔ اور یہی ضحاک کا قول ہے۔

تفسیر کبیر کی اس عبارت سے بھی فلک کا گول ہونا اور سیاروں کا مدار ہونا ثابت ہوا۔ امام رازی اس عبارت میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

(۳) وقال الاکثرون بل ھی اجسام تدور النجوم علیھا و ھذا اقرب الی ظاھر القرآن ثم اختلفوا فی کیفیتہ فقال بعضھم الفلک موج مکفوف تجری الشمس والقمر والنجوم فیہ وقال الکلبی ماء مجموع ..... تجری فیہ الکواکب واحتج بان السباحۃ لا تکون الا فی الماء قلنا لا نسلم فانہ یقال فی الفرس الذی یمد یدیہ فی الجری سابح (الی ان قال) فاما الکلام فی الفلاسفۃ فھو مذکور فی کتب الآیۃ بہ والحق انہ لا سبیل الی معرفۃ صفات السموٰت الا بالخبر۔

(کبیر جلد ۶ صـــ۱۸۳)

ترجمہ:۔ اور اکثر فلاسفہ کا قول ہے کہ افلاک جسم رکھتے ہیں۔ جن پر ستارے گردش کرتے ہیں۔ اور یہی قرآن کے ظاہری مفہوم سے قریب ہے۔ پھر یہ فلاسفہ فلک کی کیفیت میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ فلک رُکی ہوئی موج ہے۔ جس میں سورج چاند اور ستارے حرکت کرتے رہتے ہیں اور کلبی نے کہا ہے کہ فلک جمع کیا ہوا پانی ہے جس میں ستارے تیرتے رہتے ہیں۔ اور اس پر اس کی دلیل یہ ہے کہ تیرنا پانی میں ہوتا ہے۔ (امام رازی کہتے ہیں کہ)

ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں - کیونکہ عرب کے محاورے میں اس گھوڑے کو بھی تیراک کہتے ہیں جو اپنے اگلے دونوں پاؤں کو چلنے کے لیے پھیلائے (یہاں تک کہ اس نے کہا) کہ فلاسفہ کے بارے میں سب کچھ ان کی متعلقہ کتابوں میں مذکور ہے - اورحق یہ ہے کہ آسمانوں کی صفت و کیفیت کو سمجھنے کے لیے احادیث کے بغیر کوئی اور راستہ ہی نہیں ہے ۔"

امام رازی کی اس عبارت میں دو قول بیان کیے گئے ہیں - پہلا قول فلاسفہ کا ہے کہ فلک جسم دار چیز ہے جس پر ستارے حرکت کرتے ہیں - لیکن ساتھ ہی فلک کے جسم کی کیفیت میں فلاسفہ کے اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے - مطلب یہ کہ فلاسفہ متفقہ طور پر یہ فیصلہ نہیں کر سکے ہیں کہ فلک کے جسم کی نوعیت کیا ہے لیکن بہرحال اتنا تو سب فلاسفہ کے یہاں مسلم ہے کہ فلک ستاروں کا مدار ہے - خواہ اس کا جسم ہو یا نہ ہو - اور راقم الحروف بھی یہی کہتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ میں فلک کو مدار کواکب مانتا ہوں لیکن مخالفین کی طرح فلک اور آسمان کو ایک چیز نہیں مانتا ہوں - امام رازی کی متذکرہ عبارت میں دوسرا قول کلبی کا ذکر کیا گیا ہے - جس میں اس نے فلک کو جمع کئے ہوئے پانی سے تعبیر کیا ہے اور اس پر دلیل یہ دی ہے کہ آیت میں لفظ " یسبحون " آیا ہے اور یسبحون کا مادہ سباحت ہے - جو تیرنے کے معنوں میں بولا جاتا ہے - لیکن امام رازی نے خود کلبی کی اس دلیل کو رد کر دیا ہے کہ ہم اس کو بدیں وجہ تسلیم نہیں کرتے ہیں - کہ کلام عرب میں اس گھوڑے کو بھی " سابح " یعنی تیراک کہتے ہیں - جو چلنے کے لیے اپنے اگلے دونوں پاؤں کو پھیلائے - تو مطلب یہ ہوا کہ پانی کے بغیر بھی سباحت یعنی تیرنے کا لفظ محاورۂ عرب میں استعمال ہوتا ہے - بہرحال اس عبارت سے یہی ثابت ہوا کہ فلک مدار کواکب ہے اور

وہ پانی کی قسم کی چیز نہیں ہے۔ اور امام رازی کی اس عبارت میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ فلک اور آسمان ایک چیز ہے۔ بلکہ آخر میں انہوں نے فلاسفہ کے اقوال پر اپنے عدمِ اعتماد کو ظاہر کرتے ہوئے صاف کہا ہے کہ حق یہی ہے کہ آسمانوں کی صفت اور کیفیت احادیث کے بغیر متعین نہیں ہو سکتی۔

تفسیر ابن عباسؓ میں ہے۔

(۴) وَكُلٌّ (الشمس والقمر والنجوم) فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ في دوران يدورون في مجراه يجرون (تفسیر ابن عباس صـ۲۷۴)

ترجمہ: سورج چاند اور ستارے سب کے سب اپنے اپنے مدار پر گھومتے ہیں اور اپنی اپنی گزرگاہوں میں رواں دواں ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فلک کے معنیٰ دوران یعنی مدار سے کئے ہیں۔ اور یہی مقصود باب ہے۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اپنی فتح الخبیر میں فلک کے معنیٰ مدار سے کئے ہیں، فرماتے ہیں :۔

(۵) (في فلكٍ) دوران (يسبحون) يجرون وقيل يدورون (فتح الخبیر صـ۲۱۲)

ترجمہ: سورج، چاند، ستارے مدار پر جاری رہتے ہیں۔ گھومتے رہتے ہیں۔

صاحبِ تفسیرِ حقانی کے نزدیک بھی فلک سے مراد مدار ہے چنانچہ فرماتے ہیں :۔

(۶) حکماء کا ایک فریق کہتا ہے کہ آفتاب و ماہتاب کسی فلک میں جڑے ہوئے نہیں۔ اپنے اپنے مدار پہ بذاتِ خود حرکت کرتے ہیں۔ اور نہ فلک کوئی جسم دار چیز نہیں ہے۔ ہاں یہ جو نظر میں ایک نیلا گنبد سا نظر آتا ہے۔ یہی عرفِ عام میں فلک گنا جاتا

ہے۔ خدا کی پاک کتابوں میں ایسے امور کی حقیقت سے بحث نہیں۔ کہ وہ کیا ہیں؟ وہاں تو عرفِ عام کے لحاظ سے کلام ہوا کرتا ہے۔ پس اس تقدیر پہ ہر ایک کا ایک ایک فلک میں تیرنا، حرکت کرنا بجز اس توجیہ کے درست نہیں ہو سکتا کہ فلک سے مراد ہر ایک کا مدار لیا جائے۔ جیسا کہ ضحاک کا قول ہے۔

(تفسیر حقانی جلد ۵ صـ۱۷۹)

مفسّرِ حقانی نے مذکورہ عبارت میں صاف کہا ہے کہ فلک کوئی جسم دار چیز نہیں ہے بلکہ ستاروں کا مدار ہے۔ اور ہمیں جو نیلا گنبد سا نظر آتا ہے۔ اس کو انہوں نے عرفِ عام میں فلک قرار دیا۔ گزشتہ صفحات میں تفسیر حقانی کی ایک عبارت سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ یہ نیلا سا گنبد آسمان کی چھت گیری کا کام دیتا ہے اور آسمان اس کے اوپر ہے۔ مطلب یہ کہ مفسرِ حقانی کے نزدیک فلک اور آسمان دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور فلک سے مراد محض مدارِ کواکب ہے۔ اور بس۔ اور یہی مقصودِ مؤلف ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت کریمہ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ط کے ذیل میں وہ وجہ بھی بتائی ہے کہ سورج اور چاند کے مدار کو کیوں فلک کہا گیا فرماتے ہیں۔

(۷) اور فلک گول چیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر (گول) ہے اس لیے اس کے مدار کو فلک قرار دیا۔ (بیان القرآن صـ۶۴)

مولانا تھانوی کے بیان سے واضح ہوا۔ کہ سورج اور چاند کی حرکت گول ہے اس لیے اس کے مدار کو فلک کہا گیا۔ اب اس کی تائید میں بخاری شریف سے بھی ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بابُ صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ بِحُسْبَانٍ کے زیر عنوان جو باب باندھا ہے۔ اس میں مجاہد کا قول نقل

کرتے ہوئے لکھا ہے۔

(۸) قال مجاھد کحسبان الرحیٰ قولہ کحسبان الرّحیٰ اراد انہما یجریان علیٰ حسب الحرکۃ الرّحویّۃ الدوریۃ

ترجمہ :۔ مجاہد نے مذکورہ آیت اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ کی تفسیر میں کہا۔ کہ سورج اور چاند حساب مقرر کے ساتھ چلتے ہیں۔ مانند حرکت چکّی کے۔ کہ ایک چال سے پھرتی ہے اور اس قول سے مجاہد کی مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں حرکت رحویہ دوریہ یعنی چکی کی طرح گول حرکت کرتے ہیں۔"

بخاری شریف کی اس تصریح سے بھی آفتاب و مہتاب کی گول حرکت ثابت ہوئی۔ اور مولانا تھانوی کے قول کے مطابق اس گول حرکت ہی کی وجہ سے ان کے مدار کو فلک کہا گیا۔

فلک آسمان کے نیچے ہے

مولانا اسماعیل حقی آفندی اپنی تفسیر روح البیان آیت کریمہ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ط کے ذیل میں لکھتے ہیں :۔

(۹) وقال بعضهم اخذا لظاهر الآیة ان الفلك موج مكفوف من السیلان دون السماء تجری فیه الشمس والقمر كما تسبح السمكة فی الماء

(روح البیان جلد ۳ صـ۷۹)

ترجمہ :۔ اور بعض نے مذکورہ آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ فلک بہنے سے رکی ہوئی موج ہے۔ جو آسمان کے نیچے ہے۔ جس میں سورج اور چاند تیرتے رہتے ہیں۔ جس طرح مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔

روح البیان کی اس عبارت میں فلک کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے

کہا گیا ہے ۔ کہ یہ آسمان کے نیچے ہے ۔ واضح رہے کہ مذکورہ عبارت میں لفظِ دون استعمال ہوا ہے ۔ اور یہ عرب کے محاورے میں مختلف معنوں میں آتا ہے ۔ مثلاً نیچے، نزدیک، بجز وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک معنی کا مفاد یہی ہے کہ فلک آسمان سے غیر ہے اور یہی مقصودِ مؤلف ہے ۔

کمالین حاشیہ جلالین میں مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو ۔

(۱۰) قوله فی السماء یشیر الی ان الفلك غیر السماء قال الجمهور الفلك موج مکفوف تحت السماء تجری فیه الشمس والقمر والنجوم (کمالین بر حاشیہ جلالین سورہ انبیاء صـ ۲۷۲)

ترجمہ : یہ قول کہ آسمان میں ہے اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ فلک آسمان سے غیر ہے ۔ جمہور نے کہا ہے کہ فلک رکی ہوئی موج ہے جو آسمان کے نیچے ہے ۔ جس میں شمس قمر اور کواکب تیرتے رہتے ہیں ۔

اس عبارت میں دو باتیں صاف بتائی گئیں ۔ ایک یہ کہ فلک آسمان سے غیر ہے ۔ دوسری یہ کہ فلک آسمان کے نیچے ہے اور مدارِ کواکب ہے ۔ اور یہی امر مقصودِ مؤلف ہے ۔

کمالین کی مذکورہ عبارت میں آگے چل کر علامہ عسقلانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ۔

(۱۱) قال العسقلانی فی السموٰت السبع عند اهل الشرع غیر الافلاك (صفحہ مذکورہ)

ترجمہ : عسقلانی نے کہا ہے کہ سات آسمان اہلِ شرع کے نزدیک افلاک سے غیر ہیں ۔

علامہ عسقلانی کا یہ قول بالکل واضح ہے کہ اہلِ شرع کے نزدیک سات آسمانوں سے مراد افلاک نہیں ہیں ۔

تفسیر مدارک نے لکھا ہے۔

(۲) والجمھور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم (مدارک جلد سوم ص۷۸)

ترجمہ: اور جمہور کا مسلک یہی ہے کہ فلک رکی ہوئی موج ہے۔ جو آسمان کے نیچے ہے۔ جس میں سورج چاند اور ستارے تیرتے رہتے ہیں۔

تفسیر مدارک کی عبارت سے بھی یہ ثابت ہوا کہ فلک آسمان کے نیچے ہے اور مدار کواکب ہے۔

فلک آسمان سے غیر ہے

صاحب روح المعانی نے سورۂ ملک میں آسمان اور فلک کی تفریق کرتے ہوئے لکھا ہے۔

(۱۳) وکون السماء ھی الفلک خلاف المعروف عن السلف وانما ھو قول قالہ من اراد الجمع بین الکلام الفلاسفۃ الاولی وکلام الشریعۃ فشاع فیما بین الاسلام واعتقدہٗ من اعتقدہ۔"

ترجمہ: اور یہ کہنا کہ آسمان ہی فلک ہے۔ بزرگانِ سلف کے معروف مسلک کے خلاف ہے۔ اور حقیقت میں یہ اس شخص کا قول ہے۔ جس نے فلاسفۂ متقدمین کے کلام اور شریعت کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی اور پھر یہ بات اہل اسلام کے درمیان شائع ہوگئی۔ اور جس نے چاہا اسکا اعتقاد کیا۔"

صاحب روح المعانی نے ایک دوسرے مقام پر سورۂ صافات میں اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَۃِ نِ الْکَوَاکِبِ ط کے ذیل میں آسمان اور فلک پر بحث کرتے ہوئے ان لوگوں کو خطا وار اور مخالف سلف گردانا ہے جو دونوں کو ایک سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

(۱۴) وقد اخطئوا فی ذالك وخالفوا سلف الامة فیه فالفلك غیر السماء وقوله تعالیٰ مع ما ههنا اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ط لا یدل علی الاتحاد لما قلنا من ان الكواكب فی الفلك والفلك فی السماء فیكون الكواكب فیها بلا شبهة فلا یحوج الجمیع الی القول بالعینیة "

ترجمہ :- اور تحقیق یہی ہے کہ ان لوگوں نے آسمان اور فلک کو ایک سمجھ کر خطا کا ارتکاب کیا ہے اور اس میں انہوں نے سلف اُمّت کی مخالفت کی پس فلک آسمان سے غیر ہے اور اللہ کا یہ قول جو اس موقع کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کہ کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمانوں کو تہہ بہ تہہ پیدا کیا اور ان میں چاند کو نور اور سُورج کو چراغ بنایا۔ تو یہ آیت آسمان اور فلک کے ایک ہونے پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ ستارے فلک میں ہیں۔ اور فلک آسمان میں ہیں۔ پس بلا شبہ ستارے آسمان ہی میں ہوئے پھر اس کی حاجت نہیں کہ دونوں کو ایک کہا جائے۔

روح المعانی کی یہ عبارت بالکل واضح ہے جس پر مزید حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔

فلک زمین و آسمان کے درمیان ہے

آخر میں تفسیر الدُر المنثور سے

آیت کریمہ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ط کے ذیل میں دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں جو اتنی واضح اور صریح الدلالت ہیں کہ ان کے بعد فلک اور آسمان کے مختلف الوجود

ہونے کے بارے میں کسی اور دلیل کی قطعاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی وہ دلیلیں یہ ہیں۔

(۱۵) واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وابوالشیخ عن حسان بن عطیہ قال الشمس والقمر والنجوم مسخرۃ فی فلک بین السماء والارض"۔ (الدر المنثور سورۃ انبیاء)

ترجمہ:۔" ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے حسان بن عطیہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سورج، چاند اور ستارے اپنے اپنے فلک میں زمین وآسمان کے درمیان مسخر ہیں۔"

(۱۶) واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن ابن زید رضی اللہ عنہ فی قولہ وکل فی فلک قال الفلک الذی بین السماء والارض من مجاری النجوم والشمس والقمر وفی قولہ یسبحون قال یجرون۔

ترجمہ: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ فلک وہی ہے۔ جو زمین وآسمان کے درمیان سورج چاند اور ستاروں کے مداروں میں سے ہے اور یسبحون کی تفسیر میں انہوں نے کہا کہ وہ حرکت کرتے ہیں۔

تفسیر الدر المنثور کی مذکورہ دلیلوں کے بعد مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ان دونوں روایتوں میں صاف کہا گیا ہے کہ فلک سورج، چاند اور ستاروں کا مدار ہے جو زمین وآسمان کے درمیان ہے۔

خلاصۂ کلام

باب ہذا کے دلائل سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) فلک کوئی جسم دار چیز نہیں ہے۔

(۲) فلک سے شمس و قمر اور سیاروں کا مدار مراد ہے۔

(۳) فلک آسمان سے غیر ہے۔

(۴) فلک آسمان کے نیچے ہے۔

(۵) فلک کا مقام زمین و آسمان کے درمیان ہے۔

(۶) فلک سے آسمان مراد لینا بزرگانِ سلف کے معروف مسلک کے خلاف ہے۔

(۷) جو لوگ فلک اور آسمان کو ایک سمجھ رہے ہیں وہ خطا کے مرتکب اور سلفِ اُمت کے مخالف ہیں۔

(۸) فلک اور آسمان کو ایک سمجھنے والے دراصل وہی لوگ ہیں جو فلاسفۂ یونان سے متاثر ہونے کی وجہ سے ان کے فلسفہ اور شریعت کے درمیان مطابقت پیدا کر رہے ہیں۔

(۹) سات سیّاروں کے مداروں یعنی افلاک کو سات آسمان قرار دینا شرعاً غلط اور مردود ہے۔ یعنی فلکِ قمر کو آسمانِ اوّل فلک عطارد کو آسمانِ دوم فلک زہرا کو آسمانِ سوم فلک شمس کو آسمانِ چہارم فلک مریخ کو آسمانِ پنجم فلک مشتری کو آسمانِ ششم اور فلک زحل کو آسمانِ ہفتم قرار دینا شرعاً شدید ترین غلطی ہے۔ کیونکہ ساتوں آسمان تمام سیّاروں، ستاروں اور اجرامِ فلکی کے اوپر واقع ہیں۔

(۱۰) سورج، چاند، ستارے اور تمام اجرامِ فلکی زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

باب ہٰذا کے ان امورِ عشرہ (دس باتوں) اور تمام دلائل کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اب یہ بات صاف واضح ہو گئی کہ چاند تک انسان کی رسائی پر فلک اور آسمان کے ایک ہونے کی صورت میں جو اشکال اور اعتراض وارد ہوتا تھا۔ وہ نیست و نابود ہو گیا۔ اور

سائنس کے اس خلائی کارنامے کی وجہ سے قرآن مقدس کی صداقت اور اعجاز روز روشن کی طرح دوست و دشمن اور منکرین و مومنین سب پر عیاں ہو گیا۔ جدید علم ہیئت اور سائنس یہی کہتی ہے کہ ستارے، سیارے، سورج اور چاند سب خلاء میں اپنے اپنے مدار پر حرکت کرتے ہیں۔ اور قرآن حکیم کی روشنی میں آج سے چودہ سو سال پہلے اس حقیقت کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اور صاف کہا گیا تھا، کہ چاند، سورج اور سیاروں کے مدار نیز تمام ستارے اور اجرام فلکی زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنس نے قرآن ہی کی رہنمائی سے استفادہ کیا ہے اور قرآنی نظریات ہی کی روشنی میں یہ اپنی لگاتار عملی جد و جہد کی بدولت برابر آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ اور ادھر ہماری یہ حالت ہے۔ کہ ہم ذہنی جمود اور بے عملی کی وجہ سے زندہ اور فعال قوموں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

ولنعم ما قیل

قومے بہ جد و جہد گرفتند وصل دوست ؎

قومے دگر حوالہ بتقدیر می کنند

باب سوم

تسخیرِ خلا اور تسخیرِ قمر کے شرعی امکانات

سائنس کے موجودہ ترقیاتی اور ایٹمی دور میں جبکہ انسان نے خلا کی تسخیر کا عزم کیا ہے اور اس کا چاند پر پہنچنا اِس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے یہ سوال آمنے آتا ہے کہ کیا قرآن حکیم کی رو سے اس امر کے امکانات موجود ہیں؟ کہ انسان خلا کی تسخیر پر قادر ہو سکے۔ اور وہ زمین و آسمان کے حدود سے باہر نکل سکے۔ میں اس باب میں اس سوال اور اس کے جواب پر شرعی نقطۂ نظر سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن حکیم کی روشنی میں میرا موقف یہ ہے کہ نبی اور ولی کے لیے تو یہ تسخیر از روئے معجزہ و کرامت ثابت و ممکن ہی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اسکی دی ہوئی عقل اور مادی اسباب و آلات کی بدولت بھی انسان تسخیر خلاء اور زمین و آسمان کے حدود سے باہر نکلنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ اس عظیم الشان ارتقاء کی صورت میں اس پر قادر نہیں ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور قدرت سے بھی باہر نکل سکے گا۔ یا اس کی مشیت ، اس کی قضا و قدر اور اس کی مقرر کردہ موت سے اپنے آپ کو بچا سکے گا۔ وہ جہاں بھی پہنچے گا وہاں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت، غلبہ اور قدرت کو پائے گا اور وہیں اس کو اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے ماتحت انسانی حوادث و عوارض اور اس کی مقرر کردہ موت کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و جبروت کے سامنے اپنے آپ کو بالکل بے بس پائے گا۔ اور یہی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی وحدانیت پر

عظیم الشان دلیل ہے۔

تسخیر خلا کے دلائل

میرے اس دعوے کی تائید میں مندرجہ ذیل قرآنی دلائل ملاحظہ ہوں۔ سورۂ رحمٰن میں ارشادِ خداوندی ہے۔

(۱) یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ط

ترجمہ:- اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کے حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ نہ نکل سکو گے مگر قوت کے ساتھ۔"

اب اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اکابر مفسرین کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ صاحبِ تفسیر جمل متذکرہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۲) لاتنفذون الا بسلطان والسلطان القدرة قال ابن عباس ان استطعتم ان تعلموا ما فی السمٰوات والارض فاعلموه ولن تعلموه الا بسلطان ای ببینة من اللّٰہ تعالیٰ وعنه ایضا ان معنیٰ لاتنفذون الا بسلطان لاتخرجون من سلطانی وقدرتی علیکم وقیل لاتنفذون الا الی سلطانی فالباء بمعنی الی کقوله تعالیٰ وقد احسن بی ای الیّ (جمل جلد ۴ صہ۲۶۱)

ترجمہ:- تم نہیں نکل سکو گے مگر سلطان کے ساتھ اور سلطان کے معنی قدرت کے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے اندر جو کچھ ہے۔ اس کو معلوم کرو۔ تو بے شک یہ علم حاصل کرو لیکن اس کو حاصل نہیں کرو گے مگر سلطان کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے اور ابن عباس سے یہ بھی روایت ہے۔ کہ تم میری سلطنت سے اور تم پر میری جو قدرت ہے اس

سے نہیں نکل سکو گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ کے معنی یہ ہیں کہ تم نہیں نکلو گے مگر میری حکومت کی طرف یس بِسُلْطَانٍ یں بمعنی الیٰ ہے جس طرح اس ارشادِ خداوندی میں ہے۔ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ اَیْ اِلَیَّ "

اس تفسیر سے تین باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ ہی کی رہنمائی سے آسمانوں اور زمین کے علوم اور اسرار حاصل کر سکتا ہے۔ اسکی معیشت اور ارادہ نہ ہو۔ تو وہ اسرارِ فطرت اور علوم کائنات کو دریافت نہیں کر سکتا۔ دوسری یہ کہ انسان کے زمین و آسمان کے حدود سے نکلنے کی صورت میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کو جو قدرت و غلبہ حاصل ہے۔ وہ اس سے اور اس کی حکومت سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ تیسری بات یہ کہ نفوذ کی صورت میں انسان کا خروج اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت کی طرف ہوگا۔ مطلب یہ کہ انسان ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے تصرف و اختیار میں ہے اور وہ ترقی کرتے کرتے جہاں پہنچے گا وہاں وہ اللہ تعالیٰ کے غلبہ و اقتدار اور سلطنت ہی کے دائرے میں مقید ہوگا۔

تفسیر خازن نے متذکرہ آیت کریمہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

(۳) والمعنی ان استطعتم ان تخرجوا من الموت بالخروج من اقطار السمٰوٰت فاھربوا واخرجوا منھا فَحَیْثُمَا کنتم یدرککم الموت"۔ (تفسیر خازن سورۃ رحمٰن)

ترجمہ:- اور مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں یہ قوت حاصل ہو۔ کہ زمین و آسمان کے حدود سے نکل کر موت سے بھی بھاگ سکو گے۔ تو بھاگو اور حدودِ ارض و سما سے نکل جاؤ۔ لیکن تم جہاں بھی ہو گے۔ موت بہر حال وہاں بھی تمہیں پہنچے گی۔

اس تفسیر سے واضح ہوا۔ کہ زمین و آسمان کے حدود سے نکلنا انسان کے لیے ممکن ہے۔ البتہ انسان اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر اور موت سے کہیں بھی اپنے آپ کو

نہیں بچا سکے گا۔ چاہے وہ ترقی کرتے کرتے خلاء کی بلندیوں اور سیاروں پر کیوں نہ پہنچ جائے۔ واضح رہے کہ خلا اور سیارے زمین کی حدود سے باہر ہیں۔

اس لیے خلا اور ستاروں پر پہنچنے کے لیے زمین کی حدود سے نکلنا انسان کے لیے از روئے قرآن بالکل ممکن ہے۔

تفسیر الدرالمنثور نے متذکرہ آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔

(۲) وعن قتادة لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ قال بملکة من اللّٰہ (سورۂ رحمٰن)

ترجمہ:۔ اور قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم نہیں نکل سکتے ہو۔ مگر جب اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا ملکہ دے۔ تو پھر نکل سکتے ہو۔"

ملکہ قبضہ و اختیار اور نفس کی صفت راسخہ یعنی ایک خاص استعداد کو کہتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو زمین و آسمان کی حدود سے نکلنے کے لیے اس کے مناسب حال استعداد اور قوت عطا فرمائے تو پھر انسان کے لیے یہ خروج ممکن ہو سکتا ہے اور یہی مقصود باب ہے۔

آسمان کی طرف جن کا عروج

قرآن حکیم میں سورۂ جن کی ایک آیت سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جن آسمان میں داخل ہوتے تھے بمصداق "اِنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ"۔ یعنی جن آسمان کی بیٹھکوں میں فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے بیٹھتے تھے۔ لیکن حضور کی بعثت کے بعد آسمان میں ان کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ تاکہ وہ فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔ اب بھی جن آسمان تک جاتے ہیں لیکن ستاروں کے چمکتے ہوئے انگاروں سے انہیں مار بھگایا جاتا ہے۔

آپ غور کریں کہ سورۂ رحمٰن کی متذکرہ آیت کریمہ "اِلَّا بِسُلْطٰنٍ" میں جن اور انس دونوں سے خطاب ہے۔ کہ تم زمین و آسمان کے حدود سے باہر نہیں نکل سکتے

ہوا اگر اس آیت کا مقصد وہ نہ ہوتا جو مقصد تفاسیر کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے تو پھر جن کے لیے بھی زمین کی حدود سے نکل کر آسمان تک جانا از روئے قرآن ممنوع قرار دیا جاتا۔ حالانکہ جن کے عروج آسمانی کے تو مخالفین حضرات بھی قائل ہیں۔ واضح رہے کہ جن آسمان تک پہنچنے کے لیے پہلے خلاء کو عبور کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خلا زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے یعنی دونوں حدود سے باہر ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جنات کو تو پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ اور استعداد دی ہے کہ وہ خلا کو عبور کر سکتے ہیں۔ اور انسان کو بھی جب اللہ تعالیٰ اس کا ملکہ اور استعداد عطا فرمائے تو وہ بھی ایسا کر سکتا ہے۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور ارادے سے انسان کو خلائی آلات کے ذریعے یہ استعداد دی ہے اور ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ملکہ اور استعداد ہی کی وجہ سے انسان نے خلا تک رسائی حاصل کی۔ تو جب جن کا عروج آسمانی سورۂ رحمٰن کی مذکورہ آیت "اِلَّا بِسُلْطَانٍ" کے خلاف نہیں ہے تو پھر انسان کی خلا و قمر تک رسائی بھی مذکورہ آیت کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

یہاں ایک نکتہ مدِ نظر رہے۔ اور وہ یہ کہ زمین و آسمان کی حدود سے باہر جانے کا اطلاق خلا پر ہوتا ہے۔ اور زمین و آسمان کے کناروں کو عبور کر کے ان کے باہر جانے پر بھی ہوتا ہے۔ تو یہ دوسری صورت جن اور انسان دونوں کے لیے ممکن نہیں۔ کیونکہ آسمانوں کے کناروں کے فاصلے اتنے طویل ہیں کہ وہ کھربوں اور پدموں میل نوری سالوں میں بھی طے نہیں کیے جا سکتے۔ اور اس کے لیے پھر انسان کو کھربوں سال عمر کی بھی ضرورت ہے اور یہ اس کے بس میں نہیں ہے۔ مگر یہ عدم امکان اسباب خارجیہ کے فقدان کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ انسان کے لیے آسمانوں کے کناروں سے باہر نکلنا شرعاً ممتنع ہے۔ جیسا کہ "اِلَّا بِسُلْطَانٍ" کی تفسیرات میں امکان ہی کو تسلیم کیا گیا

ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور مشیت مقتضی ہوئی۔ تو وہ انسان کو اس کا بھی ملکہ اور استعداد عطا فرمائے گا۔ اور اس کی ایسے آلات و اسباب کی طرف رہنمائی کرے گا۔ جو ابھی اس کے علم و نظر سے بالاتر ہیں۔ بہر حال جہاں تک خلا تک انسان کی رسائی کا تعلق ہے تو اس کا امکان متذکرہ آیت کریمہ اور اس کی معتمد تشریحات سے بخوبی ثابت ہے۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں آیت مذکورہ کی تشریح میں لکھا ہے۔

(۵) ولا یقدرون علی الخروج من السمٰوٰت والارض ولو امکن خروجھم عنھما لما خرجوا عن ملک اللہ تعالیٰ فھو آخذھم این ما کانوا وکیف کانوا (تفسیر کبیر جلد ۸ صـ۲۲)

ترجمہ: جن اور انسان آسمانوں اور زمین سے نکلنے پر قادر نہیں ہونگے اور اگر زمین آسمان دونوں سے ان کا خروج ممکن ہوا۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی مملکت سے نہیں نکل سکیں گے۔ وہ جہاں بھی ہوں گے اور جس حالت میں بھی ہوں گے اللہ ان کی گرفت کرے گا۔

تفسیر کبیر نے ایک صورت یہ بھی لکھی ہے کہ قیامت کے دن جن اور انسان اللہ کے عذاب سے بھاگ نکلنے کا ارادہ کریں گے۔ تو وہ اپنے اردگرد میدانِ حشر میں فرشتوں کو صف بستہ پائیں گے۔ جو ان پہ احاطہ کیے ہوئے ہونگے اور وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بھاگ سکیں گے۔ لیکن امام رازیؒ نے اس عبارت کے آخر میں لکھا ہے۔

(۶) والاولی ما ذکرنا انہ عام بمعنی لا مھرب ولا مخرج لکم عن ملک اللہ تعالیٰ وانیما تولیتم فثم ملک اللہ وانیما تکونوا اتاکم حکم اللہ (تفسیر کبیر جلد ۸ صـ۲۲)

ترجمہ: اور بہتر وہی قول ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ کہ یہ آیت عام ہے۔ جسکے

معنی یہ ہیں۔ کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی مملکت سے بھاگ نکلنے کی جگہ نہیں ہے اور تم جس طرف بھی رُخ کرو گے وہاں اللہ کی مملکت ہو گی۔ اور تم جہاں بھی ہوگے وہاں اللہ تعالیٰ کا حکم تمہیں پہنچ کر ہی رہے گا۔

تفسیر کبیر نے آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے۔

(۷) وان نفذتم ما نفذتم الا ومعکم سلطان اللہ کما یقال خرج القوم باھلھم ای معھم (جلد ۸ صـ۲۲)

ترجمہ :۔ اور اگر تم زمین و آسمان کی حدود سے نکل بھی گئے تو تم نہیں نکلے۔ مگر اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت تمہارے ساتھ ہوگی۔ امام رازی کے نزدیک اِلَّا بِسُلْطَانٍ میں لفظ " باء " " مع " (ساتھ) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور اس پر محاورۂ عرب سے مثال بھی دی ہے۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ انسان زمین اور آسمان کی حدود سے نکل تو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی سلطنت ہر حال میں اس کے ساتھ ہی ہوگی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی حکومت اور قدرت کے احاطے سے کسی حالت میں بھی باہر نہیں نکل سکے گا۔

" اس ضمن میں یہاں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا اللہ تعالیٰ کی لامحدود حکومت اور مملکت کے بارے میں وہ قول نقل کیا جاتا ہے۔ جو انہوں نے " وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ " کی تفسیر میں لکھا ہے فرماتے ہیں۔

" اس جملہ میں یہ بتلایا۔ کہ حق تعالیٰ کی حاکمیت اور مالکیت آسمانوں اور زمینوں سے بھی متجاوز ہے۔ جہاں تک بندوں کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچتا۔"

(ماہنامہ انوار العلوم مطابق جون ۸۸ء)

تسخیر خلاء کی پیشگوئی

امام رازی نے تفسیر کبیر میں مذکورۃ الصدر عبارات کے آخر میں نہایت وضاحت کے ساتھ اصل مقصد کی نشاندہی کی ہے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اس سلسلے میں صریح پیشگوئی کی ہے۔ تفسیر کبیر کی درج ذیل عبارت خوب غور و توجہ سے ملاحظہ کیجئے۔

(۸) ثم هب انك تنفذ من اقطار السمٰوٰت والارض فاعلم انك لا تنفذ الا بسلطان تجده خارج السمٰوٰت والارض قاطع دال على وحدانيته (تفسیر کبیر جلد ۸ صـ۲۲)

ترجمہ: پھر میں نے مان لیا۔ کہ بے شک تو زمین اور آسمانوں کی حدود سے باہر نکل جائے گا۔ پس تو سمجھ لے کہ تو باہر نہیں نکل جائے گا۔ مگر اللہ تعالےٰ کی سلطنت کے ساتھ ہی جسے تو آسمانوں اور زمین کے باہر پائے گا اور آسمانوں اور زمین کے باہر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت کا ہونا اس کی وحدانیت پر ایک قطعی اور یقینی دلیل ہے۔

تفسیر کبیر کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام رازی نے متذکرہ آیت کے ذیل میں اپنی مومنانہ فراست سے پیشگوئی کی ہے کہ ایک ایسا وقت آسکتا ہے۔ کہ انسان کائنات کے اندر ایک ایسے مقام پر پہنچ جائیگا جس پر نہ حقیقی آسمانوں کا اطلاق ہو سکے گا۔ اور نہ وہ مقام زمین کی حدود کے اندر ہوگا۔ غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقام زمین و آسمان کے درمیان ہوگا۔ اور وہ خلا ہی ہو سکتا ہے اور خلا پر حقیقی معنوں کے لحاظ سے زمین اور آسمان دونوں کا اطلاق نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ میرا وجدان ہے کہ انسان نے خلا اور چاند پہ پہنچ کر امام رازی کی پیشگوئی کو پورا کر لیا۔

انسان کی خدا فراموشی

لیکن افسوس کہ انسان نے چاند پر پہنچ کر بھی اپنی فکر کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف متوجہ نہیں کیا۔ اور نہ وہاں اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا براہِ راست اعتراف و اظہار کیا۔ اور نہ اپنی کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی تائید اور رہنمائی پر محمول کیا۔ انسان کی یہی غفلت اور خدا فراموشی ہے۔ کہ مآلِ کار اس کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔ اور اس حقیقت پر گزشتہ نامور متمدن، اور طاقتور قوموں کی تباہیوں اور بربادیوں کی تاریخ گواہ ہے ؎

بیفشاں جرعۂ بر خاک و حالِ اہلِ شوکت بیں
کہ از جمشید و کیخسرو ہزاراں داستاں دارد

ایک دوسری آیت کریمہ سے استدلال

آسمان کی طرف انسان کے ارتقاء و عروج کے امکان کو سورۂ حجر کی ایک آیت کریمہ میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اور مفسّرین نے واضح الفاظ میں اس کی تائید کی ہے۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے۔

(۹) وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ط۔

(سورۂ حجر)

ترجمہ:۔ ”اور اگر ہم ان کے لیے کوئی دروازہ آسمان میں کھول دیں۔ پھر یہ دن کے وقت اس میں سے چڑھ جائیں۔ تب بھی بس یہی کہیں کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔ بلکہ ہم لوگوں پر تو بالکل جادو ہی کر دیا گیا ہے۔“

اس آیت کریمہ کے مفہوم و مراد کو تفاسیر و قرآن کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔ صاحب مدارک التنزیل اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

(۱۰) او لو فتحنا علیہم بابا من السماء و لو اظھرنا لھم اوضح آیۃ وھو فتح باب من السماء (فظلوا فیہ یعرجون) یصعدون (لقالوا انما سکرت ابصارنا) حیرت او حبست ...... والمعنی ان ھؤلاء المشرکین بلغ من علوھم فی العناد ان لو فتح باب من ابواب السماء و یسر لھم معراج یصعدون فیہ الیھا و رأوا من العیان ما رأوا لقالوا ھو من شئ نتخائلہ لا حقیقۃ لہ۔ (مدارک سورۃ حجر)

ترجمہ:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ اپنی سرکشی میں انتہا کو پہنچ گئے۔ کہ اگر ان کے لیے آسمان کے دروازوں میں سے کوئی ایک دروازہ کھول دیا جائے اور ان کے لیے چڑھنے کے اسباب کو آسان کر دیا جائے۔ اور ان کے ذریعہ سے آسمان کی طرف عروج کریں اور وہاں اپنی آنکھوں سے عجائب قدرت کو دیکھیں تب بھی یہی کہیں کہ یہ ایک خیالی مشاہدہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

تفسیر ابن عباس ؓ نے آیت مذکورہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

(۱۱) (ولو فتحنا علیھم) علی اھل مکۃ (بابا من السماء) یدخلون (فظلوا فیہ) فصاروا فیہ (یعرجون) یصعدون (ینزلون کالملائکۃ (لقالوا) کفار مکۃ (انما سکرت ابصارنا) اخذت اعیننا (بل نحن قوم مسحورون مغلوب العقل قد سحرنا (تفسیر ابن عباس سورۃ حجر)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم کفار مکہ کے لیے آسمان کے دروازوں میں سے کوئی ایک دروازہ کھول دیں۔ جس میں داخل ہو کر یہ فرشتوں کی طرح اوپر نیچے چڑھتے اترتے

رہیں۔ تب بھی کہیں کہ ہماری نظر سلب کرلی گئی ہے۔ اور ہم مغلوب العقل ہیں اور ہم پر جادو کردیا گیا ہے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

(۱۲) (ولو فتحنا علیھم) قال ابن عباس لو ظل المشرکون یصعدون فی تلک المعارج وینظرون الی ملکوت اللہ تعالیٰ وقدرتہ وسلطانہ والی عبادۃ الملائکۃ الذین ھم من خشیتہ مشفقون لشکّوا فی تلک الرویۃ ولبقوا مصرّین علی کفرھم وجھلھم کما جحدوا سائر المعجزات۔

(کبیر جلد ۵ صـ۲۲۱)

ترجمہ :۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ اگر مشرکین آلات عروج کے ذریعے اوپر چڑھ جائیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور قدرت وعظمت کا مشاہدہ کریں اور فرشتوں کی عبادت کو دیکھیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے لرزاں ہیں۔ تب بھی ان مشاہدات میں شک کریں اور اپنے انکار وجہالت پر قائم رہیں۔ جیسا کہ انہوں نے تمام معجزات کا انکار کیا

آلات کے ذریعے عروج آسمانی کی واضح ترین دلیل

اب آخر میں تفسیر روح البیان کی عبارت پیش کی جاتی ہے۔ جو اس باب میں واضح ترین رہنمائی کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو عبارت ذیل

(۱۳) (ولو فتحنا علیھم) ای علی ھولاء المقترحین المعاندین لو نأتینا بالملائکۃ (بابا من السماء) ای بابا لا بابا من ابوابھا المعھودۃ کما قیل وبیّنا لھم الرقیّ والصعود الیہ (فظلوا فیہ) ای فی ذلک الباب (یعرجون) یصعدون بآلۃ او بغیرھا ویرون ما فیھا من العجائب عیانا (الی

ان قالو) (لقالو) لغاية عنادھم وتشکیکھم فی الحق انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون (روح البیان جلد ۳ صفہ ۳۴ وصفہ ۲۴۱)

ترجمہ: اور اگر ہم ان منکرین و معاندین کے لیے آسمان کے معہودہ دروازوں کے بغیر کوئی اور دروازہ کھول دیں - اور ان کے لیے اوپر چڑھنے کو آسان بنا دیں اور یہ دن کے وقت اسی دروازے میں آلات کے ذریعے یا آلات کے بغیر اوپر چڑھ جائیں - اور وہاں کھلم کھلا عجائب قدرت کو دیکھیں تب بھی اپنی انتہائی سرکشی اور حق میں اپنی تشکیک کی وجہ سے یہی کہیں - کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے - یعنی حق کا اعتراف و اعلان نہیں کریں گے -

تکوینی استعداد اور آلات

سطور بالا میں متعدد تفاسیر قرآن سے آیات کریمہ کی تشریحات پیش کی گئیں آیت کریمہ کے خود اپنے الفاظ سے اور پھر اس کی مستند تشریحات سے واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہوا - تو وہ انسان کے لیے آسمان کی طرف چڑھنے کو آسان بنا دے - تفسیر روح البیان نے صاف لکھا ہے کہ آسمان کی طرف انسان کا یہ عروج دو طریقوں سے ہو سکتا ہے - ایک آلات کے ذریعے اور دوسرے آلات کے بغیر یعنی معجزے اور کرامت سے آلات میں تکوینی استعداد بھی شامل ہے - مثلاً ملائکہ کو ساتوں آسمانوں میں چڑھنے اور وہاں سے زمین پر اترنے کی مکمل استعداد دی گئی ہے - اسی طرح جنات کو بھی آسمانوں تک چڑھنے کی استعداد دی گئی ہے - چنانچہ سورۃ جن کی ایک آیت سے یہ صاف طور پر ثابت ہے - لیکن انسان کو مادی آلات و اسباب کے ذریعے

اوپر چڑھنے کی استعداد عطا فرمائی گئی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ دنیا کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے ہی سے ہوتا ہے۔ اسی عقیدے کے تحت ہم کہتے ہیں کہ سائنس نے جو انکشافات کئے ہیں۔ اور سائنس کی دنیا میں انسان نے جو حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ کی مشیت اور ارادے ہی کی رہین منت ہیں۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تفسیر روح البیان نے معہودہ آیت کے ذیل میں یہ صاف تصریح کر دی ہے کہ انسان کے لیے آلات کے ذریعے آسمان کی طرف عروج کرنا ممکن ہے۔ یا موجودہ سائنسی اصطلاح میں ہم یوں کہیں گے۔ کہ از روئے قرآن انسان کے لیے خلائی پرواز یا خلاء کی تسخیر ممکن ہے اور اب سائنسی آلات نے انسان کو خلا میں کرۂ ماہتاب تک پہنچا کر قرآن حکیم کی متذکرہ آیت کریمہ کے مفہوم و مدلول پر مہر تصدیق لگا دی۔ اور اس سے قرآن حکیم ہی کا اعجاز ثابت ہوا۔ سائنس کو قرآن حکیم کا ممنون ہونا چاہیئے جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے سات آسمانوں سے بھی بہت اوپر تک ایک نبی امی محمد عربی فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی کا اعلان کر دیا۔ اور انسانی ارتقاء کا ایک زریں باب کھول دیا۔ اور اسی طرح اس نے انسانی ارتقاء کے بارے میں سائنس کی رہنمائی کی۔

انسانی ارتقاء اور اقرار توحید

معہودہ آیت کریمہ کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے تحت ہی انسان کو ایسے خلائی آلات بنانے کی استعداد میسر ہوئی۔ جس کے تحت اس کے لیے آسمانی پرواز کو ممکن بنا دیا گیا۔ اب یہ انسان کی نیک بختی اور بدبختی پر منحصر ہے کہ وہ آسمانی بلندیوں پر پہنچنے اور وہاں عجائب قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت وجبروت اور اسکی وحدانیت کا کھلم کھلا اعتراف

و اظہار کرنا ہے یا نہیں مشرکین مکہ تو اپنی عداوت و سرکشی میں اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمادیا۔ کہ اگر ہم ان کے لیے آسمان کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھول دیں جس میں وہ اوپر چڑھ جائیں اور وہاں قدرت کی نشانیوں کو بچشم خود دیکھیں۔ تب بھی یہ اقرارِ توحید نہیں کریں گے۔ اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج اللہ تعالیٰ نے امریکہ کے لیے خلا جو مجازاً آسمان ہی ہے کا ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ جہاں پہنچ کر دو امریکی خلا بازوں نے چاند پر قدم رکھا۔ اور وہاں انہوں نے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار نشانیوں کو دیکھا۔ لیکن ان کے بیانات میں ہمیں کہیں بھی اقرارِ توحید اور اعترافِ بندگی کا پتہ نہیں چلا۔ اگرچہ خلا اور چاند تک انسان کی رسائی بہت بڑی کامیابی ہے لیکن بایں ہمہ یہ معیارِ شرافت نہیں ہے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسان کی یہ کامیابی اقرارِ توحید، اعترافِ بندگی اور جذبۂ شکر گزاری سے خالی ہے تو پھر ایک مردِ مومن اور مردِ حق شناس کی نظر میں اس کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

مقدمہ طبع ثانی میں امریکی خلا نورد نیل آرمسٹرانگ کے چاند پر آذان کی آواز سننے اور پھر بعد میں اُن کے قبولِ اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے

کلمہ لَوْ پر بحث

مذکورہ آیت کریمہ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ میں کلمہ لَوْ داخل ہوا ہے۔ میرے ایک دوست نے اس کے بارے میں کہا کہ کلمہ لَوْ امتناع کے لیے ہوتا ہے اور جس جملے پر داخل ہو جائے تو اس کے معنوں میں امکان ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ علمائے نحو کے نزدیک لَوْ امتناع کے لیے نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ جملہ اولیٰ کی نفی کے سبب سے دوسرے جملے کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً عرب کہتے ہیں۔

"لَوْ جَاءَنِیْ زَیْدٌ لَاَکْرَمْتُہٗ"

یعنی اگر زید میرے پاس آتا - تو میں اس کا اکرام کرتا - اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے زید کا اکرام اس لیے نہیں کیا کہ وہ میرے پاس آیا ہی نہیں ہے - اب آپ غور کریں - کہ مذکورہ جملے میں آخر امتناع کی صورت کیسے پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ زید کے آنے میں کوئی امتناع نہیں ہے - باوجودیکہ اس پر کلمہ 'لو' داخل ہوا ہے - قرآن کے اندر بھی کلمہ 'لو' کا استعمال امتناع کے لیے نہیں بلکہ انتفاء ہی کے لیے بکثرت ہوا ہے - اس کی چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں -

(۱) وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

ترجمہ : اور اگر وہ صبر کرتے - یہاں تک کہ آپ ان کے پاس نکل کر آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا -

(۲) وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

ترجمہ :- اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے - تو ان کے لیے بہتر ہوتا -

(۳) قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ

ترجمہ : اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ اگر سارے سمندر روشنائی ہو جائیں میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لیے - تو سمندر ختم ہو جاتا - اور میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی -

آپ ان آیتوں پر غور کریں - ان میں کوئی صورت امتناع کی نہیں ہے اور جیسا کہ -

(۱) صحابہ کرامؓ کے لیے حضورؐ کے انتظار میں صبر کرنا ممتنع نہیں تھا -

(۲) اور نہ اہل کتاب کے لیے ایمان لانا ممتنع تھا -

(۳) اور نہ اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لیے سمندروں کی روشنائی ہو جانے میں

کوئی امتناع ہے۔ اسی طرح میری پیش کردہ آیت کریمہ:
"وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ" کے معنوں میں بھی امتناع کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ مفسّرین نے آیت کریمہ کے معنوں میں امکان ہی کی صورتیں بیان کی ہیں۔ فَتَدَبَّرْ

اسباب کی تاثیر کا مسئلہ

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو اسباب سے متعلق کر دیا ہے اور اسباب میں تاثیر رکھ دی ہے۔ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ بیشک اسباب و علل پر مسبّبات و معلولات مبنی ہیں۔ لیکن علت حقیقی قدرت و مشیت ہے۔ علامہ سلیمان ندویؒ نے سیرت النبیؐ کی جلد سوم میں معجزات کی بحث میں اسباب و علل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ

"قرآن مجید اسباب و علل، مصالح و حِکَم اور طبائع و خواص کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اِس جماعت کا ساتھ نہیں دیتا جو ان چیزوں کا انکار کرتی ہے اور یہ جانتی ہے کہ ان چیزوں کے تسلیم کرنے سے قدرت و مشیت الٰہی کے عقیدے کا ابطال لازم آتا ہے۔ حالانکہ یہ تو اس وقت لازم آتا ہے۔ جب ان اسباب و علل اور طبائع و خواص کو خدا سے مستقل اور مستغنی تسلیم کیا جائے اور قرآن اس کی تعلیم نہیں دیتا۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء اسباب سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور ان میں طبائع و خواص ہیں لیکن یہ اسباب و علل اور طبائع و خواص خود خلّاقِ عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں اور ا ہی یہ عموماً کاربند رہتا ہے لیکن وہ اس درجہ ان کا مجبور اور پابند نہیں۔ کہ وہ ان میں تغیر نہ کر سکتا ہو اور کبھی اپنے خاص حکم و ارادہ سے بھی وہ ان کو شکست نہ کر سکتا ہو۔

کیونکہ اس عقیدے سے کفر پرورش پاتا ہے اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آتا ہے۔ اسی لیے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے۔ کہ اسباب وعلل کے ساتھ ساتھ خدا کی مشیت اور ارادہ کو پیش نظر رکھتا ہے تاکہ انسانوں میں خدا کی معذوری، مجبوری اور عدم قدرت کا تصور نہ پیدا ہو۔ اور نہ اس کی مشیت وارادہ پر خود اس کی مشیت وارادہ کے سوا خارجی پابندیاں عائد ہوں۔ (سیرت النبیؐ جلد ۳ صـ۲۷۶)

سلیمان ندویؒ کی اس تقریر سے واضح ہوا کہ اسباب وعلل میں تاثیر موجود ہے لیکن انکی علت حقیقی اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ نہ ہو تو اسباب وعلل بیکار محض ہیں۔ اسی وضاحت کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سائنس نے جن اسباب وآلات سے کام لے کر انسان کو خلا اور قمر پر پہنچایا۔ تو وہ اسی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ اس کا مقتضی ہوا۔ اور اس سے کوئی محال شرعی لازم نہیں آیا۔

علامہ عثمانیؒ کی تقریر بخاری

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تقریر بخاری میں مسئلۂ تقدیر کے ضمن میں یہ بات ثابت کی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی مشیت اور قدرت کاملہ سے ہوتا ہے اور انسان کی قوتیں اور صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور اسی کی مشیت کے تابع ہیں پھر اس کو اپنے نیک اعمال کا نیک بدلہ اور برے اعمال کی سزا اس بناء پر دی جاتی ہے کہ وہ ان اعمال کا ارادہ کرتا ہے اور ان کے ظہور میں اپنے کسب کو شامل کرتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"خالق حقیقی نے انسان کے اندر سمع وبصر وغیرہ حواس وقویٰ کی طرح ایک قوت ارادی اور قدرت بھی رکھ دی ہے۔ گو وہ قوت وقدرت سے غیر مستقلہ ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ اسی کی مشیت کے تابع ہے اسی کی تحریک سے حرکت

کرتی ہے۔ اسی کے ارادے کے مطابق کام کرتی ہے۔ رتی برابر بھی اسکے خلاف نہیں چل سکتی۔ مگر وہ قدرت انسان کے اندر ہے ضرور۔ جس کی بنا پر حرکت ارادیہ (جیسا کہ اپنے ارادے سے ہاتھ کو حرکت دینا) اور حرکت غیر ارادیہ (جیسا کہ رعشہ کی حالت میں ہاتھ کا بے اختیار حرکت کرنا) میں فرق ہوتا ہے۔ اور انسان شجر وحجر سے ممتاز ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ انسان میں کبھی تو بلا واسطہ اس قدرت غیر مستقلہ کا تصرف کرتی ہے۔ جیسا کہ حرکت غیر ارادیہ اور کبھی بواسطہ قدرت غیر مستقلہ کے جیسا کہ حرکت ارادیہ ہیں اور ہر انسان کی فطرت ہے۔ کہ اسی قدرت غیر مستقلہ کی وساطت کے ماتحت جو حرکات وافعال اس سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کو اپنا فعل سمجھتا ہے اور اپنی طرف منسوب کرتا ہے بس اسی کا نام کسب ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ درحقیقت دنیا میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے تصرف واختیار سے ہوتا ہے۔ مگر درمیان میں قدرت غیر مستقلہ کے اقتران وساطت کی وجہ سے انسان اسکو اپنا فعل قرار دیتا ہے اور اسی بنا پر عمل کر کے اثمات سے اس کا قلب ایک طرح رنگ پکڑتا ہے۔ لہٰذا اس پر جزا وسزا بھی مرتب ہوتی ہے۔ ص ۲۳ و ۳۳

علامہ عثمانیؒ کی اس تقریر کی روشنی میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور مشیت مقتضی نہ ہوتی۔ تو انسان کو تسخیر خلا وقمر کے آلات وافعال کو ظہور میں لانے کے لیے اپنی قدرت غیر مستقلہ کے استعمال کا موقعہ نہ ملتا کیونکہ علامہ عثمانیؒ کی تقریر اور علم کلام کے مطابق یہ امر طے شدہ ہے کہ افعال انسانی کے ظہور کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اقتضاء اور پھر درمیان میں انسان کی قدرت غیر مستقلہ کا

اقتران و وساطت چاہیئے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور مشیت کے اقتضا کے تحت ہی انسان اپنی قدرت غیر مستقلہ کے اقتران سے تسخیر خلا و قمر کے آلات و افعال کو ظہور میں لایا۔ اور اس کے ذریعے خلا و قمر تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔

مولانا روم اور اسباب و علل:-

مولانا روم نے بھی اللہ تعالےٰ کے تصرف و اختیار اور اسباب و علل پر اپنی مثنوی میں حکیمانہ روشنی ڈالی ہے۔ وہ بتلاتے ہیں کہ بے شک دنیا کا یہ کارخانہ اسباب و علل کے سہارے چل رہا ہے۔ اور اگر اسباب کی تاثیر اور اللہ تعالیٰ کی عادتِ جاریہ میں یک رنگی اور یکسانی نہ ہوتی تو بنی نوع انسان بلکہ تمام مخلوقات اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کے لیے پہلے ہی سے کوئی تیاری نہ کر سکتیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان تمام اسباب و علل کے حقیقی بنانے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ اور وہ مُسبّب الاسباب اور علت العلل ہیں اس لیے اسباب و علل کے خالقِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو مؤثر حقیقی جاننا چاہیئے۔ عارف رومی نے اس حقیقت کو درج ذیل اشعار میں بڑی خوبی سے ادا کیا ہے ؎

(۱) سنتے بنیاد و اسباب و طُرق
طالبان را زیر ایں ارزق تتق!

اللہ تعالیٰ نے آسمان کے ان نیلے پردوں کے نیچے !!
کام کرنے والوں کے لیے اسباب و علل جاری کر دیتے ہیں۔

(۲) بیشتر احوال بر سنّت رود گاہ قدرت خارقِ سنّت شود

دنیا کے زیادہ تر واقعات انہیں عاداتِ جاریہ کے ماتحت ہوتے ہیں لیکن کبھی

کبھی قدرتِ الٰہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے۔

(۳) اے گرفتارِ سبب بیروں مپر
نیکِ عزل آں مسبّب ظن مبر

اے وہ جو اسباب وعلل کی زنجیروں میں گرفتار ہے حد سے زیادہ نہ اڑ اور یہ خیال نہ کر کہ ان اسباب وعلل کے بتا دینے سے وہ علت العلل اور مسبّب الاسباب بے کار ہو گیا۔

(۴) ہر چہ خواہد او مسبّب آورد!
قدرتِ مطلق سببہا بردرد

وہ حقیقی مسبّب الاسباب جو چاہے کرے
اور اس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے

(۵) لیک اغلب بر سبب راند نفاد
تا ابد از طالبے جستن مراد

لیکن بیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے۔
تاکہ کام کرنے والوں کو اپنے حصولِ مقصد کا راستہ معلوم ہو۔

(۶) چوں سبب نبود چہ رہ جوید مرید
پس سبب در راہ مے آید پدید

اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنے والوں کو راہ کیونکر ملے!
یہی اسباب تو نشانات بن کر نمودار ہوتے ہیں!

(۷) ایں سبب ہا بر نظر ہا پردہ ہاست!
کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست

یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں!

کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی۔

(۸) از مسبّب مے رسد ہر خیر و شر
نیست اسباب و وسائط را اثر

درحقیقت ہر نیک و بد اسی اصلی مسبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے اور اس میں ان درمیانی اسباب و وسائط کو دخل نہیں!

(۹) ہمچنیں آغاز قرآں تا تمام!
رفض اسباب است و علت والسلام

اسی طرح شروع قرآن سے آخر تک قرآن!
اسباب و علل کے مؤثر حقیقی ہونے کا منکر ہے۔

عارف رومی کی ان تصریحات کی روشنی میں تسخیر خلا و قمر کو اس نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اتنا بڑا کام محض اسباب ہی کے ذریعے انسان کیسے انجام دے سکتا ہے۔ بلکہ یہی کہنا چاہیئے کہ مسبب الاسباب اور مؤثر حقیقی کی مشیت سے اور اس کی طرف سے اسباب و آلات میں اثر ڈالنے سے ہی تسخیر خلا وغیرہ مہمات الامور کی انجام دہی پہ انسان قادر ہو سکتا ہے۔ اور شرعاً اس میں کوئی امتناع نہیں ہے۔ بلکہ امکان ہی ہے۔

مفسر روح البیان اور اسباب و آلات

باب ہذا کی ابتدا میں سورۂ حجر سے جو آیت کریمہ پیش کی گئی تھی۔ اس کے ضمن میں تفسیر روح البیان کی عبارت آپ کی نظر سے گزر چکی ہے۔ اس عبارت کے آخر میں حضرت مفسر مولانا شیخ اسماعیل حقی آفندی نے اسباب و آلات کی اہمیت پر بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس عالم

مشاہدات میں اسباب خارجیہ کے مہیا ہونے سے بڑے سے بڑا تصرف کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

(۱۴) والثانی خبیث ساحر ولکل منھما التصرف فی العالم الشھادی بحسب مساعدۃ الاسباب المھیّأۃ فان ساعدتھم الاسباب الخارجیۃ استولوا علی اھل العالم کالفراعنۃ من السحرۃ وان لم تساعدھم لیس لھم کذلک الا بقدر قوت اشتغالھم باسبابھم الخاصۃ۔

(تفسیر روح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۴۰-۲۴۱)

ترجمہ: اور دوسرا خبیث ساحر ہے جن میں ہر ایک کو اس عالم مشاہدات میں خارجی اسباب و آلات کے ذریعے تصرف حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر اسباب خارجیہ ان کے ساتھ موافقت کریں تو وہ اہل عالم پر غلبہ و استیلا حاصل کر سکتے ہیں۔ جیساکہ مصر کے فراعنہ کو مادی اسباب و آلات کے ذریعے اہل عالم پر غلبہ حاصل ہوا تھا۔ اور اگر یہ اسباب و آلات ان کے ساتھ موافقت نہ کریں تو ان کو یہ غلبہ بھی حاصل نہ ہوگا۔ وہ اپنی قوت کے مطابق جس قدر اسباب و آلات مہیا کریں گے ان کے بقدر ان کو غلبہ بھی حاصل ہوگا۔

صاحب روح البیان کی اس عبارت کے پیش نظر اب اس امر میں کوئی خفا اور اشتباہ نہیں رہا۔ کہ اگر انسان تسخیر خلا ایسے عظیم کام کی انجام دہی کے لیے اس کے مناسب حال اسباب و آلات مہیا کر سکے تو وہ اس میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

فقہ کا مسئلہ

فقہ کی مشہور کتاب درمختار نے "کتاب الایمان" میں ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آسمان

پر چڑھنا حقیقتاً ممکن ہے مسئلہ یہ ہے۔

(۱۵) و فی خلفه واللّٰه لیصعدنّ السماء اولیقلبنّ الحجر ذهباً حنث للحال لامکان البر حقیقة ثم یحنث للعجز عادة ولو وقت الیمین لم یحنث مالم ذلک الوقت۔ (درمختار برہامش شامی جلد ۳ ص۱۱)

ترجمہ: اور اگر آدمی خدا کی قسم کھا کر یہ کہے کہ میں آسمان پر چڑھ جاؤنگا یا اس پتھر کو سونے میں تبدیل کر دوں گا۔ تو فی الحال حانث ہوا یعنی قسم کا کفارہ اس پر واجب ہوا اور یہ اس لیے کہ قسم کو سچا ثابت کرنیکا امکان حقیقتاً موجود ہے لیکن عادتاً وہ ایسا کرنے سے قاصر ہے اس لیے فی الحال حانث ہو جاتا ہے اور اگر اپنی اس قسم کو کسی وقت خاص پر متعین کر دیا۔ مثلاً قسم کھالی کہ میں آئندہ عیدالفطر کے دن آسمان پر چڑھ جاؤنگا تو حانث نہیں ہوتا جب تک کہ عیدالفطر کا دن نہ گزر جائے کیونکہ اسکو امکان ہے کہ وہ عیدالفطر سے پہلے آسمان پر چڑھ سکے ردالمحتار معروف بہ شامی نے اس مسئلے کی مزید تشریح کرتے ہوتے لکھا ہے۔

(۱۶) ولیس منها قوله لاصعدن السماء فان الیمین فیها منعقدة ویحنث عقیبها لان صعود السماء امر ممکن فی نفسه وقد وقع لبعض الانبیاء وللملائکة وغیرهم ولکنه یحنث عقب الیمین او فی آخر الوقت فی الموقتة لتحقیق الیاس عادة (رد المختار جلد ۲ ص۵۴۰)

ترجمہ: اور اس کا یہ قسم کھانا کہ میں آسمان پر چڑھ جاؤں گا تو اس کے اس قول میں قسم نافذ ہے اور قسم کے بعد اس پر کفارۂ قسم واجب ہو جاتا ہے کیونکہ آسمان پر چڑھنا درحقیقت ایک ممکن امر ہے اور یہ عروج بعض انبیاء علیہم السلام فرشتوں

اوران کے علاوہ اوروں کو بھی حاصل ہوا ہے۔ لیکن قسم کے بعد یا اگر قسم کے لیے وقت معین کیا ہو تو اس وقت کے آخری حصہ میں اس پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے کہ عادتاً ایسا واقع ہونے سے مایوسی پائی جاتی ہے۔ فقہ کے اس مسئلے کی روشنی میں انسان کے لیے آسمان تک چڑھنا حقیقتاً ممکن ہے۔ چاہے یہ کام کرامت کے ذریعے ہو یا آلات کے ذریعے ہو۔ جب اس مسئلے میں آسمان تک چڑھنے کو حقیقتاً ممکن بنایا گیا ہے۔ تو خلا تک جو آسمان سے بہت نیچے ہے۔ انسان کی رسائی بدرجہ اولیٰ ممکن ہوئی۔

ایک اشکال اور اُس کا جواب

یہاں یہ واضح رہے کہ آسمان تک چڑھنا اور بات ہے اور آسمان میں داخل ہونا اور بات ہے۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ کفار کے لیے آسمان کے حقیقی دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ لیکن ان کے آسمان تک جانے پر از روئے قرآن کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ دیکھیے شیاطین بھی کافر ہیں۔ لیکن از روئے قرآن ثابت ہے کہ وہ آسمان تک آتے جاتے ہیں۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں "رُجُوماً لِلشَّیَاطِیْنِ" کے ذیل میں شیاطین کے آسمان تک چڑھنے پر ایک اعتراض وارد کیا ہے۔ اور پھر خود اس کا جواب بھی دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

(۱۷) (تاسعها) لم لم يمنعهم الله ابتداء من الصعود الى السماء حتى لا يحتاج فى دفعهم عند السماء الى هذه الشهب (والجواب عن سوال التاسع) انه تعالىٰ يفعل ما يشاء ويحكم ما يريد۔

(جلد ۸ صفحہ ۲۷)

ترجمہ: اور نواں سوال یہ ہے کہ شیاطین کو ابتدا میں کیوں آسمان تک چڑھنے

سے نہیں روکا جاتا ہے۔ تاکہ وہاں جاکر پھر انہیں شہابوں کے ذریعے مار بھگانے کی حاجت ہی باقی نہ رہے۔ اور اس سوال کا جواب یہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ وہی کچھ کرتا ہے جس کی وہ مشیت کرے اور وہی حکم کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرے۔

امام رازی کے اس سوال وجواب سے واضح ہوا۔ کہ آسمان تک شیاطین کے جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیّت اور ارادہ ہی ہے تو انسان خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ بہرحال شیاطین سے افضل ہے (اس موقع پر میں علمِ کلام کی اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا ہوں کہ تفضیل بشر اور تفضیل ملائکہ کے درمیان جو تفضیل ہے وہ بیان کروں) تو پھر اس کے آسمان تک جانے کو کیوں ممنوع تصور کیا جاتے۔

سائنسی ترقیوں کے باوجود انسان کی بے بسی

واضح رہے کہ تمام ستارے اور سیارے آسمان سے بہت نیچے واقع ہیں۔ اور آسمان تمام اجرامِ فلکی کے اوپر اتنی بلندیوں پر واقع ہیں۔ کہ انسان تیز ترین خلائی راکٹوں کے ذریعے کھربوں سالوں میں بھی آسمانوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس حقیقت پر خود سائنسدانوں کے وہ بیانات گواہ ہیں جو رسالہ ہٰذا کے باب اوّل میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اور جن میں کہا گیا ہے کہ بیس کھرب میل نوری سال کے فاصلے پر خلا میں واقع اجرامِ فلکی بڑی سے بڑی دُوربینوں کے ذریعے بھی نظر نہیں آسکتے اور ہم کہتے ہیں کہ ساتوں آسمان تمام اجرامِ فلکی کے اوپر ہیں جس کے قرآنی اور تفسیری دلائل گزشتہ صفحات میں بیان کئے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ خلا کے جس حصّے تک انسان کی رسائی ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت باقی ماندہ خلا، اجرامِ فلکی اور آسمانوں کی لامحدود وسعتوں اور بلندیوں

کے مقابلے میں بالکل ایسی ہے ۔ جیسے ایک قطرہ کی حیثیت سمندر کے مقابلے میں ہو سکتی ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ آسمان تک انسان کے جانے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے۔ لیکن اس کے لیے تیز ترین راکٹوں کے علاوہ انسان کو کھربوں سال عمر بھی چاہیئے ۔ اور یہ اس کے بس کی بات نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کو اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرتِ کاملہ اور اس کے مقابلے میں اپنی بے مائگی اور عجز و بیچارگی کا مجبوراً اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے ۔ جیسے کہ بہت سے سائنسدانوں نے اپنے بیانات میں اس قسم کے اعتراضات کر لیے ہیں۔

قرآن میں زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور ان کے فوائد کی طرف انسان کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ۔

(۸) اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ

ترجمہ :۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور رات دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں ۔ (بالخصوص) ان کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے ہیں ۔ کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر (لیٹے ہوئے) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے اور (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ عبث نہیں بنائے۔ تو عیبوں سے پاک ہے ۔ سو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا ۔

مردِ حق بین و حق شناس کی یہی پکار ہوتی ہے۔ جب وہ حقائقِ کائنات پر غور کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کاملہ اور عظمت و جبروت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرنے لگے پھر اس غالب و جبار کے مقابلے میں اپنی

حقیر ہستی کا احساس کرے تو بیساختہ اس کی زبان سے یہی نکلتا ہے۔ ع
باوجودت زِمن آواز نیاید کہ منم

باب چہارم

سورج اور چاند زمین و آسمان کے درمیان ہیں

قرآن کتاب الٰہی ہے۔ اور یہ کائنات بھی اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ ہے اِس لیے قرآن کی تعلیمات کائنات کے حقائق کے خلاف نہیں ہو سکتیں سائنس نے آج اس حقیقت کو دریافت کر لیا ہے کہ سورج، چاند، تمام ستارے سیارے اور سیارچے خلا ہی میں واقع ہیں۔ اور سیارے خلا ہی میں گردش کرتے ہیں لیکن قرآن پاک کی روشنی میں ہمارے بزرگانِ سلف اور معتمد مفسرینِ قرآن نے سائنس کے انکشافات سے پہلے اس حقیقت کی نشاندہی کی تھی کہ سورج، چاند، تمام ستارے سیّارے اور بروج سب کے سب زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ اور تمام سیارے زمین و آسمان کے درمیان ہی اپنے اپنے مدار پر حرکت کرتے ہیں۔ اِس باب میں اسلامی دلائل سے یہ ثابت کیا جائے گا۔ کہ سورج اور چاند زمین و آسمان کے درمیان معلّق اور متحرّک ہیں۔ اگلے باب میں ستاروں سیاروں اور بروج کے زمین و آسمان کے درمیان لٹکنے کے بارے میں اسلامی دلائل سے تفصیلی بحث کی جائے گی۔

تفسیر ابن عباس رضؓ نے آیت کریمہ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ط کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

(۱) (وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا) سكنا للخلق (والشَّمْسَ وَالْقَمَرَ) يعنی خلق الشمس والقمر (حُسْبَانًا) منازلهما بالحساب ويقال معلقان بين السماء والارض يدوران بالدوران)

(تفسیر ابن عباس سورہ انعام ص ۹۲)

ترجمہ: اور اللہ نے رات کو لوگوں کے لیے باعث آرام بنایا ہے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ جن کی منزلیں حساب سے مقرر ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں آسمان اور زمین کے درمیان معلّق ہیں۔ اور اپنے اپنے مدار پر گھومتے رہتے ہیں۔

تفسیر ابن عباس رضؓ کی یہ روایت اتنی واضح ہے کہ اس پر مزید حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ہے۔ اب یہاں تفسیر الدّرالمنثور کی دو روایتیں پیش کی جاتی ہیں۔ اور یہ دونوں روایتوں میں بھی واضح طور پر کہا گیا ہے کہ سورج اور چاند دونوں زمین و آسمان کے درمیان اپنے اپنے فلک یعنی مدار میں مسخّر و معلّق اور متحرّک ہیں۔

(۲) واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وابو الشیخ عن حسان بن عطیہ قال الشمس والقمر والنجوم مسخرة فی فلک بین السماء والارض، (تفسیر الدرالمنثور ص ۲۲۸)

ترجمہ: ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حسان بن عطیہ سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ سورج اور چاند اور ستارے زمین و آسمان کے درمیان اپنے اپنے مدار میں مسخر ہیں۔

(۳) واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن ابن زید رضی اللہ عنہ فی قولہ کُلٌّ فی فلک قال الفلک الذی بین السماء والارض من مجاری النجوم والشمس والقمر فی قولہ یسبحون قال یجرون (الدرالمنثور ص ۳۱۸)

ترجمہ :- ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن زید رضی اللہ عنہ سے کُلٌّ فِی فَلَکٍ کی تفسیر کے بارے میں روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ فلک وہی ہے جو آسمان وزمین کے درمیان ستاروں، سورج اور چاند کے مداروں میں سے ہے اور یَسْبَحُوْنَ کی تفسیر میں انہوں نے کہا کہ وہ حرکت کرتے ہیں۔

تفسیر ابن عباس اور الدر المنثور کی متذکرہ روایات ودلائل کے بعد اب مزید وضاحت کی ضرورت قطعاً باقی نہیں رہی۔ ان روایتوں میں صاف اور واشگاف الفاظ میں کہا گیا ہے۔ کہ فلک سورج، چاند اور ستاروں کا مدار ہے اور یہ مدار زمین وآسمان کے درمیان واقع ہے ؎

گویا نہ وہ زمین ہے نہ وہ آسماں ہے اب

ایک اشکال بعض احباب سورج اور چاند کے آسمان میں ہونے کے لیے سورۂ نوح کی ایک آیت کریمہ پیش کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے چاند کو آسمانوں میں نور اور سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا ہے۔ آیت کریمہ کے الفاظ یہ ہیں۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ط

تفسیر ابن عباس نے اس اشکال کو بالکل رفع کر دیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ فِيهِنَّ، مَعَهُنَّ کے معنوں میں ہے۔ ذیل میں تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱۴) (وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ) مَعَهُنَّ (نُوْرًا) مضیئا (وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا) ضیاءً لبنی آدم (تفسیر ابن عباس ص۳۶۹)

ترجمہ: اور چاند کو آسمان کے ساتھ نور اور سورج کو بنی آدم کے لیے چمکتا چراغ بنایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس تفسیر سے واضح ہوا۔ کہ چاند اور سورج آسمانوں

کے اندر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ آسمانوں کے ساتھ واقع ہیں۔ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ ایک چیز کا کسی چیز کے اندر واقع ہونا اور ایک چیز کا کسی چیز کے ساتھ واقع ہونا بالکل جداگانہ مفہوم رکھتا ہے۔ اس تقریر پر مطلب یہ ہوا کہ چاند آسمانوں کے اندر واقع نہیں ہے۔ بلکہ اس کا وجود آسمانوں سے باہر واقع ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور تفسیر درمنثور کی متذکرہ روایات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ چاند اور سورج دونوں زمین و آسمان کے درمیان معلّق و متحرّک ہیں۔

آپ کو یہ بھی یاد ہوگا۔ کہ گزشتہ صفحات میں " جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ کی تشریح میں صاحب روح المعانی علامہ آلوسی کا قول پیش کیا گیا تھا۔ کہ اس آیت سے چاند کا آسمان میں واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اب اس آیت کے بارے میں تفسیر ابن جریر کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(۵) قال ثنا ابن ثور عن معمر عن قتادہ عن عبدالاعلی عن عمرو انه قال ان الشمس والقمر وجوههما قبل السموٰت واقفيتهما قبل الارض وانا اقرابذالك اية من كتاب الله وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۹ ص ۵۳)

ترجمہ: عمرو سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ سورج اور چاند کا رخ آسمانوں کی طرف ہے اور ان کی پیٹھ زمین کی طرف ہے اور اس پر بطور دلیل قرآن کی یہ آیت پیش کرتا ہوں۔ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔

حضرت عمرؓ کی اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ سورج اور چاند آسمانوں کے اندر واقع نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک ایسے مقام پر ہیں۔ کہ ان کے رُخ کے اوپر ساتوں آسمان ہیں اور ان کی پیٹھ کے نیچے زمین ہے۔ اس روایت کا صاف مطلب یہی ہوا۔ کہ یہ دونوں آسمان اور زمین کے درمیان واقع ہیں۔ بعض

حضرات فرماتے ہیں کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے۔ تو وہ اپنے اس قول کی بنا پر ازراہِ کرم یہ بتائیں۔ کہ چوتھے آسمان میں سورج کے واقع ہونے کی صورت میں پھر اس کا رُخ ساتوں آسمانوں کی طرف اور اس کی پیٹھ زمین کی طرف کیسے ہوئی کیونکہ اس صورت میں تو سورج کا رُخ اوپر تین آسمانوں کی طرف اور اسکی پیٹھ نیچے تین آسمانوں ہی کی طرف ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی مذکورہ روایت صاف بتا رہی ہے کہ سورج اور چاند دونوں کا رُخ ساتوں آسمانوں کی طرف اور انکی پیٹھ زمین کی طرف ہے اور یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ دونوں کا وجود زمین و آسمان کے درمیان تسلیم کیا جائے۔ ؎

وادیم تر از گنج مقصود نشان
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

اس سلسلے میں درمنثور کے حوالے سے حضرت ابن عباس کی یہ روایت بھی ملاحظہ کیجئے

(۶) عن ابن عباس وجعل القمر فیھن نورا قال خلق فیھن حین خلقھن نورا کاھل الارض ولیس فی السماء من ضوئه شیئ۔ (الدر المنثور ص ۲۶۹)

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آسمانوں کو پیدا کیا۔ تو اس وقت ان میں نور بھی پیدا کیا۔ جیسا کہ اہلِ زمین کو پیدا کیا اور آسمان میں چاند کی روشنی سے کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ابن عباس کی اس روایت کے ساتھ سائنس بھی متفق ہے کیونکہ سائنس کے انکشافات کے مطابق چاند سے بعض اجرامِ فلکی کھربوں میل نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اور وہاں تک چاند کی روشنی نہیں پہنچ سکتی اور جمہور اہلِ اسلام اور سلفِ امت کا بھی یہی مسلک ہے کہ ساتوں آسمان تمام ستاروں

اور اجرام فلکی کے اوپر ہیں۔ اور اس صورت میں ان تک چاند کی روشنی نہیں پہنچ سکتی۔

دوسرا اشکال بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چاند کا جسم نورانی ہے اور ایک نورانی جسم تک انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ہم کہتے ہیں کہ چاند کا جسم نورانی نہیں ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ نور سے عارضی روشنی مراد ہے اور ضیاء مستقل روشنی کو کہتے ہیں۔ اس لیے قرآن نے سورج کے لیے ضیاء کا لفظ استعمال کیا ہے کہ اس کی روشنی قائم بالذات ہے اور مستقل ہے اور چاند کے لیے نور کا لفظ استعمال کیا کہ اس کی روشنی عارضی ہے۔ علماء ہیئت نے بھی یہی کہا ہے کہ چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد ہے لیکن ہم یہاں اپنے قول کی تائید میں ایک معتمد مفسر قرآن کا قول پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس کے پیش نظر کسی اشتباہ کا موقع ہی نہ رہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے صاحب روح البیان کا یہ قول ملاحظہ ہو۔

(ان القمر جرم مظلم صیقل یقبل النور فعند المقابلۃ یمتلئ نورا من الشمس بطریق الانعکاس فیقع ذلک الشاع علی الارض روح البیان سلسلہ آیت کریمہ ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا)

ترجمہ: چاند ایک تاریک جسم ہے۔ جو صاف ہے اور روشنی کو قبول کرتا ہے پس یہ جب سورج کے مقابلے میں ہوتا ہے تو سورج کی روشنی سے انعکاس کے طریقے سے بھر جاتا ہے۔ پھر چاند کی یہی شعاع زمین پر پڑتی ہے۔

تفسیر روح البیان کی یہ وضاحت تشفی خاطر کے لیے کافی ہے۔

چاند کے تقدس کا مسئلہ

بعض حضرات کہتے ہیں کہ چاند ایک مقدس جسم ہے۔ اور یہ اس کے تقدس کے منافی ہے کہ انسان اس پر قدم رکھے۔ ہم کہتے ہیں کہ چاند، سورج، زمین اور آسمان سب انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور یہ انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ اور انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اس مضمون کو ایک قطعہ میں بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند!
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرمان

مزید برآں یہ بھی عرض کر دوں کہ چاند کے مقابلے میں زمین افضل ہے۔ لیکن اس فضیلت کے باوجود یہ انسان کے زیر قدم ہے۔ اور انسان کی خدمت میں شب و روز مصروف ہے۔ یہی حال چاند کا بھی ہے کہ وہ ہر وقت انسان کی خدمت میں رواں دواں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سورج اور چاند کی تسخیر کے یہ معنی لیتے ہیں۔ کہ ان دونوں کو انسان کے لیے ذلیل اور تابع کر دیا گیا ہے۔ وَذَلَّلَ لَكُمْ یعنی ان دونوں کو تمہارے لیے ذلیل اور تابع فرمان بنا دیا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر چاند پر انسان کے قدم رکھنے سے اس کے موہوم تقدس میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ البتہ اس سے بھارت اور دوسرے ملکوں کے ان لوگوں کے غلط مذہب پر ضرور اثر پڑا جو چاند کو مقدس سمجھ کر اس کی

پوجا کرتے ہیں۔ اب میں اپنے دعوے کی تائید میں تفسیر روح البیان کا یہ قول پیش کرتا ہوں۔

(۸) والاکثرون علی تفضیل الارض علی السماء لان الانبیاء خلقوا من الارض وعبدوا فیہا ودفنوا فیہا وان الارض دار الخلافۃ ومزرعۃ الاخرۃ وافضل البقاع علی وجہ الارض البقعۃ التی ضمت جسم الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم فی المدینۃ المنورۃ لان الجزء الاصلی من التراب محل قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم بقعۃ الحرام المکی ثم بیت المقدس

(روح البیان انعام جلد ۲ ص ۱۲۴)

ترجمہ:۔ اور اکثر علماء آسمان پر زمین کی فضیلت کے قائل ہیں۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام زمین سے پیدا کیے گئے۔ اور اسی زمین پر عبادت کرتے رہے اور اسی میں دفن ہوتے۔ اور زمین خلافتِ الٰہی کا مقام ہے اور آخرت کے لیے تیاری کی جگہ ہے۔ اور پھر تمام روئے زمین پر بہترین ٹکڑا وہی ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مقدس و معطر پیوست ہے۔ جو مدینہ منورہ میں ہے۔ کیونکہ مٹی کا جزِ اصلی ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محلِ قبر ہے۔ اور اس کے مسجد الحرام اور پھر بیت المقدس کو فضیلت حاصل ہے۔

خلاصۂ کلام

باب ہٰذا کی روایات و دلائل سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) سورج اور چاند زمین و آسمان کے درمیان ہے۔

(۲) سورج اور چاند اپنے اپنے مدار پر حرکت کرتے ہیں۔

(۳) سورج اور چاند کے مدار ہی کو فلک کہتے ہیں اور وہ بھی زمین و آسمان کے درمیان ہی ہے۔

(۴) سورج اور چاند آسمانوں کے اندر نہیں ہیں۔

(۵) چاند کا جسم نورانی نہیں ہے بلکہ وہ ایک تاریک جسم ہے جو سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔

(۶) چاند کو زمین کے مقابلے میں کوئی تقدس حاصل نہیں بلکہ اس سے زمین ہی افضل ہے۔

ان امور کے پیش نظر ان تمام اشکالات اور اعتراضات کا بخوبی ازالہ ہو گیا جو چاند تک انسان کی رسائی پر وارد ہو سکتے تھے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ میرا مدّعا باحسن وجہ ثابت ہوا۔

سورج کی حرکت اور سائنس

سورج کی حرکت قرآن سے ثابت ہے۔ لیکن دوسری طرف جغرافیے کی کتابوں میں ہم پڑھتے آئے ہیں کہ زمین متحرک اور سورج ساکن ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ کہ سورج کی حرکت کے مسئلے پر سائنس قرآن کے خلاف ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سائنس بھی سورج کی حرکت کی قائل ہے۔ اور وہ اس مسئلے میں بھی قرآن مقدس کی تائید کر رہی ہے غالباً یہ غلط فہمی یونانی فلسفی فیثا غورث کے نظریے کی تقلید میں پیدا ہوئی ہے۔ بہر حال میں اس غلط فہمی کو دور کرنے اور سورج کی حرکت کو ثابت کرنے کے لیے یہاں ایک مشہور سائنسدان " این ٹیری وائٹ " کی ستاروں پر لکھی ہوئی کتاب سے چند حوالے پیش کرتا ہوں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ڈاکٹر نذیر احمد نے کیا اور اس کا نام ہے " ستاروں کی باتیں "۔

اس کتاب کے صـ۲۷ پر مرقوم ہے۔

(۱) زمین کی طرح سورج بھی اپنے محور کے گرد گھوم رہا ہے لیکن اس کی رفتار مقابلتاً سست ہے"۔

اور صـ۲۸ پر لکھا ہے۔

(۲) سورج بھی اپنے محور پر گھوم رہا ہے۔ لیکن وہ ہماری زمین کی طرح حرکت نہیں کرتا"

اسی طرح کتاب کے صـ۱۰۷ پر لکھا ہے۔

(۳) چاند زمین کے گرد گھومتا ہے۔ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ اور سورج فضا میں حرکت کر رہا ہے۔ وہ ستاروں کے دھارے میں بہتا چلا جا رہا ہے"۔

اور صـ۱۲۷ پر مرقوم ہے۔

(۴) سورج مع اپنے سیاروں کے تقریباً بیس کروڑ سال میں مجرے (کہکشاں) کا ایک چکر پورا کرتا ہے۔ یہ فاصلہ اس قدر دور ہے کہ جب سے سورج وجود میں آیا ہے۔ اس نے صرف بیس چکر لگائے ہیں"۔

بالا حوالوں سے یہ ثابت ہوا کہ سائنس سورج کی حرکت کو مانتی ہے اور وہ اس میں قرآن مقدس کی مؤید ہے۔

بحمد اللہ قرآن کی تجلیات آفاقی ہیں۔ اور اس کے نور سے کائنات کا ذرہ ذرہ منور ہے۔ ؎

روشن از پرتو رویت نظرے نیست کہ نیست
منت خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست

محکمہ تعلیم سے گزارش

بعض پاکستانی جغرافیے میری نظر سے گزرے ہیں جن میں سورج کے سکون اور عدم حرکت کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی مقام پہ پاکستانی جغرافیوں میں یہ ذکر آگیا ہو۔ تو محکمہ تعلیم سے میری گزارش ہے کہ اس کی اصلاح کر دی جائے تاکہ قرآن کی ایک صداقت جس کی خود سائنس بھی مؤید ہے آشکار و برقرار رہے۔

باب پنجم

تمام ستارے اور برج زمین و آسمان کے درمیان ہیں

گزشتہ صفحات میں ضمناً ذکر آچکا ہے کہ تمام ستارے زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ اس باب میں اس موضوع پر تفصیلی دلائل پیش کئے جا رہے ہیں حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت عطاؒ دونوں سے روایت منقول ہے کہ نجوم وکواکب زمین و آسمان کے درمیان نور کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں۔ اور نور کی یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ سب سے پہلے تفسیر روح البیان سے حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔

(۱) النجوم علی ماروی ابن عباس ما فی قنادیل معلقة بین السماء والارض بسلاسل من نور وتلك السلاسل بایدی ملائكة من نور فاذا مات من فی السموٰت والارض تساقطت تلك الكواكب من ایدیهم لانه مات من یمسكها۔ (روح البیان سورۃ تکویر صفحہ ۶۱۵)

حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت کے مطابق تمام ستارے قندیلوں میں زمین و آسمان کے درمیان نور کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں اور وہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ پھر جب آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق مرجائے گی تو یہ ستارے فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گے۔ کیونکہ جنہوں نے انہیں تھام رکھا تھا وہ مر گئے۔

حضرت ابن عباس رضؓ کی یہ روایت حضرت مولانا قطب الدین مصنف مظاہر حق (شرح مشکوٰۃ) جامع التفاسیر، مولانا شاہ عبدالعزیز رحؒ کی فتح العزیز اور علامہ آلوسی کی روح المعانی نے بھی سورۂ تکویر میں نقل کی ہے۔

امام رازی رحؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں حضرت عطا رضؓ کی روایت نقل کی ہے جو درج ذیل ہے۔

(۲) واذالنجوم انکدرت) قال عطاء و ذالك انها فی قنادیل معلّقه بین السماء والارض بسلاسل من نور و تلك السلاسل فی ایدی الملائكة فاذا مات من فی السماء والارض تساقطت تلك السلاسل من ایدی الملائكة۔ (کبیر سورۃ تکویر جلد ۸ صـ۳۳۸)

ترجمہ : (اور جب ستارے میلے ہو جائیں گے) حضرت عطاء نے کہا کہ ستارے قندیلوں میں زمین و آسمان کے درمیان نور کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں۔ اور یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ پھر جب زمین و آسمان کی تمام مخلوق مرجائے گی تو یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گی۔ (اور ستارے گر کر بکھر جائیں گے)

قنادیل کا اطلاق تمثیلاً ہے

مولانا حسین کاشفی نے اپنی تفسیر حسینی میں تبیان کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

(۳) در تبیان آوردہ کہ کواکب بر مثال قنادیل معلقہ از پیش طاق فلک بسلاسل نور آویختہ اند وآں سلاسل بدست ملائکہ است چوں اہل سماء بمیرند آں سلاسل از دست ایشاں بیفتند و کواکب بر زمین ریزند۔

(تفسیر حسینی سورہ انفطار پارہ ۳۰)

ترجمہ : تبیان میں مذکور ہے کہ ستارے لٹکتی ہوئی قندیلوں کی طرح طاقِ فلک کے سامنے نور کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں۔ اور وہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ پھر جب آسمان والے مر جائیں گے تو وہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گی اور ستارے گر کر بکھر جائیں گے۔

اس روایت میں یہ بات صاف کہی گئی ہے۔ کہ ستارے قندیلوں کے اندر نہیں ہیں۔ بلکہ بر مثال قنادیل معلقہ یعنی لٹکتی ہوئی قندیلوں (فانوسوں) کی طرح زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عطاء کی روایتوں میں فی قنادیل معلقہ سے یہ توہم ہو سکتا تھا۔ کہ یہ ستارے قندیلوں کے اندر ہیں۔ لیکن تفسیر حسینی کی روایت نے اس توہم کا بخوبی ازالہ کر دیا ہے کہ قنادیل

معلقہ سے تشبیہ و تمثیل مراد ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ ستارے فرشتوں کے ہاتھوں میں نظر نہیں آتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ملائکہ کا وجود برحق ہے۔ لیکن جسم لطیف ہونے کی وجہ سے وہ نظر نہیں آتے۔ اور ان کے نظر نہ آنے سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا دیکھئے سائنس بھی کہتی ہے کہ ستارے قوت متجاذبہ یعنی قوت کشش سے قائم ہیں۔ تو یہ قوت کشش بھی نظر آنیوالی چیز نہیں ہے۔ اور اس مقام پر سائنس اور متعلقہ اسلامی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس مقام پر غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ چاہے یہ ستارے قوت متجاذبہ سے خلا میں قائم ہوں یا ملائکہ کے ہاتھوں میں ہوں۔ ان میں سے ہر ایک امر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر عظیم الشان دلیل ہے کہ اس نے زمین و آسمان کے درمیان یا بہ اصطلاح سائنس خلا میں ستاروں کو قائم رکھنے کے لیے مناسب حال انتظام فرمادیا۔ قرآن ہمیں بتارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے مناسب حال خلقت اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں بمصداق "واعطی کل شیء خلقہ ثم ھدیٰ" یعنی ہر چیز کو اس نے مناسب صورت پر پیدا کیا۔ اور پھر اس کو اس کی ضروریات کا الہام کیا۔

تفسیر درمنثور نے ستاروں کے زمین و آسمان کے درمیان ہونے کے بارے میں دو روایتیں نقل کی ہیں۔ جو گزشتہ صفحات میں پیش کی جاچکی ہیں آپ کا حافظہ تازہ کرنے کے لیے ان میں سے ایک روایت یہاں درج کی جاتی ہے۔

(۴) واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وابو الشیخ عن حسان بن عطیہ قال الشمس والقمر والنجوم مسخرۃ فی فلک بین السماء والارض۔ (درمنثور سورہ انبیاء صہ ۳۱۸)

ترجمہ: ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ سورج چاند اور ستارے زمین و آسمان کے درمیان اپنے

اپنے فلک میں مسخر ہیں۔

مذکورہ معتمد روایتوں سے واضح طور پر یہ ثابت ہوا کہ تمام ستارے سورج اور چاند سمیت زمین و آسمان کے درمیان معلق ہیں اور جب کہ حقیقت یہی ہے تو پھر چاند یا دوسرے سیاروں تک انسان کی رسائی پر شرعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کیونکہ انسان آسمانوں میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اور تمام ستارے اور سیارے آسمان سے بہت نیچے ہیں۔ سائنس اور ہیئت بھی یہی کہہ رہی ہے کہ یہ تمام سیارے اور ستارے خلا میں واقع ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خلا زمین و آسمان کے درمیان ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنس نے قرآن ہی کی بتائی ہوئی حقیقت کی تائید کر دی اور اس نے عملاً قرآن ہی کی صداقت پر گواہی دی۔ اللہ اللہ قرآن کی کیا عظیم شان ہے۔ کہ اس کو نازل ہوئے چودہ سو سال گزر گئے۔ لیکن اس کی تعلیمات اب بھی زندہ و تابندہ ہیں۔ کہ موجودہ سائنسی اور ایٹمی دور کے ترقی یافتہ نظریات بھی ان تعلیمات پر سبقت اور فوقیت حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نہ اب تک اس کی شانِ یکتائی و شانِ اعجاز میں سرِ مو کوئی فرق نہیں آیا۔ ؎

کارواں رفتہ و اندازۂ جاہش پیداست
زاں نشانہا کہ بہ ہر راہگذر افتاد است

بروج کی بحث

بروج کے معنی بڑے ستاروں کے ہیں۔ تفسیر حقانی جلد ہشتم میں سورۂ بروج میں برجوں کی کیفیت پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے جس میں صاف کہا گیا ہے۔ کہ

(۱) دراصل آسمان پر برج یا گنبد کچھ نہیں۔ بلکہ اہل ہیئت نے نجوم (ستاروں) کی رفتار و مقام سمجھنے کے لیے۔ آسمان کے بارہ حصے کر لیے ہیں۔ اور ستاروں کے

اجتماع سے جیسی شکل پیدا کی گئی ہے۔ اس کو اسی کے نام سے نامزد کر دیا گیا ہے کہیں بیل کی شکل موجود ہے تو اس کو برج ثور کہتے ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس (صہ۸)

پھر صفحہ ۸۷ پر تفسیر حقانی نے ابن عباس رضؓ و مجاہد وضحاک وحسن وقتادہ و سدی کی متفقہ روایت بھی نقل کی ہے کہ بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ پھر دوسرے اقوال کے مقابلے میں اس کو ترجیح بھی دی ہے۔ چنانچہ "وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ" کی تشریح میں لکھا ہے۔

(۲) اس تقدیر پر یہ معنیٰ ہوئے۔ کہ قسم آسمان روشن ستاروں والے کی اور یہ مذاق عرب العربا سے زیادہ چسپاں ہیں۔ جلد ۸ صہ۸۷

تفسیر در منثور نے بھی سورۃ بروج کے ضمن میں ایک حدیث نقل کرتے ہوئے بروج سے ستاروں ہی کو مراد لیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

(۳) واخرج ابن مردویه عن جابر بن عبد الله ان النبی صلی الله علیه وسلم سئل عن السماء ذات البروج" فقال الکواکب (در منثور صہ۳۳۱)

ترجمہ:۔ ابن مردویہ نے جابر بن عبداللہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت کریمہ "وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ" کے معنے دریافت کئے گئے تو حضورؐ نے فرمایا۔ اس سے مراد کواکب یعنی ستارے ہیں۔

برجوں کی کیفیت

اب میں یہاں آپکی معلومات کیلئے ان بارہ برجوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ بھی بیان کرتا ہوں۔ تاکہ برجوں کے بارے میں آپ کی معلومات اُدھوری نہ رہیں۔ بارہ برجوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حمل (مینڈھے کا بچہ) چونکہ تیئس ۲۳ ستاروں کے باہم ملنے سے مینڈھے کی شکل پیدا ہوگئی ہے جس کا سر مغرب کی طرف اور دم مشرق کی طرف ہے اسلئے ستاروں

کی اس شکل کو حمل کہتے ہیں۔

(۲) ثور (بیل) بتیس[۳۲] ستاروں کے ملنے سے بیل کی صورت نمودار ہوگئی ہے۔ جس کا سر بجانب مشرق اور دم بجانب مغرب ہے اور بھی اس کے ساتھ ستارے ہیں۔ جس کو عین الثور کہتے ہیں۔ اور ثریا بھی جو انگور کے خوشہ کی طرح ہیں۔

(۳) جوزا (دو آدمی ملے ہوئے) اٹھارہ ستاروں کے ملنے سے ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ گویا دو آدمی جُڑے ہوئے ہیں۔

(۴) سرطان (کیکڑہ) فارسی میں اس کو خرچنگ کہتے ہیں۔ نو ستاروں کے ملنے سے یہ صورت پیدا ہوگئی ہے۔

(۵) اسد (شیر) ستائیس[۲۷] ستاروں کے ملنے سے یہ صورت پیدا ہوگئی ہے۔ اور زہرہ ستارہ بھی اس سے تعلق رکھتا ہے۔

(۶) سنبلہ (خوشہ) یہ ایک عورت کے ہاتھ میں معلوم ہوتا ہے۔ جس کا سر اسد کی دم کی طرف ہے اور پاؤں میزان کی طرف اور اس کے ہاتھ کے پاس کہ جس میں یہ خوشہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک ستارہ ہے جس کو عزل سماک کہتے ہیں اور یہ صورت چھبیس[۲۶] ستاروں سے بنی ہے۔

(۷) میزان (ترازو) یہ آٹھ[۸] ستاروں سے بنی ہے۔

(۸) عقرب (بچھو) یہ شکل اکیس[۲۱] ستاروں سے مرکب ہے۔

(۹) قوس (کمان) یہ ایک ایسی شکل ہے کہ آدمی کے ہاتھ میں کمان ہے۔ جس میں تیر لگا ہوا ہے۔ یہ اکیس[۲۱] ستاروں سے مرکب ہے

(۱۰) جدی (بزغالہ یعنی بھیڑیا کا چھوٹا بچہ) یہ اٹھائیس[۲۸] ستاروں سے مرکب ہے سعد (ذابح) جو ایک ستارہ ہے وہ بھی اس سے متعلق ہے۔

(۱۱) دلو (ڈول) یہ ایک مرد کے ہاتھ میں ایک ڈول سا معلوم ہوتا ہے یہ بیالیس

ستاروں سے مرکب ہے۔

(۱۲) حوت (مچھلی) یہ مچھلیاں باہم ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ہ ایک کا منہ دوسری کی طرف ہے۔ یہ چھبیس ستاروں سے مرکب ہے۔

برجوں کی مذکورہ کیفیتوں سے کہیں یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ان کی صورتیں فی الواقع ایسی ہیں۔ نہیں بلکہ ہمیں دیکھنے میں ان کی صورتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں۔ تو ان خیالی صورتوں کو ان کی مناسبت سے الگ الگ نام دیا گیا۔ بہر حال یہ مختلف بروج ستاروں ہی سے بنے ہیں۔ اس لیے بروج سے ستارے مراد ہیں۔

بروج آسمان کے نیچے ہیں

بعض آیتوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا بروج آسمان کے اندر ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح دوسرے تمام ستارے اور سیارے اور آفتاب و ماہتاب زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ اسی طرح یہ بروج والے ستارے بھی زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ کیونکہ مستند روایات اور معتمد حوالوں سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ تمام ستارے زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ لیکن میں آپ کی زیادہ تشفی کے لیے حضرت ابن عباس رضؓ کی وہ روایت بھی پیش کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں۔ جس میں صاف تصریح کی گئی ہے کہ بروج زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ سورۂ بروج کے ضمن میں تفسیر ابن عباس رضؓ کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱) وباسناده عن ابن عباس فی قوله (والسّماءِ ذات البروج) یقول اقسم الله بالسماء ذات البروج و یقال ذات القصور اثنا عشر قصرًا بین السماء والارض یعلم الله ذٰلك

(تفسیر ابن عباس صہ ۳۸۰)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول " والسماء ذات البروج" کی تفسیر میں مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے برجوں والے آسمان کی قسم کھائی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ بارہ تھڑوں والا ہے۔ اور یہ بارہ قصر زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس کی توفیق اور کرم سے میں نے مستند روایات سے پوری شرح و بسط کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ

تمام اجرامِ فلکی زمین و آسمان کے درمیان ہیں

یعنی تمام ستارے، سیارے، برج، سورج اور چاند اور ان کے افلاک سب کے سب زمین و آسمان کے درمیان واقع ہیں۔ جس سے دو باتیں صاف ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ حقیقی ساتوں آسمان تمام اجرامِ فلکی کے اوپر ہیں اور وہ اتنی بلندی پر واقع ہیں۔ کہ ان تک بڑی سے بڑی دُور بینوں کے ذریعے اِنسان کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ وہ اجرامِ فلکی چوبیس[۲۴] کھرب نوری سال کے فاصلے پر ہیں۔ وہ بھی انسان کی نظر سے اوجھل ہیں۔ جیسے کہ سائنسدانوں کے ان بیانات سے ثابت ہے جو باب اول میں خلا اور آسمانوں کی بحث میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی۔ کہ جب تمام اجرامِ فلکی آسمان کے نیچے ہیں۔ تو ان تک انسان کی رسائی پر شرعاً کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ خلا تک انسان کی رسائی شرعاً قابلِ اعتراض ہے۔ بلکہ میں نے بحمداللہ باب سوم میں ناقابلِ انکار دلائل و براہین سے تسخیرِ خلا اور تسخیرِ قمر کے شرعی امکانات پوری شرح و بسط کے ساتھ ثابت کئے ہیں۔ میری ان تصریحات میں بعض لطیف اشارات ہیں۔ جنہیں اہلِ دل ہی محسوس کر سکتے ہیں۔

آں کس است اہلِ بشارت کہ اشارت داند
نکتہا ہست بسے، محرمِ اسرار کجاست

بابِ ششم

سائنس کے انکشافات قرآن کی صداقت پر گواہ ہیں

میرا یہ دعویٰ ہے۔ کہ چاند یا دوسرے سیاروں تک انسان کی رسائی قرآن حکیم کے عین مطابق ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ میں نے گزشتہ ابواب میں اس دعوے کو سلامی دلائل وبراہین سے قطعیت کے ساتھ ثابت کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس نے انسان کو چاند پر پہنچا کر قرآن کی حقانیت اور صداقت ہی کو نمایاں کر دیا ہے۔ اور سائنس دراصل کتابِ فطرت یعنی قرآن حکیم ہی کی خدمت کر رہی ہے۔ بلاشبہ سائنس کے انکشافات قرآن کی صداقت پر گواہ ہیں۔ ان سے قرآن کے بہت سے اسرار کھلے ہیں۔ اور یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جوں جوں سائنس کو ترقی ہوگی اسی نسبت سے قرآنِ حکیم کا علم و حکمت پر مبنی موقف مضبوط ہوتا چلا جائیگا۔ سائنس کے نظریات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک آزمائشی جو ابھی تجربے اور آزمائش کے مراحل سے گزر رہے ہوں۔ اور دوسرے وہ جو دریافت شدہ حقائق پر مبنی ہوں۔ سائنس کے اول الذکر نظریئے غلطی اور صحت دونوں کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن سائنس کے حقائق پر مبنی نظریئے برحق ہوتے ہیں۔ اور قرآن اس کے اس قسم کے نظریات کی کبھی مخالفت نہیں کرتا۔ اور لطیف نکتوں اور اشارات میں حقائق کو دریافت کرنے میں اس کی پوری رہنمائی کرتا ہے۔ اور

ادھر سائنس آئے دن اپنے انکشافات کے ذریعے قرآن حکیم کے پیش کردہ حقائق سے پردہ اٹھا رہی ہے۔ اور اسی کی تعلیمات کو یکے بعد دیگرے عملی صورت میں کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کر رہی ہے۔

قرآن نے خبر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کیا تھا۔ اور ان کا تخت ہوا کے دوش پر سوار ہو کر بعید ترین مسافتوں کو سرعتِ رفتار کے ساتھ طے کیا کرتا تھا۔ سائنس نے ہوائی جہازوں کو ایجاد کر کے قرآن کی اس خبر کی عملی تصدیق کر دی۔ قرآن نے یہ بھی خبر دی تھی کہ تخت بلقیس کو جو مسافت بعید پر واقع تھا۔ آنکھ جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لایا گیا۔ اس کی بھی سائنس نے عملی تصدیق کر دی۔ اور آج تیز رفتار ہوائی جہازوں اور خلائی راکٹوں کے ذریعے سینکڑوں ٹن وزنی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک سرعتِ رفتار کے ساتھ پہنچائی جاتی ہیں۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضورؐ غزوہ موتہ کے موقع پر مدینہ منورہ سے نقشۂ جنگ کو صاف دیکھ رہے تھے۔ اور اس غزوے میں شہید ہونے والے تینوں سپہ سالاروں کو معائنہ فرما رہے تھے۔ اور ان کے یکے بعد دیگرے شہید ہونے کی خبر صحابہ کرامؓ کو دیتے جاتے تھے۔ سائنس نے ٹیلیویژن ایجاد کر کے اس کی بھی تصدیق کر دی۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے ایک جنگ (نہاوند) کے موقع پر جب پہاڑی کی جانب سے مسلمانوں کی حالت خطرے میں دیکھی تو ان کے سپہ سالار ساریہ کو مدینہ منورہ سے آواز دی۔ یا ساریۃَ الجبلَ یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف کا خیال رکھو۔ چنانچہ ساریہ نے آواز سنی اور اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی فوج کو خطرے سے بچا لیا سائنس نے ٹیلیفون، ریڈیو اور لاسلکی ایجاد کر کے اس کے ذریعے ایک جگہ

سے دوسری جگہ پر خواہ وہ کتنی ہی مسافت پر کیوں نہ ہو آواز پہنچانے کا انتظام کیا۔ جس سے حضرت عمرؓ کی روحانی طاقت سے دور دراز مقام پر آواز پہنچانے کی تصدیق ہوئی۔

اسی طرح تسخیر قمر کے سائنسی کارنامے نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کی تصدیق مہیا کی اس سلسلہ میں علامہ اقبال اپنی مومنانہ فراست سے کیا خوب فرما گئے ہیں۔ ؎

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

دراصل سائنس کی ترقی ہمارے لیے قابل فخر ہونی چاہیئے کیونکہ یہ ترقی عقل کی بدولت ہے۔ اور یہ عقل اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے۔ ؎

عیب رنداں مکن اے زاہد پاکیزہ سرشت!
تو چہ دانی کہ پس پردہ چہ خوب است چہ زشت

بابِ ہفتم

وجودِ باری تعالیٰ پر سائنسدانوں کا ایمان

سائنس ایک فنی علم ہے جس کی بنیاد مظاہرِ فطرت، مشاہدات اور تجربات پر ہے۔ اور مذہب کی اساس، الہام وحی اور وجدانی احساسات پر ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ مذہب وحیِ الٰہی اور الہامِ ربّانی کے ذریعے حقائق اشیاء کی تہہ تک پہنچتا ہے۔ اور سائنس حقائق کائنات کی تشریح مشاہدات، تجربات اور مسلمہ اصولوں سے اخذ شدہ نتائج کے ذریعے کرتی ہے۔ اس لیے سائنس اور مذہب میں کوئی تضاد نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ دونوں کا سفر ایک ہی منزل کی طرف ہے البتہ کائنات کے اندر ایسے حقائق بھی موجود ہیں۔ جو عقل حواس اور ادراک انسانی سے ماوراء ہیں۔ اور سائنس اپنے تجربات، مشاہدات اور مسلّمہ اصولوں کے استنباط سے ان کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ لیکن مذہب وحیِ الٰہی اور الہامِ ربّانی کے ذریعے انکا ادراک کرتا ہے اور ان پوشیدہ حقائق اور اسرارِ مخفیہ کا انکشاف کرتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سائنس مذہب سے پیچھے رہ جاتی ہے اور مذہب آگے بڑھ کر کائناتِ انسانی کی مکمل رہنمائی اور رہبری کا فرض انجام دیتا ہے۔

سائنس اُس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتی جو اس کے مشاہدہ اور تجربہ میں نہ آسکے۔ وجودِ باری تعالیٰ انسانی عقل و حواس سے ماوراء ہے۔ اس لیے سائنسدانوں نے اس موضوع پر کم ہی گفتگو کی ہے لیکن جب سائنس دان کائنات کے حقائق پر غور کرتے وقت یہ دیکھتے ہیں کہ کائنات میں ہر جگہ نظم و ترتیب، باقاعدگی اور حکمت و تدبیر کی کارفرمائی نظر آتی ہے چاہے

انسان افلاک کی وسعتوں کا جائزہ لے اور چاہے زمین کی گہرائیوں میں اُتر کر دیکھے یہ حقیقت ہر جگہ یکساں نظر آتی ہے۔ تو لازماً ان کی توجہ کائنات کے خالق اور اس کا انتظام اور تدبیر کرنیوالی منتظم اور مدبر ہستی کی طرف منعطف ہو جاتی ہے۔ اور اس مقام پر پہنچ کر وہ دل کی گہرائیوں میں وجودِ باری تعالےٰ کے جلوے محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اگرچہ تمام سائنسدانوں کو یہ مقامِ بلند تو نصیب نہیں ہوتا لیکن ایسے خوش نصیب سائنسدانوں کی کمی بھی نہیں ہے۔ جنہوں نے بالآخر وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا کھلم کھلا اعتراف کر ہی لیا ہے۔ ذیل میں ایسے خوش نصیب سائنسدانوں کے بیانات کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ اقتباسات یورپ میں چھپنے والی " خدا موجود ہے " نامی کتاب سے لیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں چالیس ممتاز سائنسدانوں نے اپنے مقالات میں وجودِ باری تعالیٰ اور توحید کے واضح اعترافات کر لیے ہیں۔ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

والٹر آسکر لنڈبرگ (پی - ایچ - ڈی ماہر عضویات وحیاتی کیمیا) اپنے مقالہ زیرِ عنوان " سائنسی طریقِ فکر کو آزمائیے ہوتے " کے آخر میں لکھتے ہیں۔

(۱) انسان کا محدود علم زیادہ سے زیادہ اسے جو کچھ بتا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ حقائق کے بحرِ بیکراں کے کنارے کھڑا ہے۔ ایسے حقائق جن میں نظم و ترتیب و حکمت کارفرما ہے۔ اور جن کے پیچھے مختلف اسباب و علل کام کر رہے ہیں۔ گویا ابھی سائنس نے انسان کو خدا کی عظمت و بزرگی کی ایک ادنیٰ سی جھلک دکھائی ہے۔ انسان چونکہ ابھی عقلی طور پر وجودِ باری اور مظاہرِ فطرت کا بہت محدود سا ادراک کر سکا ہے۔ اس لیے وہ مجبور ہے کہ روحانی اور وجدانی طور پر ہی خدا پر ایمان لائے انسانی زندگی میں خدا کی ذات پر ایمان انسان کے لیے سرمایہ راحت و سکون ہوتا ہے۔

لیکن ایک ایسے سائنسدان کے لیے جو خدا کے وجود پر ایمان رکھتا ہو۔ ہر نیا مشاہدہ اور تجربہ اس کے ایمان میں تازگی اور اس کی روح کو فرحت بخشتا ہے۔ کیونکہ اس کا ہر مشاہدہ اور اس کی ہر تحقیق اس کے سامنے وجودِ باری کی اہمیت و حقیقت کو واضح سے واضح تر کرتی چلی جاتی ہے۔ (صـــ ۱۰۲)

پال کلیرنس ایبرسولڈ (ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی)

"خالقِ کائنات کے وجود پر عالمِ طبعی کی شہادتیں" کے زیرِ عنوان اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:۔

(۲) آج سے تین صدی پہلے ایک انگریز مفکر اور فلسفی فرانسس بیکن نے بڑی گہری حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جب اس نے کہا تھا۔ فلسفے کا مطالعہ انسان کو الحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن اسی فلسفہ کی گہرائیوں میں اُتریئے تو آپ مذہب کے قائل ہو جائیں گے۔ جس وقت سے یہ دنیا قائم ہے۔ لکھوکھا انسانوں نے اس کائنات کی حقیقت پر غور کیا ہے۔ اور ان کے سامنے ایک ہی نوعیت کے سوالات آتے ہیں کہ وہ کونسی حکیم و قوی ذات ہے جو انسان اور اس پوری کائنات پر فرمانروا ہے۔ زندگی کی حقیقت کیا ہے اور انسانی زندگی اور اس کے تجربات و مشاہدات سے ماوراء کیا کچھ ہے؟ اور جب تک یہ دنیا قائم رہے گی ان گنت فلسفی اور حکیم ان سوالات کا حل تلاش کرتے رہیں گے"۔

(۳) انسان نے عقلاً بھی اور روحانی طور پر بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ کہ اس کائنات میں نظم و ترتیب اور حکمت و صناعی کے جو مظاہر سامنے آئے ہیں وہ کسی ایسے حادثہ یا بخت و اتفاق کا کرشمہ نہیں معلوم ہوتے۔ جس کے نتیجے میں بے جان و جامد مادہ اچانک زندگی اور ہمہموں سے بھرپور یہ دنیا کا روپ دھار سکتا

ہو۔ اور یہ چیز کہ انسان عالمگیر طور پر ان حقائق کی دریافت کی خود ضرورت محسوس کرتا ہے جو اس کے فہم و ادراک سے ماورا ہیں۔ بجائے خود اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ایک عقلِ کل اور ایک مدبّر بے مثل اس کارخانۂ رنگ و بو کے پیچھے کارفرما ہے"۔

(۴) خدا کا غیر مبہم اور بے ریب اقرار و یقین خالص عقلی اور سائنٹیفک ثبوت سے حاصل نہیں ہو سکے گا۔ یہ یقین و ایمان اور اپنے اور خدا کے درمیان تعلق کا عرفان مادی علم کے ساتھ ساتھ وجدان و روحانی واردات کے اشتراک و تعاون سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک طرف اس لامحدود کائنات کے مادی وجود کی توجیہات و تاویلات اور دوسری طرف اپنے ذاتی احساسات و مشاہدات اور وارداتِ قلب ان دونوں کو یکجا کرنے کے بعد ان پر غور و فکر مذکورۃ الصدر عرفانِ حق کے لیے راہیں ہموار کر دیتا ہے۔ اگر دنیا کے کروڑوں اصحابِ فہم و ذکا کے ان دلائل اور ان مشاہدات و تجربات کو مرتب کر دیا جائے جن کے ذریعے وہ خدا پر ایمان لانے پر مجبور ہوئے تو نہ صرف یہ دلائل و تجربات انتہائی متنوع اور رنگا رنگ ہوں گے بلکہ ان سے وجودِ باری کا ناقابلِ تردید اثبات ہو جائے گا۔

(۵) سائنس یا بشری قوت استدلال اِس بات کی توجیہہ کرنے سے یکساں قاصر ہیں۔ کہ یہ سالمات، ستارے۔ نظامہائے سیارگان، یہ انسان اور اس کی بے مثل قوتیں اور صلاحیتیں آخر کیوں ہیں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ سائنس اس کائنات کے عمل آفرینش کے بارے میں کوئی بڑا من لگتا نظریہ پیش کر سکتی ہے کہ یہ ستارے یہ نظامہائے شمسی اور یہ انسان اور یہ زندگی کی رونقیں کس طرح وجود میں آگئیں۔ لیکن اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں۔ کہ آخر یہ مادہ و توانائی کہاں سے وجود میں آگئے۔ اور اس کائنات میں یہ نظم اور حسنِ ترتیب کس طرح قائم ہو گیا۔ سلامتِ فکر اور راستئ استدلال کا تقاضا ہے

کہ یہاں آکر انسان خدا کے تصور کو قبول کرے۔"

(۶) ایک بات جسے ہم سب یقیناً محسوس کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ کائنات اور یہ عالمِ انسانیت خود بخود عالمِ وجود میں نہیں آگیا۔ ان کو کسی متعین گھڑی میں وجود بخشا گیا۔ اور وجود بخشنے والی قادر اور علت العلل ہستی ضرور تھی۔ ہم اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ کائنات کا یہ پیچ در پیچ نظام اور اس کے کارفرما قوانین انسانی عقل سے ماورا ہیں۔ اور انسانی زندگی کا وجود بجائے خود کسی مافوق الطبیعات ہستی کی کارفرمائی کا رہینِ منت اور اس کی صناعی کا کرشمہ ہے ـــــ اور وہی ہستی ہے ـــــ وہ روحانی وجود، ذاتِ باری تعالیٰ ہے (از صـ۱۰۳ تا صـ۱۱۱)

مارلن بکس کریدر (ماہرِ عضویات) "آئین سٹائن کی تخلیقی قوت" کے زیرِ عنوان اپنے مقالے میں لکھتے ہیں۔

(۶) میرا ایمان ہے۔ کہ خدا ہے۔ نہ صرف ایک عام انسان کی حیثیت سے بلکہ ایک سائنسدان کی حیثیت سے بھی جس کی ساری عمر سائنس کے مطالعہ و تحقیق میں گزری ہے۔ مجھے خدا کے وجود کے بارے میں ذرّہ برابر بھی کوئی شک و شبہ نہیں"۔

(۷) جہاں تک وجودِ باری کے شواہد کا تعلق ہے۔ اس کا سب سے پہلا ثبوت نظامِ کائنات ہی میں ملتا ہے۔ ایک ایسی کائنات جس میں مختلف فطری قوتیں پوری باضابطگی سے مصروفِ عمل ہیں۔ ہر چیز میں ایسا نظم و ضبط اور باقاعدگی ہے کہ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ کہ یہ نظم و ضبط کسی منتظم کے بغیر بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ باضابطگی اس درجہ ہے کہ سیاروں کی نقل و حرکت اور یہی نہیں بلکہ اب تو انسان کے خلا میں پھینکے ہوتے مصنوعی سیّاروں تک کے بارے میں

پیشگی یہ بتا نا ممکن ہو گیا ہے کہ وہ کس وقت کہاں ہوں گے"۔

(۸) ہم جیسے فانی انسانوں کی عقل و فہم کی رسائی اتنی محدود ہے جس کی طرف میں نے اپنے اِس مختصر مضمون میں اجمالی اشارے کئے ہیں۔ بھلائی اِسی میں ہے کہ ہم اپنی اس محدود عقل و فہم پر اتنا انحصار نہ کریں کہ جو چیز ہمارے فہم و ادراک میں آئے اسے تو ہم معقول قرار دیں اور جہاں ہمارے فہم و ادراک کی رسائی نہ ہوتی ہو۔ اسے نا قابل یقین اور غیر معقول قرار دے کر اس سے انکار کر بیٹھیں۔ میرا تو یہی عقیدہ اور یہی ایمان ہے۔ اور یہ کوئی اندھا عقیدہ نہیں۔ بلکہ میں نے دلیل سے اس کو اپنا لیا ہے"۔ (از صـ۱۱۱ تا صـ۱۲۲)

طوالت کی وجہ سے مزید سائنسدانوں کے بیانات کے اقتباسات پیش نہ کیے جا سکے۔ اور انہی اقتباسات پر اکتفا کیا گیا ؎

تلقین درس اہل نظر یک اشارت است
کردم اشارتے و مکرّر نہ می کنم

باب ہشتم

امریکہ نے چاند پر پہنچ کر انسانیت کی کونسی خدمت کی؟

بے شک ہم یہ مانتے ہیں کہ امریکہ نے انسان کو خلا اور چاند پر پہنچا کر ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اور اس کارنامے نے سائنسی اور ایٹمی سطح پر اسے بڑی طاقتوں پر برتری عطا کی ہے۔ لیکن اس کا ایک دوسرا تاریک پہلو بھی ہے جس پر خالص انسانی نقطۂ نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ ایک طرف امریکہ چاند اور دوسرے سیاروں پر کمند ڈال رہا ہے اور اس پر اربوں ڈالر بے دریغ خرچ کر رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف خود امریکہ کے اندر ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ جو بنیادی انسانی ضروریات تک سے محروم ہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۶ ر جولائی کو چاند پر خلائی جہاز بھیجنے کے عین موقع پر سینکڑوں بے بس اور مجبور لوگوں نے اس کے خلاف مظاہرہ کیا۔ اور مطالبہ کیا کہ خلا کی تسخیر پر قومی دولت ضائع کرنے کی بجائے پہلے امریکہ سے غربت کو ختم کیا جائے۔ غالباً شیخ سعدیؒ نے ایسے موقع کے لیے ہی فرمایا تھا ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی!
کہ با آسمان نیز پر داختی

یا بقول ایک شاعر کے اس مطلب کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

بستیاں چاند ستاروں پہ بنانے والو
کرۂ ارض پر بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ

ہم کہتے ہیں کہ تسخیر خلا اور تسخیر قمر و مریخ سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ انسانی فلاح و بہبود کے لیے اپنے وسائل و ذرائع کو بروئے کار لایا جائے ۔ بلاشبہ سائنس وہ ذرائع بہم پہنچاتی ہے ۔ جو مال و دولت کے اضافہ کا باعث بن سکیں ۔ لیکن ظاہر ہے کہ صرف مال و دولت کے اضافہ سے انسانی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ۔ اس لیے امریکہ اور دوسری تمام انسانی طاقتوں کا یہ انسانی فرض ہے کہ وہ لوگوں میں دولت کی بہتر اور منصفانہ تقسیم کے لیے مفید تدابیر بروئے عمل لائیں ۔ تاکہ اس کے نتیجے میں انسانی تکالیف و مصائب کا خاتمہ ہو سکے ۔ ہم دیکھ رہے ہیں ۔ کہ آج امریکہ اور روس اور دوسری طاقتیں ایک ایسے راستے پر گامزن ہیں ۔ جس سے پوری دنیائے انسانیت شدید خطرات اور تکالیف و مصائب میں مبتلا ہو گئی ہے ۔ اس لیے ہمیں نہ تو اس سے دلچسپی ہو سکتی ہے کہ امریکہ چاند پہ پہنچ گیا اور نہ روس کی خلائی مہموں سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے ۔

قانونِ استدراج

اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک قانون کارفرما ہے جسے استدراج کہتے ہیں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک فرد یا ایک قوم اللہ تعالیٰ سے انتہائی سرکشی اور بغاوت اختیار کر لے ۔ تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بے شمار نعمتوں کا دروازہ کھول دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی آسائشوں اور کامیابیوں میں اتنے مست ہو جاتے ہیں کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ ہماری یہ کامیابیاں اور سرفرازیاں ہمارا ہی حق ہیں اور ہم

ہمیشہ اسی طرح کامیاب و سرفراز رہیں گے۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ کا عذاب دفعتاً پہنچتا ہے۔ اور ان سب نافرمان اور سرکش افراد و اقوام کو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔ یہ نئی بیماری ایڈز کیا ہے خدا کا قہر نہیں؟

امریکہ، روس اور تمام طاقتوں کو ہمارا یہی خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ وہ اپنے سائنسی اور ایٹمی ذرائع کو بنی نوعِ انسان کے مفاد و بہبود کے لیے استعمال کریں تاکہ وہ خود بھی امن و چین سے رہیں اور بنی نوع انسان کو بھی امن و اطمینان کی زندگی میسر ہو سکے۔ ؎

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار
کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

باب نہم

ستاروں کے بارے میں سائنس کے اکتشافات

یہ کائنات کتنی وسیع ہے۔ اس کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ سائنس نے کائنات کی لامحدود وسعتوں اور بلندیوں کے بارے میں دوربین، طیف پیما طیف نگار وغیرہ جدید آلات سے جو نت نئے اکتشافات کئے ہیں ان سے اجرام فلکی، ستاروں، سیّاروں اور دم دار تاروں کے درمیانی فاصلوں، ان کی جسامت، ان کی تابندگی، ان کی پیدائش وغیرہ کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ سائنسدان خود اعتراف کرتے ہیں۔ کہ سائنس کی ان تمام معلومات اور ترقیوں کے باوجود ابھی انسان

کی رسائی اسرارِ کائنات کے مبادیات تک ہی ہو سکی ہے۔ ابھی صرف اسے یہ اندازہ ہی ہوا ہے۔ کہ نجوم و کواکب بے اندازہ اور خلا کی وسعتیں بیکراں ہیں۔ سائنسدانوں کو اعتراف ہے۔ کہ انسان کا محدود علم زیادہ سے زیادہ اسے جو کچھ بتا سکا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ حقائق کے بحرِ بیکراں کے کنارے کھڑا ہے۔

جہاں تک آسمانی فاصلوں یا اجرامِ فلکی کی تعداد کا تعلق ہے اسے عام اعداد و شمار کے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے لیے کروڑ، ارب، کھرب، نیل، پدم، سنکھ اور مہا سنکھ کے الفاظ ناکافی ہیں۔ اس لیے سائنسدانوں نے اجرامِ فلکی کے فاصلوں کے لیے نوری سال کی اصطلاح وضع کی ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔ کہ سورج کی روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔ اِس حساب سے روشنی ایک منٹ، ایک گھنٹہ، ایک دن، ایک ماہ اور ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرے گی۔ اس کو وہ نوری سال سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے جو فاصلہ طے کرتی ہے اس کو کروڑ، ارب اور کھرب وغیرہ اعداد و شمار میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور پھر حیرت اور تعجب یہ ہے کہ آسمانی بلندیوں اور اجرامِ فلکی کے فاصلوں کو ناپنے کے لیے بالآخر نوری سال کی اصطلاح بھی ناکافی ثابت ہو جاتی ہے۔

جب ہم رات کے وقت آسمان پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ستارے ہمیں بہت ہی قریب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقتاً ہم سے کتنے دور ہیں۔ اس کا اندازہ درج ذیل سائنسی انکشافات و معلومات سے ہو سکتا ہے۔

ستاروں کی دوری

ایک مشہور سائنسدان نے این ٹیری وائٹ نے " ستاروں کی باتیں " کے نام سے ستاروں کے بارے میں ایک کتاب شائع کی ہے ۔ جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر نذیر احمد نے کیا ہے ۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۷ پر وہ لکھتے ہیں ۔

(۱) رات کے وقت جو ستارے عین ہمارے سر پہ دکھائی دیتے ہیں ۔ وہ سورج سے ہمیں زیادہ قریب نظر آتے ہیں ۔ لیکن ہمیں معلوم ہے ۔ کہ ایسا صرف دکھائی دیتا ہے ۔ حقیقت میں ستارے سورج سے بے انتہا زیادہ دور ہیں ۔ اسی وجہ سے تو وہ روشنی کے نقطوں کی طرح نظر آتے ہیں ۔ اور سورج قرص یا ٹکیہ کی مانند دکھائی دیتا ہے ۔ یہ نزدیکی کی وجہ سے ہے ۔ کیونکہ سورج ہم سے کافی قریب ہے ۔ وہ گویا ہمارے گھر کا ستارہ ہے ۔ تمام دوسرے سورج جنہیں ہم ستارہ کہتے ہیں ۔ ہم سے اتنے دور ہیں کہ بڑی سے بڑی دوربین کے ذریعے دیکھنے پر بھی روشنی کے نقطے ہی نظر آتے ہیں ۔ وہ ہم سے اتنے دور ہیں ۔ کہ ان میں سے قریب ترین ستارے کی روشنی بھی چار صحیح ایک بٹے تین ½۴ نوری سال میں ہم تک پہنچتی ہے اور یاد رکھنا چاہیئے ۔ کہ کائنات کی تمام چیزوں میں سے روشنی کی رفتار سب سے زیادہ ہے ۔ یہ ایک سیکنڈ میں زمین کے تقریباً آٹھ چکر لگا سکتی ہے ۔ سب سے زیادہ قریبی ستارے کے مقابلے میں سورج کا فاصلہ گویا اتنا ہے ۔ جتنی دور کوئی آدمی گیند پھینکتا ہے ۔ سورج ہم سے اتنا قریب ہے کہ اس کی روشنی ہم تک کچھ اوپر آٹھ منٹ میں پہنچ جاتی ہے (سورج ہم سے ۹ کروڑ ۲۹ لاکھ میل کے فاصلے پر ہے ۔) (ص ۱۸)

سورج کا حجم

(۲) زمین ایک بڑا کرہ ہے جس کا قطر ۷۹۰۰ میل اور خطِ استوا پر محیط ۲۵ ہزار میل ہے لیکن زمین کا بڑا کرہ سورج کے مقابلے میں ایک حقیر سا جسم ہے۔ سورج میں ۱۳ لاکھ زمینیں سما سکتی ہیں۔ (ص ۲۳)

سورج کا قطر ۸ لاکھ ۶۲ ہزار میل ہے۔ اس کی جسامت کتنی بڑی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ کہ سورج ہر لمحے فضا میں چالیس لاکھ ٹن سے زیادہ توانائی خارج کرتا ہے۔ اور سال بھر میں اپنی توانائی کا دس کھرب واں حصہ خرچ کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے حجم اور توانائی میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی اور نہ اس کے فوری طور پر ٹھنڈا ہونے کا خطرہ ہے۔ (ص ۲۴-۲۵)

اسکر لیو براترایم۔ ایس سی۔ پی ایچ۔ ڈی ماہر طبیعات و کیمیا اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں۔

(۳) " سورج کا حجم زمین کے مقابلے میں ۳۲۳۰۰۰ تین لاکھ تیس ہزار گنا زیادہ ہے۔ زمین کا وزن چھ ہزار چھ سو بلین ٹن ہے۔ انگریزی اصطلاح میں ایک بلین سے مراد ایک ہزار ملین یعنی ایک ارب ہے) تو سورج کا وزن کرنے کے لیے کس پیمانے کو استعمال کیا جائے۔ (یہ کہکشاں جو ہمیں نظر آتی ہے اس میں کم از کم ایک بلین (ایک ارب) سورج ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا اوسط حجم ہمارے سورج سے کہیں زیادہ ہے۔ علم ہیئت کے ماہرین نے اس بات کا اندازہ لگایا ہے کہ اس کائنات میں کم از کم ایک لاکھ کہکشاں ہماری کہکشاں کی طرح موجود ہیں۔ یہ شواہد اس حقیقت کے آئینہ

دار ہیں۔ کہ یہ کائنات لاتعداد سماوی اجسام پر مشتمل ہے۔ ان سب کے وزن سے انسانی تصور کانپ اٹھتا ہے۔ آخر یہ بڑے بڑے کرّے کس طرح معرض وجود میں آئے (یہاں تک کہ اس نے کہا) ہم کائنات کے وسیع اور پیچیدہ طلسم پہ ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ جس میں بے شمار سیّارے اور ستارے شامل ہیں۔ اور یہ سب قوانین طبعی کے پابند ہیں۔ تو ہماری عقل یہ باور نہیں کرتی۔ کہ یہ سب کچھ خالق کائنات کے بغیر ہو رہا ہے۔

(بحوالہ "خدا موجود ہے" صفحہ ۱۵۰-۱۵۳)

ستاروں کی تعداد

(۴) ستاروں کی کل تعداد کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں علم نہیں ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ جب ہم اس سے بھی زیادہ طاقتور دوربین بنائیں گے تو ہم بے شمار نئے ستارے دیکھ سکیں گے اس سے ہم یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ ان ستاروں کے علاوہ جنہیں ہم اب دیکھ سکتے ہیں۔ اربوں اور ستارے بھی ہوں گے۔ جب ہم ان تمام ستاروں کی تعداد کے تصوّر کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارا دماغ چکرانے لگتا ہے۔ ہیئت دان مختلف طریقوں سے لوگوں کو ستاروں کی تعداد بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہتا ہے کہ دنیا کے تمام سمندروں کے ساحلوں پر جتنے ریت کے ذرے ہیں۔ ان سے زیادہ آسمان پہ ستارے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ دس لاکھ کتابوں میں جتنے حروف ہوتے ہیں ان سے زیادہ ستارے آسمان پر ہیں۔

(بحوالہ ستاروں کی باتیں صفحہ ۹۴)

ستاروں کے فاصلے

(۵) گھڑی ایک ہزار سال میں کتنی مرتبہ ٹِک ٹِک کرتی ہے۔ یہ عدد بھی اِن میلوں کی تعداد سے کم ہوگا۔ جو ہماری زمین اور ستاروں کے درمیان ہے۔ اس کو بتانے کے لیے اس گھڑی کو دس لاکھ سال چلنا پڑے گا۔ (ص ۹۴)

(ا) سورج کے علاوہ صرف سات ستارے ایسے ہیں جن کا فاصلہ ہم سے دس نوری سال یا چھ سو کھرب میل سے کم ہے۔

(ب) بعض ستاروں کا فاصلہ سینکڑوں نوری سال ہے۔

(ج) بعض ستاروں کا فاصلہ ہزاروں نوری سال ہے۔

(د) بعض ایسے ستارے بھی ہیں جن کا فاصلہ لاکھوں نوری سال ہے (ص ۱۰۱)

ستاروں کی جسامت

(۶) بعض ستارے جسامت میں سورج سے دگنے ہیں۔ بعض ستارے سورج سے دس گنا بڑے ہیں۔ اور بعض ایسے ستارے بھی ہیں۔ جن کی جسامت سورج سے سو گنا بڑی ہے۔ (ص ۱۰۶)

ستاروں کی حرکت

(۷) ستاروں کی حرکت کس رفتار سے ہو رہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ستارے دس ہزار میل سے لے کر ایک لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہے ہیں۔ ہمارا سورج اسی راستہ پر بہت سے ستاروں کو پیچھے چھوڑتا جاتا ہے۔ کیونکہ ہمارا نظامِ شمسی چالیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ

رہا ہے۔ لیکن اطمینان رکھو ہمیں کسی تصادم کا اندیشہ نہیں کیونکہ آسمان میں حرکت کے لیے کافی جگہ ہے۔ آسمان میں حرکت کے کوچے بہت فراخ ہیں۔ جن میں ستاروں کا درمیانی فاصلہ عام طور پر ان کی جسامت سے پانچ کروڑ گنا زیادہ ہوتا ہے۔ (ص ۱۰۷،۸)

سائنسدانوں کے مذکورہ بیانات صرف نمونے کے طور پر پیش کئے گئے ہیں جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ یہ کائنات کتنی وسیع اور لامحدود ہے۔ جس کے تصور سے بقول سائنسدانوں کے انسان کا دماغ چکرانے لگتا ہے۔ مشہور سائنسدان اسکر لیو برائیر کے قول کے مطابق یہ بیشمار سیارے اور ستارے قوانین طبعی کے پابند ہیں۔ تو ہماری عقل یہ باور نہیں کرتی ہے کہ "یہ سب کچھ خالقِ کائنات کے بغیر ہو رہا ہے"۔

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پاکی

باب دہم

ستاروں پر شرعی اور سائنسی نقطہ نظر سے بحث

علامہ مولانا وحید الزمان برصغیر پاک و ہند کے بلند پایہ ممتاز عالم دین اور مشہور محدث و شارح کتب حدیث ہیں۔ ان کو علوم دین کے علاوہ علوم جدیدہ پر کافی عبور حاصل تھا۔ انہوں نے "صحیح مسلم" کی کتاب الایمان

" بَابُ بَيَانِ كُفْرِ مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِالنَّوْءِ"۔ (اس شخص کا کافر ہونا جو کہے کہ پانی تاروں کی گردش سے پڑا) کے ذیل میں ستاروں اور سیاروں پر شرعی اور سائنسی نقطۂ نظر سے ایک مفصل تبصرہ کیا ہے۔ میں موصوف کے اس جامع تبصرے کو آپ کی افادیت کے لیے ذیل میں من و عن پیش کرتا ہوں۔

فائدہ :۔ یعنی تاروں کے پھرنے (گردش) کو اس نعمت (بارش) کی علت قرار دی۔

" اب تک دنیا میں ایسے ضعیف الاعتقاد اور ناسمجھ لوگ موجود ہیں۔ جو ہر شخص کی بھلائی برائی کو اس کے ستارے کی طرف منسوب کرتے ہیں اور قمر اور شمس اور سبعہ سیارہ کی حرکات کو خاص انسان اور آدمیوں کے لیے مفید اور مضر سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بڑے بڑے جسموں کو بیکار پیدا نہیں کیا۔ اور چاند اور سورج کی وجہ سے منجملہ ہزاروں فائدوں کے ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ ان سے نباتات اور حیوانات کی پرورش ہوتی ہے۔ پر یہ تاثیر سب نباتات اور حیوانات پر بطورِ عموم ہے۔ جیسے انگار یا پانی کی تاثیر، انگارا اور پانی کی طرح آفتاب اور چاند کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ کچھ آفتاب یا چاند انسان کی طرح عقل نہیں رکھتے جان کر بعضوں کو نفع پہنچا دے اور بعضوں کو نقصان اور جو اجرام علویہ طاقت ور اور صاحب قوت خیال کرتے ہو تو زمین بیچاری نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ کسی کو نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ حالانکہ بنا بر ہیئت جدیدہ کے زمین اور سیاروں میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ زمانہ سابق میں جب آلات اور دوربینیں ایسی نہ تھیں تو لوگوں نے صرف آنکھوں سے کام لیا

اور جہاں تک ان کی آنکھوں نے کام کیا ۔ وہ یہ تھا ۔ کہ انہوں نے سات ستارے نکالے ۔ اور باقی ثوابت اور چاند اور سورج کو بھی ایک ایک سیارہ خیال کیا اسی طرح پانچ سیارے یعنی عطارد، زہرا، مشتری، مریخ اور زحل اور چونکہ یہ اجسام نہایت بلند اور اونچے اور چمکتے ہوئے نظر آتے ۔ اور ان کے دورات ہمیشہ مختلف منازل میں زمین کے گرد پائے گئے ۔ اس لیے عوام کیا بہت سے خواص فلاسفہ اور حکماء کو بھی یہ خیال گزرا کہ یہ اجسام عقل اور نفس رکھتے ہیں ۔ انہوں نے زمین کے مختلف واقعات اور حادثات کو جن کے اسباب پوشیدہ تھے ۔ ان سیاروں کی طرف منسوب کیا ۔ پھر یہ خیال بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھا کہ صابئین اور کلدانی اور مصری لوگوں نے چاند اور سورج اور سیّاروں کی پرستش شروع کر دی ۔ اور شرک میں گرفتار ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کی روشنی دنیا میں پھیلائی اور یہ اعتقاد مٹنا شروع ہوا ۔ اور حضرتؐ نے صاف فرمایا منجمین جھوٹے ہیں ۔ اور بعد اس کے جب ہیئت کی زیادہ تحقیقات ہوئی ۔ اور بڑے بڑے آلات اور دوربینیں ایجاد ہوئیں تب سے تو اس اعتقاد کی جڑ اکھڑ گئی ۔ سوائے ان ستاروں کے اور کئی سیارے نظامِ شمسی میں معلوم ہوئے جیسے سیریز، پالس، جونو، ڈسٹا اور یورانس اور آفتاب مرکز عالم ٹھہرا اور زمین بھی ان سیاروں کی طرح ایک سیّارہ قرار پائی ۔ اور چاند زمین کے تابع قرار پایا ۔ پھر سارا کارخانہ جو ہزاروں برس سے منجمین نے قائم کیا تھا الٹ پلٹ اور چوپٹ ہو گیا ۔ اور محال ہے کہ مشتری، مریخ، وغیرہ کی تاثیر تو خاص خاص آدمیوں پر ہوتی ہو ۔ اور سیریز، پالس اور یورانس وغیرہ کی نہ ہوتی ہو حالانکہ وہ بھی ان کی طرح سیّارے ہیں ۔ پھر محال ہے کہ زمین پر ہم بستے ہیں اور

وہ بھی ایک سیّارہ ہے۔ اس کی تاثیر ہم پر نہ ہو۔ اور ان سیاروں کی باوصف اس قدر بعد کہ ہمارے اوپر یہ قدرت اور طاقت ہو " دُور کے ڈھول سہانے" زمین بیچاری گھر کی مُرغی ہے۔ اور اس کی قدر اور منزلت نہیں اس کو ہم کھودتے ہیں کوٹتے ہیں۔ مارتے ہیں۔ اس پر چلتے ہیں۔ پاؤں سے روندتے ہیں۔ پھر دور کے تارے چمکتے اور اونچے دیکھ کر مقدس اور پاکیزہ خیال کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ — " ان سیّاروں پر اگر جانا ہوسکے" تو صاف معلوم ہو جاوے کہ بعضے ان میں سے زمین سے بھی میلے اور کیچیلے اور پہاڑ دار ہیں۔ خود چاند میں دُوربین سے اتنے بڑے غار معلوم ہوتے ہیں۔ کہ ہزارہا صدہا میل کی گہرائی ہے۔ معاذ اللہ وہ کیسے مہیب اور تاریک ہونگے اور دُور سے چاند کا وہ حسن ہے کہ معشوق کے منہ کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہی حال ہے انسان کا وہ بغیر غور اور فکر کیے ہوتے اپنے فکر کو میزانِ مقررہ پر جانچتے ہوئے ایک خیال کو جما لیتا ہے۔ اور اس کا پیرو ہو جاتا ہے۔ خیر یہ تارے تو بڑے بڑے اجسام ہیں اور چمکتے اور روشن ہیں۔ خدا کی مار ان لوگوں پر جو پتھروں اور دریاؤں اور پہاڑوں اور درختوں اور جانوروں کو پوجتے ہیں۔ اور ان کو اپنا معبود، مالک اور منصرف خیال کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے ہاتھ سے ایک بے جان پُتلہ مٹی یا تانبے یا چاندی یا سونے کا بنا کر اس کو پوجتے ہیں۔ خدا کو اپنی خواہش کے موافق گھڑ لیتے ہیں۔

" اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ " (کیا تو نہیں دیکھتا ہے۔ اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے) اور بعض جو ان کی نسبت ذرا عاقل ہیں۔ وہ آدمیوں اور جنوں کو پوجتے ہیں اور آدمی کی سی

بے ثبات اور ناپائیدار ہستی کو معاذ اللہ خدا بنا دیتے ہیں ــــــ آدمی کو خدا کا بیٹا یا محبوب خیال کر کے" ــــ اس کو مقدس اور لائق عبادت جانتے ہیں حالانکہ وہ آدمی جب زندہ تھے تو دنیا کی کسی بات میں اور آدمیوں سے ممتاز نہ تھے۔ کھاتے وہ تھے۔ جاگتے سوتے وہ تھے۔ جیسے اور آدمی مرے وہ بھی مر گئے یا مرنے والے ہیں پھر ان کو خدائی سے کیا علاقہ وہ ہماری طرح خدا کی ایک مخلوق ہیں۔ اور اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اب تک سچے خدا کو نہیں پہچانا اور نہ اس کی عظمت اور بڑائی اور تقدس پر غور کیا ورنہ ایسی ناپاک بات کہتے ہوئے ان کو شرم آتی اور وہ سچے خداوند کی بارگاہ میں ایسی بے ادبی نہ کرتے۔ خداوند کریم کی عظمت اس کی مخلوقات میں غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔ زمین اس کی ایک ادنیٰ مخلوق ہے۔ جس کا محیط چوبیس ہزار میل اور قطر قریب آٹھ ہزار میل کے ہے۔ پھر مشتری جو ہمارے نظام شمسی میں ایک سیارہ ہے۔ وہ ہماری اس زمین سے ہزار حصے بڑا ہے۔ اسی طرح زحل زمین سے قریب چھ سو درجے کے بڑا ہے۔ اس کا قطر اناسی ہزار میل ہے اسی طرح اور سیارے کچھ زمین سے بڑے کچھ چھوٹے کچھ زمین کے برابر ہیں ہماری زمین کو ایک چاند روشنی کے لیے عنایت ہوا ہے وہ بھی اس قدر بڑا ہے کہ اس کا قطر دو ہزار میل سے زیادہ ہے۔ اور مشتری کو چار چاند اور زحل کو سات چاند اور یورانس کو چھ چاند بوجہ اس کے کہ آفتاب سے بہت دور ہیں عنایت ہوئے ہیں۔ پھر آفتاب جو ان سب سیاروں کا مرکز ہے اس کی بڑائی اس قدر ہے۔ کہ اکیلا ہماری زمین سے تیرہ لاکھ حصے بڑا ہے۔ اور زمین سے نو کروڑ پچیس لاکھ بُعد رکھتا ہے۔ اگر آفتاب کی قدر کو برابر ایک گھڑے کے سمجھو تو زمین کی قدر ایک مٹر کے برابر ہو گی۔ اگر آفتاب کے قریب سے توپ

چھوڑ دی جائے تو زمین تک اس کا گولہ انیسویں برس میں بھی نہیں پہنچے گا۔
اب یہ سب سیارے اس آفتاب کے گرد پھرتے ہیں۔ اور اس سے گرمی
اور روشنی حاصل کرتے ہیں۔ زمین کی حرکت اس قدر تیز ہے کہ ایک سو بیس گنا
جلد توپ کے گولے سے پھر رہی ہے۔ اور اٹھاون ہزار میل ایک گھنٹے میں
طے کرتی ہے۔ اسی طرح اور تارے بھی اپنے اپنے مدار پر بڑی سرعت اور
تیزی سے گھوم رہے ہیں۔ پھر آفتاب ان سب بڑے بڑے جسموں کو
لیے ہوئے معلوم نہیں کس کے گرد گھوم رہا ہے۔ اب سوا ان سیّاروں کے
خود ہمارے نظام میں بڑے بڑے دُم دار تارے ہیں۔ جن کی عظمت پر خیال
کرنے سے خدا کا خوف دل میں آجاتا ہے۔ ایک دُم دار تارے کی دم
دس کروڑ میل سے بھی زیادہ لمبی حساب کی گئی ہے۔ اور یہ دمدار تارے
ایسے تیز رو ہیں۔ کہ ان کی تیز روی خیال سے باہر ہے۔ یہ آفتاب کے پاس
آتے ہیں اور چکر کھاتے ہیں۔ پھر اپنے کج راستوں میں نہایت جلد چلے جاتے
ہیں۔ ۱۴۵۴ء میں ایک دمدار تارہ ایسا زمین کے نزدیک آگیا تھا۔ کہ چاند
اور زمین کے بیچ میں ہو گیا تھا۔ اور چاند کو نظر سے چھپا دیا تھا وہ دُمدار تارہ جو
۱۷۷۰ء میں نمودار ہوا تھا۔ زمین کے ایسا نزدیک آیا کہ زمین کی قوت جاذبہ نے
اس کے چلنے پر اثر کیا تھا۔ اگر وہ دمدار ستارہ ہماری اس زمین سے رگڑ کھا
کر ایک صدمہ پہنچاتا تو زمین مع تمام سمندروں اور پہاڑوں کے پانی کی ایک
بوند یا پتھر کے ایک ٹکڑے کی طرح کسی زبردست اور بڑے تارے
پر جا پڑتی۔ لیکن وہ اپنی تیز روی سے مشتری کے چاندوں کے بیچ میں
سے ہو کر نکل گیا۔ اگر ان چاندوں میں سے کہ وہ آپ نہایت تیز رو ہیں
کسی کو اس تیز رو دمدار تارے سے ٹکر لگ جاتی ہے تو ایک یا دونوں ٹوٹ جاتے

پر خدا کی نظر اپنی سب مخلوق پر ہے - اور وہ سب کی نگہبانی اور حفاظت کرتا ہے - اب یہ سارا ہمارا نظامِ شمسی مع اپنے سیاروں اور دمدار ستاروں، وغیرہ کے خدا کی اِن مصنوعات کے مقابلے میں جو آسمان پر بکثرت معلوم ہوتی ہیں - بے قدر ہے - اس لیے کہ یہ جو سب تارے صدہا ہزار آسمان پر چمکتے نظر آتے ہیں - ہر ایک ان میں سے بمنزلہ ایک آفتاب کے ہے - اور اسی طور پر ہر ایک کو ان میں سے سیّارے عنایت ہوئے ہیں - پس کیا کیا عجب قدرت خدا کی ہے - رات کو آسمان کی طرف دیکھ کر غور کرو - کہ جتنے ستارے دوربین سے نظر آتے ہیں وہ آٹھ کروڑ ہیں - ان میں سے ایک ایک اس آفتاب کی مانند روشن ہے - اور خیال میں یوں آتا ہے کہ ایک ایک ان میں سے اس آفتاب کے موافق اپنے اپنے جلو میں سیاروں کو رکھتا ہے - اور ان کو گرمی اور روشنی دیتا ہے - اسی لیے شہنشاہ بے پرواہ قادرِ مطلق سچے خداوند کی قدرتِ انسان کے فہم اور ادراک اور قیاس کو پریشان کرتی ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر لحظہ زمین اور دمدار ستاروں اور سیّاروں اور لاکھوں کروڑوں آفتابوں سیّاروں کی حفاظت کرتا ہے اور اپنی بے انتہا قدرت اور اختیار سے ان بے شمار عالموں کو اپنی راہوں پر چلاتا ہے - اور ایک سے دوسرے کو لڑنے اور ٹکر کھانے نہیں دیتا پھر ان ثوابت کا بُعد زمین سے اِس قدر زیادہ ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا - کوئی آدمی ان کے بُعد کا حساب نہیں کر سکتا - ستر لاکھ برس میں جتنی دور توپ کا گولہ جائے گا نزدیک کا ستارہ اس سے بھی زیادہ دُور ہے - پھر کون جستجو کرکے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پا سکتا ہے اور کون خدا کے کمالات کو دریافت کر سکتا ہے - اب ایسے خداوندِ عظیم الشان کے جلال

اور بزرگی کے سامنے انسان کا کیا رتبہ ہے۔ جو اس کی ایک ادنیٰ مخلوق یعنی زمین کا کیڑا ہے اور وہ کس منہ سے خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ یا پہاڑ یا دریا یا چاند یا سورج یا آدمی یا جن یا قبر یا ولی یا نبی کی پرستش کرتا ہے اور اپنے ایسے خداوند عظیم الشان کی طرف اپنے دل کو متوجہ نہیں کرتا۔ اس کو چھوڑ کر اوروں سے مدد چاہتا ہے اور اوروں سے اپنی حاجتیں مانگتا ہے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

باب یازدہم

اللہ تعالیٰ کا لامحدود علم اور لامحدود کائنات

آپ نے گزشتہ صفحات میں کائنات کی لامحدود وسعتوں کے بارے میں سائنس کے انکشافات اور سائنسدانوں کے بیانات پڑھے۔ اور علامہ وحید الزمان کی تقریر بھی آپ کی نظر سے گزری۔ اب میں قرآن عظیم کی روشنی میں کائنات کی وسعتوں اور اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم و معلومات اور اس کی لامحدود قدرت کاملہ اور حکمت پر مختصراً تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) قرآن نے بتایا ہے۔ کہ اللہ نے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا کی ہیں۔ پھر احادیث اور مفسرین قرآن کے اقوال میں یہ ذکر بھی موجود ہے کہ ایک زمین سے دوسری زمین تک پانسو برس کی مسافت ہے۔ اور اسی طرح ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو سال کی مسافت ہے اور ہر زمین اور ہر آسمان کی موٹائی بھی پانسو سال کی مسافت کے برابر ہے اس

حساب سے زمین اسفل سے ساتویں آسمان تک چودہ ہزار سال کی مسافت ہوئی پھر ساتویں آسمان سے عرش تک چھبیس ۲۶ ہزار سال کی مسافت ہے اس حساب سے زمین اسفل سے عرش تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہوئی۔ پھر صحابہ کرامؓ اور مفسرین کے اقوال میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ عرش کے نیچے سے اوپر تک پچاس ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ اس سلسلے میں سورہ معارج کی یہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔ (۲) تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ۔ ترجمہ: پڑھتے ہیں اس (اللہ) کی طرف سے فرشتے اور جبریل امین ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔

تفسیر ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

(۳) حدثنا ابن حمید عن لیث عن مجاھد فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ ط قال منتھٰی امرہ من اسفل الارض الی منتھی امرہ من فوق السمٰوٰت مقدار خمسین الف سنۃ و یوم کان مقدارہ الف سنہ ۔ (تفسیر ابن جریر سورہ معارج ص۳۹)

ترجمہ:۔ حضرت مجاہد نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کے حکم کی انتہا نیچے کی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک پچاس ہزار سال کی ہے۔ اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔

یہاں واضح رہے کہ حدیث میں ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کی مسافت کا جو ذکر آیا ہے۔ وہ متعین نہیں ہے کہ اس سے کون سا متحرک اور کونسی حرکت مراد ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز نے بھی اپنی تفسیر فتح العزیز کے ص۱۲۵ پر یہی بات لکھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "۔ راہ پانصد سالہ کہ

در روایات وارد است متعین نیست کہ راہ کدام متحرک بکدام حرکت مراد است"۔

علمائے محققین نے صاف کہا ہے کہ پانسو سال کا عدد تحدید اور حصر کے لیے نہیں ہے "العدد القلیل لا ینفی عدد الکثیر" تھوڑا عدد زیادہ عدد کی نفی نہیں کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں کے فاصلے اس سے بھی بہت زیادہ اور وسیع ہیں۔ چنانچہ صاحب تفسیر حقانی نے جلد دوم میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" حضرت ابن عباسؓ وغیرہ اکابر سے جو کچھ آسمانوں کے باہمی فاصلہ کی نسبت مروی ہے۔ اور یہ کہ فلاں آسمان چاندی کا اور فلاں آسمان زبرجد کا اور فلاں اس کا اور فلاں اس کا اگر بسند صحیح ثابت ہے تو

"تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر"

پھر اس پر اعتراض بے جا ہے"۔ (حقانی جلد ۲ صہ ۱۴)

مطلب یہ ہوا کہ آسمانوں کے باہمی فاصلے اس سے بھی بہت زیادہ ہیں۔ جو روایات میں مذکور ہیں۔ ابھی آپ کی نظر سے تفسیر ابن جریر کے حوالے سے حضرت مجاہد کا قول گزرا ہے۔ جس میں زمین اسفل سے آسمانوں کے اوپر تک پچاس ہزار سال کی مسافت بیان کی گئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ " وَيَوْمٌ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ " یعنی ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔ اب اگر اس روایت کی تمام عبارت کو اس کے ظاہری اور حقیقی مفہوم پر محمول کیا جائے۔ تو اس ساری عبارت کے یہی معنی ہوتے ہیں۔ کہ فرشتے اور جبرئیل امین نیچے کی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک ایک دن میں چڑھتے ہیں۔ جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے

اب کل مدت کتنی ہوئی ؟ تو اس کا طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ پہلے پچاس ہزار سال کے دن معلوم کئے جائیں۔ اور پھر دنوں کے مجموعے کو ایک ہزار میں ضرب دی جائے تو جو حاصلِ ضرب نکلے وہی مجموعی مسافت ہوگی۔ زمین کے نیچے سے آسمانوں کے اوپر تک اس سے بہت بڑی مدت بنتی ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے تفہیم اور سمجھانا ہی مراد ہے۔ کیونکہ اجرامِ فلکی اور آسمانوں کے حقیقی فاصلے اس سے بھی بہت زیادہ ہیں۔ کہ انسان اس کے تصور سے بھی عاجز اور درماندہ ہے۔

اِدھر سائنس کو بھی اعتراف ہے کہ جو اجرامِ فلکی بیس کھرب نوری سال کے فاصلے پر ہیں۔ وہ ان کو بڑی دُوربینوں کے ذریعے بھی نظر نہیں آسکتے۔ مطلب یہ کہ بعض اجرامِ فلکی تک کھربوں نوری سال کا فاصلہ ہے اور ساتوں آسمان اجرامِ فلکی کے اوپر ہی ہیں۔ اس لیے عمدۃ المفسّرین مولانا عبدالحق حقانی دہلوی نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر حقانی میں وضاحت فرمادی کہ جن روایتوں میں

"آسمانوں کے فاصلوں اور انکی بناوٹ کا ذکر ہے اگر وہ بسندِ صحیح ثابت تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر"۔

مطلب یہ ہوا کہ آسمانوں کے فاصلے لامحدود ہیں۔

(۴) مفسرین نے لکھا ہے کہ ساتوں آسمانوں کے اُوپر کرسی ہے اور وہ آسمانوں اور زمین کے مقابلے میں اتنی بڑی ہے۔ کہ ساتوں آسمان اور زمین اس کے اندر ایک حلقہ (کڑا۔ چھلّا) معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) لیکن پھر بھی کرسی عرش کے مقابلے میں ایسی چھوٹی ہے۔

"کحلقۃٍ ملقاۃٍ فی فلاۃٍ"۔

یعنی جیسے بیابان لق ودق میں ایک حلقہ (کڑا) پڑا ہوتا ہے۔ اب خود خیال کریں۔ کہ عرش کے مقابلے میں کرسی اور پھر کرسی کے نیچے جو ساتوں آسمان وغیرہ ہیں۔ ان کی کیا مقدار ہوگی۔

(۶) تفسیر ابن کثیر نے سورۃ مومنون میں کعب احبار سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تمام آسمان عرش کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کوئی قندیل (فانوس) آسمان وزمین کے درمیان ہو۔ مجاہد کا قول ہے کہ آسمان وزمین بمقابلۂ عرش خداوندی ایسے ہیں جیسے چھلا کسی چٹیل وسیع میدان میں پڑا ہو۔ اور ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ "عرش کی قدر وقیمت اور عظمت کا کوئی بھی بجز اللہ تعالیٰ کے صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔"

(ابن کثیر سورۃ مومنون)

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے۔

(۷) وَمِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلَى الْحُجُبِ السبعة صحاری من نور

یعنی "ساتویں آسمان کے اُوپر نور کے صحرا ہیں۔ اور ان کے بعد سات حجاب (پردے) ہیں۔ اور پھر ان کے بعد کرسی ہے۔"

آپ نے سات آسمانوں اور زمینوں کی وسعت کے بارے میں پڑھا، اب اِس پر غور کریں کہ جنت آسمانوں کے اُوپر ہے۔ اور وہ تمام آسمانوں اور زمین سے وسیع ہے جس پر یہ آیت کریمہ دال ہے۔

(۸) وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔

"یعنی جنّت حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کی چوڑائی زمین وآسمان کے برابر ہے۔" مفسر حقانی نے اِس آیت کریمہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

یہ تمام آسمان وزمین اِس (جنت) کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اس

لئے کہ اس کا چوڑان اِتنا ہے ۔ پھر طول کا کیا ٹھکانا ہے۔ پھر وہ آسمان اور زمین میں کیونکر سما سکے (حقانی جلد ۲ ص ۱۳۸)

تفسیر روح المعانی نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔

(۹) کنایۃ عن غایۃ السعۃ بما ھو فی تصور السامعین۔

ترجمہ: اس میں جنت کی انتہائی وسعت کی طرف اشارہ ہے جتنا تصور اس کی وسعت کے بارے میں سننے والے کر سکتے ہیں۔

ایک حدیث میں کائنات کی لامحدود وسعتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ (۱۰) عرش اعظم کے نیچے ایک ہزار قندیلیں لٹکتی ہیں۔ اور یہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ صرف ایک قندیل میں سمائے ہوئے ہیں۔ باقی قندیلوں میں کیا ہے۔ اِس کا کس کو علم ہو سکتا ہے؟

لامحدود علمِ الٰہی

سطور بالا میں کائنات کی لامحدود وسعتوں کی ایک جھلک دکھائی گئی۔ اب اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے بارے میں کچھ معروضات سنئے اِس بارے میں صرف دو آیات کریمہ پیش کی جاتی ہیں۔

(۱۱) (الف) قل لو کان البحر مدادًا لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمٰت ربی ولو جئنا بمثلہٖ مددًا۔

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر سارے کے سارے روشنائی ہو جائیں میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لیے تو سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی اگرچہ اس کی

مدد کو ہم ایسا ہی اور بھی دریا لائیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر ماجدی میں لکھا ہے۔

" مطلب یہ کہ ساری مخلوق مل کر بھی کلماتِ الٰہی کا احاطہ کرنا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔ سارا سامان تحریر و تسوید ختم ہو جائے گا اور لامتناہی کسی طرح متناہی کی گرفت میں نہ آسکے گا۔ سمندر لاکھ وسیع ہوں۔ بہرحال محدود ہی ہیں۔ صفات لامتناہی و غیر محدود کو کوئی محدود و متناہی ہستی اپنی گرفت میں لا ہی کیوں کر سکتی ہے۔ " البحر" سے مراد کوئی متعین بحر نہیں ہے۔ جنس بحر یا سارے سمندر مراد ہیں۔ " والمراد جنس البحر" (کشاف)

دوسری آیت کریمہ یہ ہے۔

(۱۲-ب) ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمٰت اللہ ط ان اللہ عزیز حکیم ط

ترجمہ: اور اگر وہ جو زمین میں درخت ہیں۔ سب قلمیں ہو جائیں اور دریا سیاہی کے آئیں۔ تو بھی اللہ کی باتیں تمام نہ ہوں۔ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے"۔ صاحبِ تفسیر حقانی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

" یہاں یہ بات بتلانا ہے کہ اس کی قدرت و کبریائی کا حال تو معلوم ہو گیا۔ اب اس کے علم اور دیگر صفات کا حال سنو۔ کہ دنیا بھر کے تمام درختوں کے قلم بنائے جائیں۔ اور سات سمندروں کی سیاہی بنا کر اس کے اوصاف اور معلومات کو لکھا جائے تو وہ کم ہو جائیں گے۔ مگر وہ کلمات کہ جن سے اس کے معلومات اور شیوٗن کو تعبیر کیا جائے ہرگز کم نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ اللہ زبردست ہے۔ اِس کے عجائباتِ قدرت

اس حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ کہ ان کے بعد پھر وہ کچھ اور عجائبات قدرت پیدا نہ کر سکے۔ وہ حکیم ہے۔ کہ کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں۔ نہ اس کے اسرار حکمت کا کوئی احاطہ کر سکتا ہے۔ الغرض بے انتہا علم و قدرت رکھتا ہے۔ اور قلم و دوات متناہی ہے اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ (حقانی جلد ۶ صـ ۶۲)

(۱۳) بخاری شریف میں ہے۔ وقع عصفور علی حرف السفینۃ غمس منقارہ فی البحر فقال الخضر لموسیٰ ما علمك وعلمی وعلم الخلائق فی علم اللہ تعالیٰ الا بمقدار ما غمس هذا العصفور بمنقارہ۔ الحدیث۔

ترجمہ: کشتی کے کنارے پر ایک چڑیا نے بیٹھ کر اپنی چونچ دریا میں تر کی تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا اور تمہارا اور تمام مخلوق کا علم جناب باری تعالیٰ کے علم کے سامنے ایسا ہی ہے جیسا کہ دریا کے مقابلے میں اس چڑیا کی چونچ تر کرنا

امام محمد غزالیؒ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں۔

(۱۴) ہیچ سلیم دل نہ بود۔ کہ ایں قدر نہ داند کہ علم فرشتگان و آدمیان در جنب علم حق تعالیٰ ناچیز است و ہمہ را گفتہ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ط یعنی تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کا علم اللہ جل شانہ کے علم کے مقابلے میں ناچیز ہے۔

اور علامہ شہاب الدین خفاجی حواشی بیضاوی میں طیبی سے نقل فرماتے ہیں۔

(۱۵) ان معلومات اللہ تعالیٰ لا نهایۃ لها وغیب السموٰت والارض وما یبدونہ وما یکتمونہ قطرۃ منها۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور معلومات کے لیے کوئی نہایت

نہیں ہے اور آسمانوں اور زمین کے تمام غیوب و اسرار اللہ جل شانہٗ کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہیں۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے اللہ جل شانہٗ کی ذات و صفات اور شانِ کبریائی کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔

؎ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

باب دوازدہم

آسمانوں میں جاندار مخلوق کا وجود

موجودہ سائنس نے یہ انکشاف کیا ہے کہ بعض سیاروں میں آثار حیات موجود ہیں ۔ اگرچہ سائنس کا یہ انکشاف ابھی آزمائشی دور سے گزر رہا ہے اور اس کی توثیق ابھی باقی ہے ۔ لیکن قرآن کی دو آیتوں نے اس کا اعلان اس وقت کیا تھا جب کہ انسانی ذہن و فہم سے اس کا تصور بھی بعید تھا ۔ سائنسدانوں نے دوربینوں کے ذریعے مریخ میں آثار حیات کا مشاہدہ کیا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ مریخ میں جاندار قسم کی مخلوق موجود ہے ۔ اگر سائنس کسی وقت مریخ پر انسان کو پہنچانے میں کامیاب ہوگئی ۔ اور وہاں انسان نے جاندار مخلوق کو دریافت کر لیا ۔ تو اس سے قرآن حکیم کی صداقت اور حقانیت پر ایک عملی دلیل قائم ہو جائے گی ۔ میں اس باب میں وہ دونوں آیات کریمہ پیش کرتا ہوں ۔ جن کی روشنی میں میرے دعوے کی حقیقت خود بخود ثابت ہو جاتی ہے ۔

پارہ ۲۵ میں سورہ شوریٰ کے چوتھے رکوع میں ارشاد خداوندی ہے ۔

(۱ ۔ الف) وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ط وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ط

ترجمہ :۔ اور اللہ کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا ہے اور ان جانداروں کا جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھے ہیں ۔ اور وہ ان کے جمع کر لینے پر جس وقت چاہے قادر ہے ۔

آیتِ کریمہ میں " دابّہ " کا لفظ واضح طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور دابّہ کے حقیقی معنی حیوان اور جاندار کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض مفسرین نے لفظ فیھما یعنی دونوں جگہوں سے ایک جگہ یعنی زمین مراد لی ہے۔ اور حیوانات کے وجود کے لیے زمین اور ملائکہ کے وجود کے لیے آسمانوں کو مختص کر دیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیتِ کریمہ کے حقیقی معنی اور اس کے ظاہری مدلول و مفہوم کو آخر کیوں چھوڑ دیا جائے۔ جبکہ حقیقی معنوں کے مراد لینے میں کوئی تعذّر موجود نہیں ہے۔ بہرحال یہ نہ سمجھا جائے کہ میں سائنس کی دریافت سے متأثر ہو کر متذکرہ آیات کریمہ کے معنے اپنے ذاتی ذوق اور وجدان کی بنا پر کر رہا ہوں۔ بلکہ ہمارے اکابر مفسرین نے آج سے کئی سو سال پہلے متذکرہ آیاتِ کریمہ کے وہی معنے کئے ہیں۔ جو میں نے سطور بالا میں پیش کئے ہیں چنانچہ ان مفسرین اور محققین کے اقوال ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

(۱۲۱) وقیل یحتمل ان اللہ تعالیٰ خلق فی السمٰوٰت انواعاً من الحیوانات یدبون دبیب الانسان (تفسیر خازن جلد ۶ صفحہ ۱۰۲)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اندر مختلف اقسام کے حیوانات پیدا کئے ہیں جو انسان کی طرح چلتے پھرتے ہیں۔

(۱۲۲) او یکون فی السمٰوٰت انواع آخر من الخلائق یدبّون کما یدب الانسان فی الارض۔ (تفسیر غرائب القرآن سورہ شوریٰ)

ترجمہ: اور یہ جائز ہے کہ آسمانوں کے اندر مختلف انواع کی مخلوقات موجود ہوں جو اسی طرح چلتی پھرتی ہوں جیسے انسان زمین پر چلتے ہیں۔

تفسیر صاوی علی الجلالین نے اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں دوسرے

معنوں کے ساتھ ایک مفسرِ قرآن کی وہ تفسیر بھی نقل کی ہے کہ جس سے مذکورہ مدعا کی بخوبی تائید ہوتی ہے۔ یہ تفسیر ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(۱۲۳) ان الایۃ باقیۃ علی ظاھرھا و لا مانع من ان اللہ تعالیٰ خلق حیوانات فی السمٰوٰت یمشون فیھا کمشی الاناسی علی الارض الا ان ذالک بعید من الافھام الکونہ علی خلاف عرف العام (صادی جلد۴ ص۳۲)

ترجمہ: بے شک یہ آیت اپنے ظاہری مفہوم پر باقی ہے اور اس ظاہری مفہوم کے لینے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں میں حیوانات پیدا کئے ہیں جو آسمانوں میں ایسے چلتے پھرتے ہیں۔ جیسے انسان زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ مگر یہ بات لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ یہ عرفِ عام کے خلاف ہے۔

تفسیر ماجدی نے آیت مذکورہ کے ذیل میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو

(۴) اور اگر آسمانوں کو حیوانات کا مستقر مانا جائے تو جنت میں تو آخر حیوانات نہیں ہیں۔ (ماجدی جلد۹ ص۹۷)

تفسیر حقانی نے متذکرہ آیت کریمہ کے معنوں میں حیوانات کے وجود کو بھی صاف طور پر تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو عبارت ذیل۔

(۵) پس فرشتے بھی آسمانوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ یا وہاں بھی حیوانات ہوں۔ (حقانی جلد ص۳۳)

صاحب روح المعانی نے بھی مذکورہ آیت سے آسمانوں میں حیوانات کے وجود پر استدلال کیا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

فقد ثبت فی صحاح الاحادیث ما یدل علی وجود الدواب فی السماء من مراکب اھل الجنۃ وغیرھا وکذالک ما یدل علی وجود ملائکۃ کالاوعال بل لا یبعد ان یکون

فی کل سماء حیوانات و مخلوقات علی صور شتی و احوال مختلفۃ لا نعلمھا۔ (روح المعانی سورہ شوریٰ ص۵۲۶)

ترجمہ: صحیح احادیث سے آسمانوں میں حیوانات کا وجود ثابت ہے جو اہل جنت کی سواریوں میں سے ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی ہے۔ اسی طرح احادیث سے اُن فرشتوں کا وجود بھی ثابت ہے۔ جو بڑھائے کوہی کی مانند ہیں۔ بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ ہر آسمان میں حیوانات اور مخلوقات موجود ہوں۔ جنکی صورتیں اور احوال مختلف ہوں۔ جن کا علم ہمیں نہیں ہے۔

صاحب تفسیر مواہب الرحمان نے مذکورہ آیت کی روشنی میں آسمانوں میں حیوانات کے وجود پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور آسمانوں میں حیوانات کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

(۷) وَمَا بَثَّ فِیهِمَا مِن دَابَّةٍ۔ اور اللہ تعالیٰ کی آیات قدرت میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں میں از قسم دابہ پراگندہ فرمایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں سے یہ ہے کہ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔ اور ان دونوں کے درمیان "دابہ" پیدا کر کے پھیلا دیئے ہیں۔ جو عجیب شان سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یا اپنے مقام پر قائم ہیں۔ (وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ) اور وہی خالق عزوجلّ ان کے جمع کرنے پر جب چاہے خوب قادر ہے۔

ف:۔ یعنی جس اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان دواب کو پیدا کر دیا ہے وہی جب چاہے۔ ان کو قیامت کے واسطے جمع فرمائے۔ شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ "دابہ" میں یہاں ملائکہ و انسان و دیگر حیوانات و کیڑے مکوڑے سب شامل ہیں۔ اور معنی یہ ہیں۔ کہ ان سب کو باوجود ان کے

اختلافِ شکل وصورت و بول و رنگ و مزاج و طبیعت کے جملہ اجناس و انواع کو اقطارِ سمٰوٰت وارض میں پراگندہ کر دیا۔ زمخشری نے کہا کہ ملائکہ کو اڑنے کے باوجود زمین پر چلنا حاصل ہو تو ان کو بھی دابّہ کہیں بس اِس طریقے سے ملائکہ شامل ہو گئے۔ یا آسمان میں دابہ ہونے کا طریقہ یہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں ایسی خلقت پیدا کی ہو۔ جو وہاں چلتے پھرتے ہوں۔ جیسے زمین پر آدمی وغیرہ چلتے ہیں۔ لہٰذا آسمانوں میں دابہ ہونا صادق آئے۔ ابنِ عادل نے کہا۔ کہ یہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں ایسے جاندار پیدا کئے ہوں۔ جو وہاں دبیب کرتے یعنی چلتے ہوں۔ جیسے زمین میں انسان وغیرہ چلتے ہیں۔

(تفسیر مواہب الرحمان سورۂ شوریٰ ص ۹۲)

سورہ نحل پارہ چودہ میں ایک دوسری آیتِ کریمہ میں بھی واضح طور پر آسمانوں میں دواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ یہ ہے۔

(۲-ب) وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ط

ترجمہ:۔ اور اللہ ہی کے مطیع ہیں۔ جتنے دواب (حیوانات) آسمانوں میں ہیں۔ اور جتنے زمین میں ہیں۔ اور فرشتے بھی اور وہ اپنی بڑائی نہیں کرتے۔" علاوہ فرشتوں کے اِس آیت کریمہ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں دواب یعنی حیوانات پیدا کئے ہیں۔ اور وہ سب کے سب اللہ کے مطیع ہیں۔ الغرض مذکورہ دونوں آیاتِ کریمہ اور اِن کی مستند تشریحات و تفسیرات سے آسمانوں میں حیوانات کا وجود ثابت ہوا۔ سبحان اللہ قرآن کیسی عظیم کتاب ہے

کہ اگر ایک طرف وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت، پند و موعظت اور شفاء لما فی الصدور ہے۔ تو دوسری طرف وہ ایک بے مثل کتاب حکمت و معرفت بھی ہے۔ جس میں کائنات کے حقائق اور علوم و اسرار کو اشاروں میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ط

حضرت حافظ شیرازیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

اگرچہ حسن فروشاں بجلوہ آمدہ اند
کسے بحسن و لطافت بیار ما نہ رسد

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ تا یَفْقَهُوْنَ۔ اسی نے پیدا کیا تمہیں ایک جان سے پھر ایک تمہارا ٹھکانا ہے اور ایک امانت رکھنے کی جگہ ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

اَنْشَاَ، اِنْشَاءٌ سے بنا ہے بمعنی پیدا کرنا۔ مُسْتَقَرٌّ صیغہ ظرف ہے اِسْتِقْرَارٌ سے بنا ہے بمعنی قرار کی جگہ ہے۔ مُسْتَوْدَعٌ صیغہ ظرف ہے بمعنی امانت کی جگہ اِسْتِیْدَاعٌ سے بنا ہے۔ یفقھون جمع مضارع ہے فِقْہٌ سے بنا ہے۔ فِقْہٌ لغت میں حاضر چیز کے ذریعہ غائب اور پوشیدہ کا علم حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ اور شریعت میں شرعی احکامات کے علم کو فِقہ کہتے ہیں۔

تفسیر

یہ آیت عقیدہ توحید پر بارھویں عقلی دلیل ہے۔ اس کے پہلے حصّہ کی تفسیر گزر گئی ہے۔ لفظ مستقر اور مستودع کی تفسیر کرنا مقصود ہے۔ ان دونوں الفاظ کی تفسیر جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ مفسّرین نے مختلف احتمالات نقل کیے ہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ مستقر سے مراد شکم مادر سے دنیا تک اور مستودع سے مراد قبر تا آخرت لی جائے کیونکہ ولکم فی الارض مستقر سے یہی معنی معلوم ہوتا ہے۔ اور آخر میں فرمایا ہے کہ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ۔ یہاں تفصیل آیات سے مراد شکم مادر سے لے کر پورا دنیاوی دور ہے۔ اور یفقھون سے اسی دور کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

کیونکہ جب انسان اس کی طرف غور کرے گا تو خود بخود اسے یقین پیدا ہو جائیگا کہ یہ کام خدا کے سوا کوئی نہیں کرسکتا ۔ چنانچہ سورۃ المؤمنون میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل خود بیان فرمائی ہے ۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ	اور البتہ ہم نے انسان
مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ	کو مٹی کے خلاصہ سے
طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ	پیدا کیا ۔ پھر ہم نے اسے
نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ	حفاظت کی جگہ نطفہ بنا
مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا	کر رکھا ۔ پھر ہم نے نطفہ
النُّطْفَةَ عَلَقَةً	کا لوتھڑا بنایا ۔ پھر ہم
فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ	نے لوتھڑے سے گوشت
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا	کی بوٹی بنائی ۔ پھر ہم نے
الْمُضْغَةَ عِظٰمًا	اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں
فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ	پھر ہم نے ہڈیوں پر
لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ	گوشت پہنایا ۔ پھر اسے
خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ	ایک نئی صورت میں بنایا
اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝	سو اللہ بڑی برکت والا
ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ	سب سے بہتر بنانے والا
ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝	ہے پھر تم اس کے بعد
ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	مرنے والے ہو ۔ پھر
تُبْعَثُوْنَ ۝	قیامت کے دن اٹھائے
(سورۃ المؤمنون آیت ۱۲ تا ۱۶)	جاؤ گے ۔

تفسیر

ان آیات میں انسان پر آنے والی نو منازل کا ذکر ہے۔ مٹی[1] کے خلاصے نطفہ[2] جو ماں کے سینے اور باپ کی پیٹھ میں ہوتا ہے۔ پھر علقہ[3] پھر مضغہ[4] پھر عظام[5] پھر ہڈی پر گوشت[6] چڑھانا۔ تکمیل تخلیق[7] جو روح پھونکنے کا دور ہے پھر موت[8]۔ اس کے بعد پھر زندگی[9]۔ ان چار آیات میں انسانی زندگی کا ابتداء سے لے کر انتہا تک ایک اجمالی خاکہ بیان فرما دیا ہے۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ کوئی فردِ بشر اتنی لمبی چوڑی تاریخ کو جو ماضی حال اور مستقبل پر مشتمل ہو بیان نہیں کر سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ خود ہر شئے کا خالق و مالک ہے۔ وہ تو ہر چیز کو دیکھنے والا ہے اور ہر چیز اس کے سامنے حاضر ہے۔ اس کے ہاں ماضی و حال یا مستقبل کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اس کے لیے ہر چیز کے تمام حقائق بیان کرنا کوئی مشکل نہیں۔ پہلا دور وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کو حکم دیا کہ زمین کے مختلف حصوں سے مٹی جمع کرو تو اس نے وہ مٹی جمع کی پھر اس کا خمیر تیار کیا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی اس کا ڈھانچہ تیار کیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اس میں اپنی روح پھونکی تو آدم تیار ہو گیا۔ اس کی بائیں پسلی سے اسکی بیوی حوّا کو پیدا کیا پھر باقی نسل ان دونوں سے پیدا کی۔

دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ ولقد خلقنا الانسان من

سلالۃ من طین سے مراد ہر انسان بھی ہوسکتا ہے تو پھر اس وقت مقصد یہ ہوگا کہ ہر آدمی کا مادہ منویہ غذاؤں سے تیار ہوتا ہے اور غذائیں مٹی کا خلاصہ ہے۔

ان آیتوں میں پانچ جگہ لفظ ثُمَّ استعمال فرمایا ہے اور دو جگہ فا لگایا ہے اس میں ایک خاص نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ثُمَّ وہاں لگایا جاتا ہے جہاں کچھ دیر اور تاخیر ہو اور فا وہاں لگایا جاتا ہے جہاں تاخیر نہ ہو۔ یہ عربی محاورات اور لغات کا دستور ہے اور قرآن مجید لغت عرب کے تحت نازل ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ آدمی کے غذا کھانے کے بعد فوراً نطفہ نہیں تیار ہوتا بلکہ اس میں دیر لگتی ہے اس لیے فرمایا ہے ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً اور پھر فرمایا ہے ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً، اس سے معلوم ہوا کہ نطفہ سے علق بنانے میں بھی کچھ وقت صرف ہوتا ہے اور کافی دیر لگتی ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے۔ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً، یہاں شروع میں فا لگایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علق سے مضغہ بننے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ علی ہذا القیاس مضغہ سے عظام اور عظام پر گوشت چڑھانے میں بھی کوئی خاص دیر نہیں لگتی اس لیے ہر تین جملوں کے شروع میں لفظ فا ہی لگایا ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا، آخر میں روح داخل کرنے کا دور ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عظام پر لحم چڑھانے کے بعد فوراً روح نہیں پڑتی بلکہ اس پر بھی اچھا خاصا وقت لگتا ہے اس کے بعد پھر فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ فرمایا ہے یعنی انسان کی پیدائش سب سے اچھی بنائی ہے اور خوب بنائی ہے۔

اور اس کے بعد پھر ثُمَّ لگایا ہے کہ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد دنیا میں انسان کا کافی وقت لگتا ہے اور اسی طرح ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ میں بھی وقت لگے گا۔ پس خلاصہ اور لبّ لباب یہ نکلا کہ انسان کی ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک کل نو ادوار ہیں۔ کسی دور میں وقت زیادہ لگتا ہے اور کسی میں کم لگتا ہے۔ پس جس میں زیادہ دیر لگتی ہے اس کو ثُمَّ سے بیان فرمایا ہے اور جس میں تھوڑی دیر لگتی ہے اس کو فا سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کی کچھ تفصیل احادیث میں آئی ہے اور اسے ابن کثیر سے نقل فرمایا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يُرْسَلُ	عبد اللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے اور وہ سچے تصدیق کیے ہوئے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن رہتا ہے (یعنی نطفہ) پھر وہ اسی طرح لوتھڑا بنتا ہے پھر وہ اسی طرح گوشت کی بوٹی بنتا ہے پھر اس کی طرف فرشتہ بھیجا

اِلَیْہِ الْمَلَکُ فَیَنْفُخُ	جاتا ہے تو وہ اس میں
فِیْہِ الرُّوْحَ ۔	رُوح پھُونکتا ہے ۔

(تا آلاخر) الحدیث ،

تفسیر

اس حدیث میں دو رنمبر دو نا سات کی تفصیل ہے ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر دور میں انسان پر چالیس چالیس دن لگ جاتے ہیں جن کی مجموعی تعداد چار ماہ ہے ۔ پھر اس کی طرف فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے ۔ اس مضمون کو ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا، آخر میں بیان فرمایا ہے اور اس کے بعد اس میں کان آنکھیں، ادراک اور حس وحرکت پیدا کی جاتی ہے اور اس کی مدت تو یہاں بیان نہیں فرمائی مگر بعض دیگر آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مدت دو ماہ ہے ۔

کیونکہ سورۃ البقرہ والی آیت میں فرمایا ہے کہ وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ ، مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں اور سورہ الاحقاف میں فرمایا ہے کہ حَمْلُہٗ وَفِصَالُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا ، اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے اب ان آیتوں میں تعارض نظر آتا ہے تو مفسرین نے تطبیق یہ فرمائی ہے کہ فصال سے مراد دو سال لیے جائیں جن کا ذکر سورۃ البقرہ میں ہے اور حمل سے مراد چھ ماہ رحم مادر کے لیے جائیں تو یہ تعارض رفع ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرمان سے

اس کی تائید ہوتی ہے۔

واقعہ اصل میں یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت کے بطن سے چھ ماہ ہونے کے بعد بچہ پیدا ہوگیا جب کہ عام عادت نو مہینے میں اور کم سے کم سات ماہ میں بچہ پیدا ہونے کی ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حمل کو ناجائز قرار دے کر سزا کا حکم دے دیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے منع کیا اور فرمایا کہ قرآن مجید میں حمل اور رضاعت کی مجموعی مدت تیس ماہ ہے۔ پھر رضاع کی مدت کا چوبیس ماہ ہونا دوسری جگہ متعین کر دیا گیا ہے۔ اس لیے باقی ماندہ مدت چھ ماہ ہی حمل کی کم سے کم مدت ہے۔

پس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اس استدلال کو قبول کر کے اپنا حکم واپس لے لیا اس لیے کم سے کم مدت حمل کے بارے میں تمام امت کے ائمہ متفق ہیں کہ وہ چھ ماہ ہی ہوسکتی ہے اور اکثر مدت کتنی ہے اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ قرآن نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیا (معارف القرآن)

پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کا زمانہ کم سے کم دو ماہ اور زیادہ سے زیادہ پانچ ماہ ہوسکتا ہے اور پہلے چار کو ساتھ شامل کر کے حمل کی مدت کل مدت نو ماہ اور کم سے کم چھ ماہ ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے۔ ثم انکم بعد ذالك لمیتون اس سے مراد دنیاوی زندگی ہے۔ یہاں بھی لفظ ثُمَّ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کا وقت لگتا ہے لیکن متعین نہیں ہے

کیونکہ بعض بچے پیدا ہوتے وقت ہی مرجاتے ہیں۔ اور بعض جوانی کو پہنچ کر مرتے ہیں اور بعض بڑھاپے میں مرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں رکھا۔ اور پھر آخر میں فرمایا ہے کہ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ یہاں شروع میں لفظ ثُمَّ لگایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں فوت ہو جانے کے بعد قیامت تک بڑا وقت لگے گا۔ اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک لوگ مر رہے ہیں اور تا قیامت مرتے رہیں گے۔ پس یہ تفصیل اور کوئی نہیں جانتا۔

روح کیا چیز ہے

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ النازعات کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی رُوح کے متعلق تحقیق نقل فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ روح دو قسم کی ہے۔ ایک نفس انسانی جو ایک جسم لطیف ہے جو آدمی کے جسم کثیف کے اندر سمایا ہوا ہے اور وہ انہی مادی عناصر اربع سے بنا ہے۔ فلاسفر اور اطباء اسی کو رُوح کہتے ہیں۔

اور دوسری قسم روحِ انسانی جو ایک جوہر مجرّد اور لطیفہ ربّانی ہے جو اس طبعی روح یعنی نفس کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور طبعی رُوح یعنی نفس کی حیات خود اسی لطیفہ ربانی پر موقوف ہے گویا

اس کو روح المروح کہہ سکتے ہیں کہ جسم کی زندگی نفس سے ہے اور نفس کی زندگی اس روح سے وابستہ ہے۔ اس روح مجرد اور لطیفہ ربّانیہ کا تعلق اسی جسم لطیف یعنی نفس کے ساتھ کیا اور کس طرح ہے اسکی حقیقت کا علم ان کے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں معلوم۔ اور جسم لطیف جس کا نام نفس ہے اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کی مثال بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھ دیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے۔ نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت و محنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منوّر ہو جاتا ہے ورنہ وہ جسم کثیف خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے۔ یہی جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لے جاتے ہیں اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں جب کہ وہ منور ہو چکا ہو۔ ورنہ آسمان کے دروازے اس کے لیے نہیں کھلتے اوپر ہی سے نیچے پٹخ دیا جاتا ہے۔ یہی جسم لطیف ہے جس کے بارے میں حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نے اس کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا ہے پھر اس میں لوٹائیں گے پھر اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار بن جاتا ہے اور کفر و شرک سے بدبودار ہو جاتا ہے۔ باقی روح مجرّد اس کا تعلق جسم کثیف کے ساتھ بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے ہوتا ہے اس پر موت طاری نہیں ہوتی۔ قبر کا عذاب و ثواب بھی اسی جسم لطیف نفس سے وابستہ ہے اور نفس کا تعلق قبر سے ہی رہتا ہے اور روح مجرد علیّین میں ہوتی ہے اور روح مجرد اس کے ثواب و عذاب سے بالواسطہ متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح قبر میں ہونا بمعنی نفس کے صحیح ہے اور اسکا عالم ارواح یا علیّین میں رہنا بمعنی روح مجرد صحیح ہے۔

اس سے ان روایات مختلفہ کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اسی طرح حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی کی بالفاظ دیگر ایک اور تحقیق بھی نقل فرمائی ہے اور یہ تحقیق سورۃ حج کی آیت ۲۹ کے ذیل میں لکھی ہے جو ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ روح دو قسم کی ہے۔ علوی اور سفلی روح علوی مادہ سے مجرّد اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کی حقیقت کا ادراک مشکل ہے۔ اہل کشف اس کا اصل مقام عرش کے اوپر بتاتے ہیں کیونکہ وہ عرش سے زیادہ لطیف ہے اور روح علوی بنظر کشفی اوپر نیچے پانچ درجات میں محسوس کی جاتی ہے وہ پانچ یہ ہیں۔ قلب، اکرم، سر، خفی، اخفی۔ اور یہ سب عالم اثر کے لطائف میں سے ہیں۔ جس کی طرف قرآن مجید میں اشارہ فرمایا ہے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ اور روح سفلی وہ بخار لطیف ہے جو بدن انسانی کے عناصر اربع آگ، پانی، مٹی، ہوا سے پیدا ہوتا ہے اور اسی روح سفلی کو نفس کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس روح سفلی کو جسے نفس کہا جاتا ہے ارواح علویہ مذکورہ کا آئینہ بنا دیا ہے۔ جس طرح آئینہ جب آفتاب کے مقابل کیا جائے تو آفتاب کے بہت بعید ہونے کے باوجود اس میں آفتاب کا عکس آجاتا ہے اور روشنی کی وجہ سے وہ بھی آفتاب کی طرح چمک اٹھتا ہے اور آفتاب کی حرارت اس میں آجاتی ہے جو کپڑے کو جلا سکتی ہے۔ اسی طرح ارواح علویہ اگرچہ اپنے تجرد کی وجہ سے بہت اعلیٰ وارفع اور بہت مسافت بعیدہ پر ہیں مگر ان کا عکس اس روح سفلی کے آئینہ میں آکر ارواح علویہ کی کیفیت و آثار اس میں منتقل کر دیتا ہے اور یہی آثار جو نفوس میں پیدا ہو جاتے ہیں ہر فرد کے لیے ارواح جزئیہ کہلاتے ہیں۔ پھر یہ روح سفلی جس کو نفس کہتے

ہیں اپنی ان کیفیات آثار کے ساتھ جن کو ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے اس کا تعلق بدن انسانی میں سب سے پہلے مضغہ قلبیہ سے ہوتا ہے اور اس تعلق ہی کا نام حیات اور زندگی ہے۔ روح سفلی کے تعلق سے سب سے پہلے انسان کے قلب میں حیات اور وہ ادراکات پیدا ہوتے ہیں جن کو نفس نے ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے۔ یہ رُوح سفلی پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہے باریک رگوں میں سرایت کرتی ہے جن کو شرائین کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ تمام بدن انسانی کے ہر حصّہ میں پہنچ جاتی ہے۔

تولید کے متعلق سائنس جدید کی تحقیق سے قرآن حکیم کی صداقت کا اعتراف

اب ہم ذیل میں ان آیات اور حدیث کے متعلق ڈاکٹر محمد آفتاب خان ایسوسی ایٹ پروفیسر زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنی کتاب قرآن حکیم اور علم الجنین میں بیان فرمائی ہے۔ اس تحقیق سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہوئی کتاب میں جو تصور تولید پیش کیا ہے وہ صحیح ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی اس کی تصدیق ہوتی جائے گی۔

رحم مادر میں جنین کی مختلف حالتیں:

جدید سائنس کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب لیون ہاک کی خوردبین کی دریافت سے واقع ہوا یہ واقعہ ۱۶۳۲ء کا ہے۔ خوردبین کی ایجاد سے خون میں موجود جسیموں (BLOOD CORPUSCLES) کی موجودگی کا پتہ چلا۔ اسی طرح مستقبل کی تمام تر سائنسی ترقی اس ایک عظیم دریافت کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ۱۶۷۷ء میں لیون ہاک کے ایک شاگرد نے مادہ منویہ سے تیار کردہ سلائیڈ کا معائنہ جب اپنے فاضل استاد سے کرایا تو دنیا کو پہلی مرتبہ کرم منی (SPERMATOZOA) کی موجودگی کا علم ہوا۔ جسے اس نے (ANIMAL CULES) کا نام دیا۔ خوردبین کی ایجاد، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، بعد میں آنے والی بہت سی ایجادات اور دریافتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ہم اس بات کا بھی جائزہ لے چکے ہیں کہ ۱۸۳۹ء میں یہ معلوم ہوا کہ انسانی جسم بہت سے خلیات سے مل کر بنا ہے اور جسے ہم آج (CELLULAR THEORY) کے نام سے جانتے ہیں۔ اسی طرح ۱۸۸۰ء میں انسانی جنین کی نشوونما کا مطالعہ کیا گیا اور ۱۹۴۱ء میں عورت کے رحم میں بچے کی نشوونما کی مختلف حالتوں کا مشاہدہ کیا گیا۔

یہ امر نہایت دلچسپ ہے کہ قرآن کریم نے آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل اس حیرت انگیز حقیقت سے پہلی مرتبہ پردہ اٹھا دیا تھا جس کا ۱۹۴۱ء میں مکمل طور پر مطالعہ کیا گیا۔ یہ امر مزید حیرت کا باعث ہے کہ مسلمان جو بھٹکتی ہوئی دنیا کی رہنمائی کر سکتے تھے۔ اور جن کے پاس زندگی کے سارے مسائل حل کرنے کی ”شاہ کلید“ یعنی قرآن موجود تھا، وہی اس شاہ کلید سے بیگانہ اور نا آشنا رہے۔ دوسروں کو راستہ دکھانا تو درکنار، خود اندھوں کی طرح بھٹکتے رہے۔ اور ایک ایک بھٹکنے والے کے پیچھے دوڑتے رہے۔

؎ غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن

کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

اب ہم قرآن کی آیتوں کے حوالے سے یہ بتائیں گے کہ رحم مادر میں جنین کی ارتقائی حالتوں کو کس طریق پر بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کی وضاحت بھی کریں گے کہ موجودہ زمانے کی تحقیقات جو علم الجنین کی وجہ سے آج حاصل ہوئی ہیں، وہ قرآن کی بیان کردہ حالتوں سے کس طرح مماثلت رکھتی ہیں۔

سورۃ الحج (۲۲ : ۵۔۷) میں فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا......

"لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک خاص وقت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں۔"

اسی مضمون کو سورۃ المومنون (۲۳ : ۱۲۔۱۴) میں ان الفاظ میں فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝

"ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔"

ان آیات میں یہ فرمایا کہ۔

"انسان ان مادوں سے پیدا کیا گیا جو سب کے سب زمین سے حاصل ہوتے ہیں اور اس کی تخلیق کی ابتدا نطفے سے ہوئی یا یہ کہ نوعِ انسانی کا آغاز آدم علیہ السلام سے کیا گیا جو براہِ راست مٹی سے بنائے گئے تھے اور پھر آگے نسل انسانی کا سلسلہ نطفے سے چلا۔"

(مزید تفصیلات کے لیے گزشتہ صفحات میں "تخلیق آدم" کی بحث ملاحظہ ہو۔)

یہ آیات مزید اشارہ کرتی ہیں۔

"ان مختلف حالتوں اور ادوار کی طرف جن سے ماں کے پیٹ میں بچہ گزرتا ہے یعنی نطفہ قرار پانے کے بعد ابتداءً جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا سا ہوتا ہے پھر وہ گوشت کی ایک بوٹی میں تبدیل ہوتا ہے جس میں پہلے شکل کی صورت کچھ نہیں ہوتی اور آگے چل کر انسانی شکل نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسقاطِ حمل کی مختلف حالتوں میں کیونکہ تخلیق انسانی کے یہ سب مراحل لوگوں کے مشاہدے میں آئے تھے اس لیے ان ہی کی طرف اشارہ کیا گیا۔"

اس ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس آیت (سورۃ الحج ۲۲: ۵ تا ۷) میں الفاظ مخلقۃ و غیر مخلقۃ آئے ہیں جو بہت معنی خیز ہیں (اس بارے میں مزید بحث اگلے صفحات میں

درج ہے) جیساکہ سورۃ المومنون (۲۳ : ۱۲۔۱۴) کی آیات کے ترجمے میں بیان کیا گیا ہے کہ گوشت کی بوٹی میں تبدیلی کے وقت پہلے کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی اور آگے چل کر انسانی شکل نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس حالت کی عکاسی (تصاویر نمبر ۱۹ ا۔ب کی گئی ہے جہاں انسانی جسم کے مختلف حصوں/اعضاء کے نمودار ہونے کے نشانات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ تصویر نمبر ۲۷ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ انسانی /حیوانی جنین (EMBRYO) میں ہڈیوں کی تشکیل ہوتی ہے جس پر بعد میں گوشت چڑھ جاتا ہے۔ (تصویر نمبر ۲۸) اسی حقیقت کی جانب سورۃ المومنون کی درج بالا آیت میں فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

گزشتہ صفحات میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ آٹھ ہفتے کا جنین جب تقریباً ۲۰ ملی میٹر لمبا ہوتا ہے تو اس میں ہڈیوں کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ہڈیوں پر گوشت چڑھنے کے عمل کی تشریح تصویر نمبر ۲۸ میں کی گئی ہے۔

ان ہر دو تصاویر کا تقابلی جائزہ لینے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ بارہویں ہفتے کے جنین میں ہڈیوں پر گوشت کی تہہ چڑھتی شروع ہو جاتی ہے۔ جب کہ تصویر نمبر ۲۷ میں صرف ہڈیوں کی تشکیل ہوتی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر مور اور شیخ الزندانی نے اس ضمن میں دو احادیث کا حوالہ بھی دیا ہے جب جنین ۴۰ دن کا ہوتا ہے تو اس کی لمبائی ایک سنٹی میٹر ہوتی ہے۔ اس وقت اس میں تمام بڑے اعضاء کے تشکیل پانے کی جگہ (ANLAGE) کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ پہلی حدیث مسلم اور بخاری شریف میں "کتاب القدر" کے تحت درج کی گئی ہے۔

ان احدکم یجمع خلقہ فی بطن امہ اربعین یوما ثم یکون فی ذلک علقۃ مثل ذالک ثم یکون فی ذالک مضغۃ مثل ذالک

جس میں بتایا گیا ہے کہ "رحمِ مادر میں چالیسویں دن تک ہر انسان کے اندر تمام جسمانی اعضاء کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ یہ حالت علقہ جیسی ہوتی ہے پھر وہ حالت مضغہ جیسی ہوجاتی ہے۔"

اس حدیث میں ایک بہت معنی خیز لفظ "جمع الخلق" استعمال ہوا ہے جس کے مختلف معنی بیان کیے گئے ہیں۔

—— اس کے مفہوم میں مرد کے حیواتی خلیے اور بیضۂ اناث کا ملنا شامل ہے۔

—— بارآوری کے وقت جب حیوانی خلیہ اور بیضہ کے مرکزے (NUCLEI) ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہیں تو اس طریق پر مرد و عورت کے مرکزوں میں پائے جانے والے کروموسوم (موروثی اوصاف منتقل کرنے والے اجسام) بھی مل جاتے ہیں۔

—— مختلف اعضاء جن جگہوں (ANLAGE) سے نشوونما پاتے ہیں، ان کا ظاہر ہونا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔

—— یہ تمام اعضاء ایک چھوٹے سے جسم میں جمع ہوتے ہیں، جس کی لمبائی ایک سنٹی میٹر ہوتی ہے۔ یہ بھی اس لفظ کے معنوں میں آتا ہے۔

—— جنین کی شکل انگریزی کے حرف C کی مانند ہوتی ہے جس کی وجہ سے جسم کے تمام حصے ایک دوسرے کے قریب واقع ہوتے ہیں۔ (تصویر نمبر ۱۹)

یہ تمام حالتیں ۴۰ روزہ جنین میں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں اور اس حدیث کی رو سے جب یہ تمام کچھ واقع ہوجاتا ہے تو پھر جنین علقہ اور مضغہ حالتوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔ تاہم اس حدیث سے یہ مطلب اخذ کیا جاتا ہے کہ اس میں سے ہر حالت نے مکمل ہونے کے لیے ۴۰ دن لیے۔ ایک دوسری حدیث میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ مختلف جسمانی اعضاء کی تخلیق ۴۲ روز بعد شروع ہوتی ہے۔

یہ حدیث مسلم میں "کتاب القدر" کے تحت یوں درج ہے۔

اذا مر بالنطفه اثنتان واربعون ليلة بعث الله اليها

ملکاً فصورھا وخلق سمعھا وبصرھا، وجلدھا ولحمھا وعظامھا ثم قال: یارب اذکر ام انثیٰ؟ فیقضی ربک ماشآء ویکتب الملک

"جب مرد و عورت کے نطفوں کو ملے ہوئے ۴۲ راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالےٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں جو رحم مادر میں انسانی شکل کو ایک مجسم شکل دیتا ہے اور اس کے کان، آنکھ، کھال، گوشت اور ہڈیوں کی تشکیل کرتا ہے۔ پھر وہ فرشتہ پوچھتا ہے کہ اے میرے رب، اس بچے کو لڑکا بنانا ہے یا لڑکی پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے، فیصلہ کر دیتا ہے جسے فرشتہ لکھ لیتا ہے۔"

اس حدیث کی رو سے نطفہ، علقہ اور مدغہ کی حالتیں ۴۲ دن سے پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہیں۔ مزید برآں، مدغہ کے بعد ہڈیوں کی تشکیل پانے کی حالت، ۴۲ روز بعد واقع ہوتی ہے۔

پہلی حدیث کی روشنی میں اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ہڈیاں ۱۲۰ دن بعد نشوونما پاتی ہیں۔ اس حدیث میں مثل ذلک یعنی "اس کی طرح" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کے معنی کسی چیز کے دہرائے جانے یا ایک کے بعد دوسری دفعہ واقع ہونے کے ہیں یعنی ان میں سے ہر حالت ایک کے بعد واقع ہوتی ہے۔ مسلمان محققین میں سے ابن الزملکانی نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ علقہ اور مدغہ کی حالتیں پہلے ۴۰ دن میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہیں۔ (۵۹)

مارس بکیلے نے ان آیات میں بیان کردہ مختلف حالتوں کے بارے میں لکھا کہ "جنین کی ارتقائی حالتوں کے بارے میں جو کچھ قرآن کی متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے وہ ان حقائق کے عین مطابق ہے جو جدید سائنس نے صدیوں کی ٹھوکریں کھانے کے بعد حتی قریب میں بہت پیچیدہ آلات دُوربینی کی مدد سے حاصل کی ہیں۔ اور قرآن کے پیش کردہ ان حقائق پر آج تک

کسی جانب سے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا جا سکتا۔" (۴۴)

سورۃ الحج اور سورۃ المومنون کی درج بالا آیات میں چند الفاظ اس قسم کے آئے ہیں جن کی تشریح اور تفسیر بہت معنی خیز انداز میں متعدد مفسرین قرآن اور اہلِ علم نے کی ہے۔ جن کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

ان آیات میں دو الفاظ علقہ اور مُضغَہ آئے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک سورۃ، سورہ علق کے نام سے موسوم ہے۔ "عَلَق" جمع ہے عَلَقَہ کی جس کے معنی جمے ہوئے خون کے ہیں درج بالا ترجمہ میں علقہ کے معنی لوتھڑے کے کیے گئے ہیں۔ "یہ وہ ابتدائی حالت ہے جو استقرار حمل کے بعد پہلے چند دنوں میں رونما ہوتی ہے۔" (۷) (تصویر نمبر ۳)

مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں لکھا ہے کہ "علقہ خون کی پھٹکی کو بھی کہتے ہیں اور چھوٹے جاندار کیڑے کو بھی۔ ———— یہ نطفہ قرار پا جانے کے بعد کا درجہ ہے، جب وہ خون اور ایک جنین کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس کے اندر زندگی کی نمود پیدا ہو جاتی ہے۔" (۲۴)

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی مشہور تفسیر "ترجمان القرآن" میں ان آیات کی یوں تشریح فرمائی (۱)

قرآن جنین کے تمام تغیرات کو صاف صاف ایک انقلابی تصور قرار دے رہا ہے۔

ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ (۲۲ : ۵)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

(۲۳ : ۱۴)

"یعنی تخلیق کی حالت نطفہ کی ہوتی ہے، پھر تخلیق کی دوسری حالت عَلَقہ کی ہوتی ہے پھر تخلیق کی تیسری حالت مضغہ کی ہوتی ہے۔ پس یہ محض کسی ایسے کیڑے کا ظہور پذیر نہیں ہو سکتا جس کے اندر وجودِ انسانی اپنے تمام اصول و جزئیات کے ساتھ موجود ہو (جیسا کہ قدیم لوگ

سمجھتے تھے) بلکہ ایک حالت کے بعد صریح دوسری حالت کی پیدائش اور دوسری کے بعد تیسری کی اور تیسری کے بعد چوتھی کی پیدائش ہے، اور ہر پیدائش تخلق و تطور کی نوعیت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے طرح طرح کے تطورات طاری ہوں، ضروری ہے کہ ہر تطور ایک نئی پیدائش کا حکم رکھتا ہو۔"

"۱۔ سب سے پہلے جَعَلْنَاہُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ پر غور کرو۔ استقرار حمل یوں ہوتا ہے کہ جنسِ رجال کا جنسی خلیہ، جنسِ اناث کے منبیض میں پہنچتا ہے اور اس طرح ٹک جاتا ہے، گویا اپنے اصلی مکان میں پہنچ گیا۔ اس صورت حال کے لیے فِي قَرَارٍ مَكِينٍ کی ترکیب کس قدر صحیح اور اوفق ہے؟ دو لفظوں کے اندر پوری وضاحت کے ساتھ دونوں حالتیں آگئیں۔ اس کا ٹھہر جانا اور تمکن کے ساتھ قرار پا جانا۔ یہ استقرار و تمکن کس طرح پیدا ہوا؟ دونوں جنسوں کے خلیوں کے اتحاد سے۔ ـــــــــ اس اتحاد و امتزاج کی ان میں قدرتی طلب تھی بغیر اس کے قرار نہیں پا سکتے تھے۔"

"اس وقت تک ہم نے اس کا یہ مطلب سمجھا تھا کہ نطفہ رحم میں قرار پا جاتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت بات پوری طرح جچتی نہ تھی۔ رحم تو ایک مجوف خول ہے۔ اس میں ایک ذرہ تخم کا پڑ جانا فی قرار مکین سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تعبیر کہہ رہی ہے کہ کوئی نطفہ ہی کی طرح کا دقیق محل ہونا چاہیے جہاں وہ پہنچ کر اس طرح ٹک جائے، جیسے ٹھیک اپنے حجم اور اپنی نوعیت کے مطابق ایک جگہ اسے مل گئی۔ پس یقیناً اس سے مقصود مبیض کا خلیہ (OVUM) ہے نہ کہ پورا عضو رحم۔"

"۲۔ اس کے بعد نطفہ پر مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ لیکن سب سے پہلی انقلابی حالت کونسی ہوتی ہے اور جو تمام آئندہ انقلابوں کے لیے سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے، وہ حالت جب خلیات کا کروی مجموعہ اچانک طول میں بڑھنے لگتا ہے اور پھر اس طرح کی لمبی چیز بن جاتا ہے جس کے دونوں سرے کسی قدر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ پروفیسر ہیکل نے اس

مرتبہ کی ابتدائی حالت کو SOLE SHAPED اور پختہ حالت کو SENDALE SHAPED سے تعبیر کیا ہے اور ہم نے اس کے لیے صرف "نعل نما" حالت کی تعبیر اختیار کی ہے۔ اسی مرتبۂ تحول کو قرآن نے علقہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ علقہ کی تعبیر اس مرتبہ کے لیے ہر اعتبار سے اتنی صاف اور چسپاں تعبیر ہے کہ جونہی میری نظر اس نعل نما جنین کی تصویر پر پڑی تھی، میری زبان سے بے اختیار خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ہ نکل گیا تھا۔"

"جونک کے لیے علوق، علوقہ، عولق، علقہ سامی زبان کی نہایت قدیم تعبیر ہے۔ عبرانی میں اسے علوقہ کہتے تھے اور بجنسہٖ علقہ کا نام بھی ملتا ہے۔ چنانچہ سفر امثال میں ایک جگہ آیا ہے "جونک کی دو بیٹیاں ہیں جو چلاتی رہتی ہیں، لاؤ! لاؤ۔ (۳۰ : ۱۵) عبرانی نسخہ میں جونک کے لیے علوقہ کا لفظ ہے یہی علوقہ عربی میں علق اور علقہ ہے اور جونک کے لیے مستعمل ہے۔ اب جونک کی حالت اور صورت کا معائنہ کرو اس میں ہڈی نہیں ہوتی۔ محض ایک لوتھڑے کی لمبان ہوتی ہے اور خون پی کر جب سیراب ہو جاتی ہے تو ٹھیک ایسی ہی صورت بن جاتی ہے جیسی اس مرتبہ جنین کی تصویر میں نظر آتی ہے۔" (تصویر نمبر ۳۰)

"ہیکل نے اس حالت کو محض اس کی جزئی مشابہت کی بنا پر "نعل نما صورت" سے تشبیہ دی ہے۔ لیکن قرآن نے "علقہ" سے دی جو خود سلسلۂ حیوانات کی ایک خاص زندہ کڑی ہے اور اس طرح عجب نہیں کہ ایک دوسری مخفی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہو۔"

"پیدائش انسانی کے مختلف مدارج کی جو تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں ان سے تمہیں پتہ چل گیا ہو گا کہ قانونِ نشو و ارتقا کے مختلف مدارج کس طرح نطفۂ انسانی کے مدارج میں جمع ہو گئے ہیں اور کس طرح ہر انسان کا جنین اب بھی ان مدارج سے گزر کر انسان بنتا ہے جن مدارج سے گزر کر انسان اپنے موجودہ مرتبۂ خلقت تک پہنچا ہے۔ اچھا اب غور کرو کہاں مدارجِ خلقت میں ابتدائی مخلوقات کا درجہ کونسا ہے۔ آبی مخلوقات کا یعنی بحکم وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَا...

كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ زندگی کا سب سے پہلے ظہور پانی میں ہوا اور پہلی مخلوقات، آبی مخلوقات ہوئیں۔ ان کے بعد خشکی کی مخلوقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اچھا آبی مخلوقات میں ابتدائی مراتب کی مخلوقات کون سی ہیں؟ جونک کی قسم کی غیر عظمی مخلوقات، ان ہی کے ارتقاء سے تمام اونچی قسم کی آبی کڑیاں وجود پذیر ہوئیں۔ پس اگر حیوانی نطفہ اپنے تمام ارتقائی تطورات سے گزر کر آخری درجہ تک پہنچا کرتا ہے، تو کیا ضروری نہیں کہ اس کا ابتدائی درجہ آبی مخلوقات کی حالت کے درجے کا ہو۔ اور اس میں بھی سب سے پہلے جونک کی قسم کی نوعیت اپنی نمود دکھائے؟ یقیناً ضروری ہے۔ اور یقیناً یہی نوعیت ہے جو اس علق نما صورت کے درجہ میں نمایاں ہوئی ہے۔ پس اسے علقہ سے تعبیر کرنا گویا اس کے درجۂ خلقت کو ٹھیک ٹھیک اس کے اصل نام سے پکار دینا ہے۔"

۳۔ "اس کے بعد تیسرا انقلابی تطوّر وہ ہے، جب یہ علق نما چیز اور زیادہ بڑھتی ہے اور اس کے مادہ میں گوشت کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی حالت کو قرآن نے "مضغہ" سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اب جنین بوٹی کی طرح بن جاتا ہے اور چونکہ یہی مرتبہ ہے جس میں ارتسام وانقسامِ اعضاء کی پہلی داغ بیل پڑتی ہے۔ اس لیے سورۃ الحج میں اشارہ کر دیا گیا کہ مخلقہ و غیر مخلقہ، یعنی یہی مضغہ کا درجہ ہے جس میں یا تو داغ بیل پڑ جاتی ہے یا بگڑ کر رہ جاتا ہے۔"

۴۔ "چوتھا درجہ وہ ہے جب اس مضغہ میں ریڑھ کی ہڈی کا ڈھانچہ نشوونما پانے لگتا ہے اور ایک ایسا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے جسے مچھلی سے مشابہ کیا گیا ہے۔ اسی کو فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا سے تعبیر کیا ہے۔ اسی درجہ میں آکر جنین، حیوانات (VERTEBRATES) کی امتیازی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے۔"

۵۔ "پھر اس کے بعد ہڈیوں اور گوشت کا اطاق تکمیل تک پہنچتا ہے اور ایک حیوانی صورت متشکل ہو کر نمایاں ہو جاتی ہے۔ اسی کو فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا کے درجے سے

تعبیر کیا گیا ہے"

۱۷" لیکن جو صورت اب بنتی ہے، کیا انسان کی صورت ہوتی ہے؟ نہیں، ایسی جو تمام حیواناتِ لبونہ کی مشترک صورت ہوتی ہے، وہ ترقی بھی کرتی ہے تو بندر[1] کی صورت کی طرف لیکن اس کے بعد نقاشِ قدرت کی دستکاری اچانک ایک نیا انقلاب و تحول پیدا کر دیتا ہے۔ وہی جنین جو محض مضغہ تھا، وہی مضغہ جو مچھلی کی طرح کا ایک ڈھانچہ تھا، وہی ڈھانچہ جس نے عام حیوانی شکل اختیار کر لی تھی، وہی حیوانی ہیکل جو بندر[2] کی سی صورت میں

[1،2] اس جگہ مولانا ابوالکلام آزادؒ سے سہو ہوا ہے۔ انہوں نے ان آیات کی تفسیر و تشریح میں جو بڑی تقطیع کے کم از کم پانچ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، علم الجنین کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے ان حالتوں کا ذکر کیا ہے جو "قطرے پر گہر ہونے تک" گزرتی ہیں۔ انہوں نے ان صفحات میں استقرارِ حمل سے لے کر وضعِ حمل تک، انسانی بچے کی نشوونما اور مختلف ارتقائی حالتوں کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے مزید یہ بھی فرمایا کہ ان کی تمام تر معلومات کا ماخذ ارنسٹ ہیکل (EARNST HAECKEL کی دو کتابیں۔

EVOLUTION OF MAN

NATURAL HISTORY OF CREATION

ہیں جو انیسویں صدی کے آخر میں لکھی گئی تھیں (۱) یہ وہی دور ہے جب چارلس ڈارون CHARLES DARWIN، کی کتاب (ORIGIN OF SPECIES) ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی تھی جس میں ڈارون نے انسانی ارتقاء کے بارے میں جو نظریات پیش کیے تھے، اسے اکبر الہ آبادی نے اپنے ایک مصرعے میں یوں بیان کیا تھا ۔ ڈارون بولا، بوزنا ہوں میں!

اگرچہ ڈارون کے نظریات جو انسان کو جانوروں بالخصوص چمپنیز بندر کی ایک ارتقائی حالت ثابت کرتے ہیں تخلیقِ انسانی کے ان نظریات سے بھی متصادم ہیں جو ہم نے گزشتہ صفحات میں قرآن کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔ (سورۃ السجدہ ۳۲ : ۷-۹)

ابھر آیا تھا، اچانک انسانی جسم وصورت کی ساری خصوصیتیں اور رعنائیاں پیدا کر لیتی ہے۔
فتبارک اللہ، احسن الخالقین!

یہی آخری مرتبۂ تحول جسے ثم انشانا ہ خلقاً اخر سے تعبیر کیا ہے۔ (۱)

اور دیگر متعدد آیات در بحث تخلیق آدم) ڈارون کے نظریات کی رو سے نہ صرف یہ لازم ہے کہ ہم بوزنا (بندر) کو انسان میں تبدیل ہوتے ہوئے تسلیم کریں بلکہ ایک اور کڑوی گولی جو ہمیں اس کے ساتھ ہی نگلنی پڑتی ہے، یہ ہے کہ ان نظریات کو مان لینے سے ہمیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ زندگی کی ابتدا ایک حادثے کے طور پر ہوئی اور یہ کہ اس تمام کارخانۂ عالم کا نظام خود بخود چل رہا ہے۔ اس کے چلانے والا کوئی نہیں اور اس کے پیچھے کوئی حکمت کارفرما نہیں۔ (یہ تمام نظریات از خود ایک ضخیم کتاب کے متقاضی ہیں اور چونکہ یہاں موضوع زیر بحث سے ان کا براہ راست تعلق نہیں اس لیے اس پر مزید گفتگو نہ کرتے ہوئے یہ اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس امر کی ضرورت ہے کہ اہل علم ان نظریات کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لیں۔)

یہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ جب ڈارون کے نظریات پیش کیے گئے تو اسی زمانے میں یورپ میں بالخصوص الحاد اور آزادیٔ فکر کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یورپ میں، رومی کلیسا کے لرزہ خیز اور ہولناک مظالم کے خلاف یہ ردعمل ہوا کہ روشن خیال اشخاص نفسِ مذہب ہی سے متنفر ہو گئے اور انہوں نے مذہب کو محض چند اوہام وخرافات کا مجموعہ قرار دے دیا اور یوں تحریک الحاد (ATHEIST MOVEMENT) کی بنیاد پڑی۔ دوسری جانب ایک ایسا گروہ بھی پیدا ہوا جس نے مذہب کو درخورِ اعتنا ہی نہ سمجھا اور اس کو اہمیت دیے بغیر محض عقل کو ہی اپنا مذہب بنا لیا۔ اس طرزِ فکر کو سیکولر (SECULAR) یا لامذہبیت بلکہ خلافِ مذہبی طرزِ فکر کہنا چاہیے۔

اس اجتماعی فکر اور ماحول میں سائنس دانوں اور عوام الناس کا رویہ بھی خدا بے زاری

پر مبنی تھا، اور یوں ہر وہ نظریہ جس سے ان کے ان جذبات کی تسکین و تائید ہوتی تھی، عوام الناس میں جلد مقبولیت حاصل کر لیتا تھا۔ یہی وہ دور ہے جب کہ سائنسی، عمرانی اور دیگر علوم کی تشریح و توجیہ ان اصولوں پر کی جانے لگی جس کا ماحصل یہ تھا کہ کائنات اور اس میں پائی جانے والی تمام اشیا اور مخلوقات کی تخلیق کی تعبیر اس طرح کی جائے کہ اس کا کوئی خالق، مالک اور صانع نہیں ہے بلکہ وہ خود بخود اتفاقی طور پر وجود میں آگئی ہے، خود بخود چل رہی ہے اور ایک دن خود بخود ختم ہو جائے گی۔

بہر حال ارنسٹ ہیکل نے بھی اپنے زمانے کے دیگر سائنس دانوں کی طرح، ڈارون سے متاثر ہو کر انسان کے ارتقاء کے بارے میں وہی کچھ کیا جس سے ڈارون کے نظریات کی تائید ہوتی تھی۔ اس ضمن میں انسانی جنین کی تشکیل اور رحمِ مادر میں نشوونما پانے کے مختلف مراحل میں بھی ان لوگوں کو ایک ایسی حالت نظر آئی جو بندر کے جنین اور اس کے نشوونما پانے کی حالتوں کے مشابہ تھی۔

مولانا ابو الکلام آزادؒ نے بھی اسی تصور کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں اس بات کی جانب اشارہ کر چکے ہیں کہ ڈارون اور اس کے ماننے والوں کے نظریات کی رو سے "انسان ایک غیر انسانی اور نیم انسانی حالت کے مختلف مدارج سے ترقی کرتا ہوا مرتبۂ انسانیت کو پہنچا ہے۔" لیکن "اس تدریجی ارتقاء کے طویل خط میں کوئی نقطہ خاص ایسا نہیں ہو سکتا کہ جہاں سے غیر انسانی حالت کو ختم قرار دے کر "نوع انسانی" کا آغاز تسلیم کیا جاسکے۔" (۵)

مزید برآں چونکہ اس کرۂ ارض پر نباتی یا حیوانی زندگی کی لکھو کھا اقسام پائی جاتی ہیں۔ "یہ لکھو کھا انواع اپنی ساخت اور نوعی خصوصیات میں ایک دوسرے سے ایسا واضح اور قطعی امتیاز رکھتی ہیں اور قدیم ترین زمانے سے اپنی اپنی صورتِ نوعیہ کو اس طرح مسلسل برقرار رکھتی چلی آرہی ہیں کہ آج تک کہیں بھی دو نوعوں کے درمیان کی کوئی ... کڑی بھی

نہیں مل سکی جو ایک نوع کی ساخت اور خصوصیات کا ڈھانچہ توڑ کر نکل آئی ہو اور ابھی دوسری نوع کی ساخت اور خصوصیات تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہو۔ متحجرات (FOSSILS) کا پورا ریکارڈ اس کی نظیر سے خالی ہے۔ اور موجودہ حیوانات میں بھی یہ خنثیٰ (دوغلی، درمیانی) شکل ہیں نہیں ملا ہے۔ آج تک کسی نوع کا جو بھی فرد ملا ہے، اپنی پوری صورتِ نوعیہ کے ساتھ ہی ملا ہے اور ہر وہ افسانہ جو کسی مفقود کڑی کے بہم پہنچانے کا وقتاً فوقتاً سنا دیا جاتا ہے۔ تھوڑی مدت بعد حقائق اس کی ساری پھونک نکال دیتے ہیں۔ اس وقت تک یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ ایک صانع حکیم، ایک خالق الباری المصور ہی نے زندگی کو یہ لاکھوں متنوع صورتیں عطا کی ہیں۔" (۵)

ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے بارے میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اپنی کتاب تفہیمات (۹) میں یوں رقم طراز ہیں۔

"ڈارون کا نظریہ جس طرح انیسویں صدی کے وسط میں صرف ایک نظریہ تھا اسی طرح آج اس بیسویں صدی کے وسط میں بھی صرف ایک نظریہ ہی ہے واقعہ اور حقیقت (FACT) ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا ہے۔ نظریہ اور واقعہ کا فرق کسی تعلیم یافتہ آدمی سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔"

"ڈارون نے خود کہیں یہ نہیں کہا کہ وہ حقیقت کو پا گیا ہے۔ اس کے نظریہ کے قائلین میں سے جو لوگ فی الواقع سائنٹسٹ ہیں وہ بھی اپنے قیاس کو حقیقت اور واقعہ قرار نہیں دیتے۔ مگر جن لوگوں کو سائنس کی اڑتی ہوئی ہوا لگ گئی ہے وہ اس زور شور سے اس کا ذکر کرتے ہیں کہ گویا حقیقت بے نقاب ہو کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔"

"ڈارون نے جب تحقیق و تجسس کا آغاز کیا۔ اس وقت اگر وہ قرآن کے دیے ہوئے نقطۂ آغاز (STARTING POINT) سے چلتا تو اس نتیجے پر

پہنچا کہ زندگی کی شکلوں میں یہ تنوع اور تفاضل، جو ایک بے نظیر ترتیب کے ساتھ واحد الخلیۃ بھنگے (UNICELLULAR MOLECULE) سے لے کر انسان تک ہیں نظر آ رہا ہے، یہ ایک حکیم کے منصوبے (DESIGN) کا نتیجہ ہے جو مختلف انواع کی زندگی کے لیے مناسب ماحول اور سازگار حالات فراہم کرنے کے بعد انہیں ان کی مخصوص نوعی خصوصیات کے ساتھ بتدریج وجود میں لاتا چلا گیا ہے اور جن انواع کی ضرورت اس کے خاکے میں باقی نہیں رہی ہے، انہیں مٹاتا بھی رہا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ لوگ منصوبہ ساز (DESIGNER) کو ماننے سے جی چراتے ہیں اور اس کی کارگاہ میں اس کی کارفرمائی کے نشانات دیکھنا نہیں چاہتے اس لیے جو مشہودات ان کے مشاہدے میں آتے ہیں ان کی توجیہہ یہ کسی ایسے طریقے سے کرنا چاہتے ہیں جس سے یہ کارخانہ خود بخود چلتا اور ترقی کرتا ہوا سمجھا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاروِن نے تنوع اور تفاضل کی توجیہہ ارتقاء کے اس نظریے سے کی جو اس کے نام سے مشہور ہے اور یہی وجہ ہے کہ یورپ نے جو اس وقت تک اپنے الحاد کو پاؤں کے بغیر چلا رہا تھا، لپک کر یہ لکڑی کے پاؤں ہاتھوں ہاتھ لیے اور نہ صرف اپنے سائنس کے تمام شعبوں میں بلکہ اپنے فلسفہ و اخلاق اور اپنے علومِ عمران تک میں ان کو نیچے سے نصب کر لیا۔ حالانکہ علمی اور عقلی حیثیت سے اس توجیہہ میں اتنے جھول تھے اور ہیں کہ مشکل ہی سے کوئی صاف دماغ کا آدمی اس کو منظر (PHENOMENA) کی ممکن توجیہات میں سے ایک قابلِ لحاظ توجیہہ قرار دے سکتا ہے۔"

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے مزید فرمایا۔

"موجودہ دور میں جن نظریات نے انسان کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی

کہا ہے، یہ ڈارونیت ان سب کی سردار ہے۔ اس نے انسان کو یقین دلایا ہے کہ تو جانوروں میں سے بس ایک جانور ہے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آدم کی اولاد آج پورے اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں حیوانیت کا برتاؤ کررہی ہے۔ پھر یہ ڈارون ہی کا نظریہ ہے جس نے انسان کے سامنے پورے نظام کائنات کو ایک رزم گاہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور اس کو بتایا ہے کہ نزاع اور جنگ اور کشمکش کی اصل تقاضائے فطرت ہے، اس کشمکش میں جو زورآور ہے وہی زندہ اور کامیاب ہے، وہی صالح اور برحق ہے۔ بخلاف اس کے جو کمزور ہے وہ غیر صالح ہے اور اس کا مٹنا اور فنا ہوجانا قوانین فطرت کا ایک ایسا نتیجہ ہے جس کو برحق ہونا ہی چاہیے" (۹)

مارس بکیلے نے اپنی کتاب میں لفظ مضغہ کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ اس سے مراد چبائی ہوئی بوٹی (CHEWED FLESH) ہے۔ جنین اپنی تشکیل کے بعد ایک ایسی شکل اختیار کرلیتا ہے کہ بظاہر آنکھ سے دیکھنے پر "چبائی ہوئی بوٹی"، نظر آتی ہے۔ ہڈیاں اور دیگر اعضاء کی بناوٹ کا آغاز اس میں ہوتا ہے جسے MESEN CHYMA کہتے ہیں اور جس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے "پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں" ہڈیوں کے تشکیل پا جانے کے بعد ان پر گوشت چڑھ جاتا ہے جسے ایک دوسرے لفظ "لحم" (پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا) سے تعبیر کیا گیا ہے" (۴۴) (تصاویر نمبر ۲۷، ۲۸)

یہی بات ماہنامہ ترجمان القرآن کی ایک اشاعت میں کہی گئی ہے (۲۹) اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ٹورنٹو یونیورسٹی کینیڈا کے ایک ماہر جنینیات (EMBRYOLOGIST) ڈاکٹر کنتھور اور ڈاکٹر رابرٹ ایڈورڈ، کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ جن کی رہنمائی میں کیے گئے تجربات کی بدولت پہلے ٹیسٹ ٹیوب بچے کی پیدائش عمل میں آئی تھی، نے شاہ عبدالعزیز

یونیورسٹی جدہ سعودی عرب میں ایک کانفرنس میں شرکت کی ۔ ڈاکٹر مور اور دیگر ماہرین نے بتایا کہ عرب میں پائی جانے والی جونک اور چوبیس دن کے جنین میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے ۔ نہ صرف یہ بلکہ اس مرحلے میں جنین رحم کی دیوار سے بھی جونک کی طرح لپٹا ہوتا ہے (جسے قرآن نے علقہ کے لفظ سے ادا کیا ہے) تصویر نمبر ۲۰۔ یہ جونک نما جسم بعد میں چبائی ہوئی بوٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے ۔ جسے قرآن نے مضغہ کہا ہے ۔ مزید دلچسپ بات یہ کہ اس مرحلے پر ڈاکٹر مور نے جنین کی اسی حالت کی تشریح کرنے کے لیے پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی چیز تیار کی اور پھر اپنے دانتوں سے اسے چبایا ۔ پھر بتایا کہ اٹھائیس روز کے جنین کی شکل ہو بہو ایسی ہوتی ہے اور اس پر جو نشانات پائے جاتے ہیں وہ بھی دانتوں کے نشانات سے مماثلت رکھتے ہیں ۔ (تصاویر نمبر ۱۹ ، الف ، ب)

اس ضمن میں مناسب ہوگا کہ ہم یہاں ڈاکٹر مور کے وہ الفاظ درج کریں جو انہوں نے اپنی کتاب کے پیش لفظ میں لکھے ہیں (۵۹) پروفیسر موصوف نے شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی میں تین سال تک اس کتاب کی تیاری کے منصوبے پر کام کیا اور دیگر اہل علم کے تعاون سے قرآن کی آیات اور احادیث کی تشریح میں تعاون کیا ۔ انہوں نے لکھا کہ ۔

"میں نے جب پہلی مرتبہ قرآن حکیم کی ان آیات کو پڑھا اور مجھے ان کے معنی کا علم ہوا تو میں حیران رہ گیا کہ ساتویں صدی عیسوی میں قرآن کریم میں تولیدی عمل کی مختلف حالتیں کس صحت اور خوبصورتی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں جب کہ علم الجنین (EMBRYOLOGY) کی ابھی تک بنیاد نہیں پڑی تھی ۔ اگرچہ میں مسلمان سائنس دانوں کے ان سنہری کارناموں سے بخوبی آگاہ تھا جو انہوں نے دسویں صدی عیسوی میں مختلف سائنسی علوم میں سرانجام دیے تھے تاہم مجھے اس بات کا قطعی علم نہ تھا کہ قرآن و حدیث میں اس طرح کے حقائق اور واقعات بھی پائے جاتے ہیں جو سائنس کی تحقیقات کی بدولت ہمیں آج سے

صرف ۵۰، ۶۰ سال قبل معلوم ہوئے تھے۔"

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر جسم کے چند ہی اعضاء کی شناخت ہوسکتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ صرف دل اور آنکھوں کے عدسے کی پہچان ممکن ہوتی ہے اس ضمن میں ڈاکٹر مامور نے حضور اکرمؐ کی چند احادیث کا بھی مطالعہ کیا۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ حمل ٹھہرنے کے ۴۲ روز بعد (ایک جگہ ۴۰ روز کا ذکر ہے) خدا ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو نطفہ کی طرح شئے کو انسانی اعضاء اور شکل دیتا ہے۔ جیسے آنکھیں اور کان ——— علم الجنین کی جدید ترین تحقیقات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ آنکھیں اور کان کے نشانات ٹھیک ۴۲ روز بعد واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں یہ تذکرہ شاید باعث دلچسپی ہو کہ گائیوں میں استقرارِ حمل کے ۲۱-۲۲ دن بعد دل کی حرکت شروع ہو جاتی ہے۔ (۵۰) اور ۳۰ سے ۴۵ دن کے درمیان آنکھیں اور نتھنے نمایاں ہو جاتے ہیں (۵۱)

مارس بکیلے کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں، تولید و تناسل کے عمل کی تشریح میں، قرآنی آیات کے ترجمے اور تشریح کرنے میں جس مغالطے کا امکان ظاہر کیا گیا ہے اور جس کے بارے میں اس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآنی الفاظ اور سائنسی اصطلاحات میں ہم آہنگی و مطابقت پیدا کرنے کے لیے اہل زبان، مفسرین اور سائنس دانوں کی مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہے، اس بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد نے سورۃ المومنون (۲۳: ۱۲-۱۴) کی تشریح میں ایک بہت عمدہ بات فرمائی ہے، جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں (۱)

"چونکہ مراتب پیدائش کی کوئی ایسی انقلابی حالت ہمارے مفسروں کے سامنے نہ تھی اس لیے قدرتی طور پر اس کی کوئی جچتی ہوئی تفسیر ان سے بن نہ آئی۔ اور وہ مختلف وادیوں میں نکل گئے۔ بعض نے کہا اس سے مقصود نفخ روح کی حالت ہے کیونکہ اس مرتبہ سے پہلے روح نہیں ہوتی۔ بعضوں نے کہا یہ شکم مادر سے باہر نکلنے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ وضع حمل اس کے بعد

(ہوتا ہے۔ بعضوں نے کہا مقصود بالوں کا پیدا ہونا ہے، کیونکہ اس سے پہلے)
بال نہیں ہوتے۔ بعضوں نے کہا دانت ہیں۔ دانت اسی مرتبہ میں پیدا ہوتے ہیں
بعضوں نے جمع و تطبیقِ آراء کی راہ اختیار کرنا چاہی تو کہا کہ دراصل مقصود
تمام قویٰ کی تکمیل ہے۔ اس میں بال بھی آ گئے، دانت بھی آ گئے مگر ظاہر ہے
کہ ان میں سے کوئی تفسیر بھی "خَلْقًا آخَرَ" کا تقاضہ پورا نہیں کرتی۔ منطوق کے
اعتبار سے بھی اور مفہوم کے اعتبار سے بھی!"

"اسی طرح پچھلے مراتب تطور کی بھی حقیقت واضح نہ ہو سکی۔ "علقہ" کو جمے ہوئے خون کے معنوں میں لے گئے اور "مضغہ" کو گوشت بن جانے کے معنوں میں۔ اور ترتیب یوں سمجھی گئی کہ پہلے خون پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ کلیجی کی طرح جما ہوا ہوتا ہے پھر یہ منجمد خون گوشت بن جاتا ہے پھر اس گوشت میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر ہڈیوں پر چمڑا چڑھ جاتا ہے۔ اس چمڑے کو "كَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا" میں مجازاً لحم کہا ہے لیکن گو اس مقام کی تشریح و تحقیق کا حق ادا نہ ہو سکا تاہم اسے مفسروں کے قصور فہم پر محمول نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس باب میں وہ یقیناً معذور تھے علم و تحقیق کا یہ گوشہ تمام تر زمانۂ حال کی پیداوار ہے۔ اور زمانۂ حال کی پیداوار میں بھی سب سے آخری عہد کی پیداوار۔ انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ جو تمام علومِ حدثیہ کے انکشاف و تکمیل کا سب سے زیادہ شاندار زمانہ ہے، پورا گزر گیا۔ اور کارخانۂ فطرت کے اس گوشۂ مستور کے تمام حجاب نہ اٹھ سکے۔ پس اگر اٹھارویں صدی کے حکماء معذور تصور کیے جا سکتے ہیں۔ کہ اس بارے میں بالکل غلط رخ پر جا رہے تھے، حالانکہ خوردبین کی ایجاد ہو چکی تھی اور انسانی نعش کی تشریح کا باب مسدود کھل چکا تھا، تو ظاہر ہے نویں اور دسویں صدی کے مفسرین قرآن کیوں معذور نہ تصور کیے جائیں جن کے سامنے اس سے زیادہ کچھ نہ تھا جتنا ارسطو اپنی کتاب الحیوانات میں اور جالینوس اپنے مقالات میں لکھ چکا ہے!"

سورۃ الحج کی درج بالا آیات کی تفسیر میں مولانا مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن

میں یوں رقم طراز ہیں۔ (۳۲)

"ایک دوسری روایت میں جس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ نطفہ جب کئی دور سے گزرنے کے بعد مضغہ گوشت بن جاتا ہے تو اس وقت وہ فرشتہ جو ہر انسان کی تخلیق پر مامور ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے، یارب مخلقہ او غیر مخلقہ (یعنی اس مضغہ سے انسان کا پیدا کرنا آپ کے نزدیک مقدر ہے یا نہیں؟) اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ یہ غیر مخلقہ ہے تو رحم اس کو ساقط کر دیتا ہے۔ یہ تخلیق کے دوسرے مراتب تک نہیں پہنچتا۔ اور اگر حکم مخلقہ ہے تو پھر فرشتہ سوال کرتا ہے، لڑکا یا لڑکی، شقی ہے یا سعید اور اس کی عمر کیا ہے اور اس کا عمل کیسا ہے اور کہاں مرے گا؟ (یہ سب چیزیں اسی وقت فرشتے کو بتلا دی جاتی ہیں۔ ابن کثیر)۔ مخلقہ و غیر مخلقہ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔ (قرطبی)"

مخلقہ اور غیر مخلقہ، حدیثِ مذکور سے ان دونوں کی تفسیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس نطفہ انسانی کا پیدا ہونا مقدر ہوتا ہے وہ مخلقہ ہے اور جس کا ضائع اور ساقط ہو جانا مقدر ہے وہ غیر مخلقہ ہے۔ بعض حضرات مفسرین مخلقہ اور غیر مخلقہ کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جس بچے کی تخلیق مکمل اور تمام اعضاء صحیح سالم اور متناسب ہوں وہ مخلقہ اور جس کے بعض اعضاء ناقص ہوں یا قد اور رنگ وغیرہ غیر متناسب ہو وہ غیر مخلقہ ہے۔"

سورۃ المومنون کی آیات (۱۴-۱۱) کی تفسیر میں مولانا مفتی محمد شفیع نے فرمایا "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ، میں سُلٰلَة بمعنی خلاصہ، اور طین، گیلی مٹی، جس کے معنی یہ ہیں کہ زمین کی مٹی کے خاص اجزا نکال کر اس سے انسان کو پیدا کیا گیا۔ انسان کی تخلیق کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک انسان کا نطفہ دوسرے انسان کی تخلیق کا سبب بنا۔ اگلی آیت میں اس کا بیان ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً سے فرمایا ہے، مطلب

کہ ابتدائی تخلیق مٹی سے ہوئی پھر آگے سلسلۂ تخلیق اسی مٹی کے جز لطیف یعنی نطفہ سے جاری کر دی گئی۔ جمہور مفسرین نے آیت مذکورہ کی تفسیر یہی لکھی ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے سُلٰلَۃٍ مِن طین سے مراد بھی نطفۂ انسانی ہو، کیونکہ وہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذائے انسانی مٹی سے بنی ہے۔ واللہ اعلم۔"

"آیت مذکورہ میں انسانی تخلیق کے سات دور ذکر کیے گئے ہیں سب سے پہلے سُلٰلَۃٍ مِن طِین، دوسرے درجہ میں نطفہ، تیسرے درجے میں علقہ، چوتھے میں مضغہ، پانچویں میں عظام یعنی ہڈیاں، چھٹے دور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا، ساتواں دور تکمیل تخلیق کا ہے یعنی روح پھونکنا۔"

"پھر تخلیق انسانی پر جو سات دور گزرتے ہیں قرآن کریم کی بلاغت دیکھیے کہ ان سب کو ایک ہی انداز سے بیان نہیں فرمایا بلکہ کہیں ایک دور سے دوسرے دور تک انقلاب کو لفظ ثمّ سے تعبیر کیا ہے جو تراخی (تاخیر) یعنی کچھ دیر سے ہونے پر دلالت کرتا ہے اور کہیں اس انقلاب کا ذکر حرفِ فاء سے کیا ہے جو بلا تاخیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝

"اس میں اشارہ اس ترتیب کی طرف ہے جو ایک انقلاب سے دوسرے انقلاب کے درمیان فطرتاً ہوتی ہے کہ بعض انقلابات انسانی عقل کے لحاظ سے بہت مشکل اور بہت دیر طلب ہوتے ہیں، بعض اتنے دیر طلب نہیں ہوتے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ابتدائی تین ادوار کو لفظ ثُمّ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اول سُلٰلَۃ طین پھر اس کو نطفہ کو

صورت میں تبدیل کرنا۔ اس کو لفظ ثُم سے فرمایا۔ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً کیونکہ مٹی سے غذا کا پیدا ہونا پھر غذا کا جزو بدن ہونا پھر اس میں سے جزء خاص کا نطفے کی صورت میں تبدیل ہونا انسانی قیاس کی رو سے بڑا وقت چاہتا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد تیسرا درجہ نطفہ کا گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں تبدیل ہونا یہ بھی ایک طویل وقت چاہتا ہے۔ اس کو بھی ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کے بعد کے تین دور علقہ سے مضغہ، مضغہ سے ہڈیوں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھانا ان سب کا تھوڑی تھوڑی مدت میں ہو جانا مستبعد (مشکل ناممکن) نہیں معلوم ہوتا تو ان تینوں کو حرف فاء سے بیان فرمایا ہے پھر آخری دور جو نفخ روح اور زندگی پیدا کرنے کا ہے، اس کو بھی لفظ ثُمَّ سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ ایک غیر ذی روح جماد میں روح اور حیات پیدا کرنا قیاس عقل میں بڑی مدت چاہتا ہے۔ اس لیے یہاں پھر لفظ ثُمَّ لایا گیا۔"

"خلاصہ یہ ہے کہ ایک دور سے دوسرے دور کی طرف انقلاب جن صورتوں میں انسانی عقل و قیاس کے مطابق دیر طلب اور مدت کا کام تھا وہاں لفظ ثُمَّ سے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور جہاں عام انسانی قیاس کی رو سے زیادہ مدت درکار نہ تھی وہاں حرف فاء سے تعبیر کر کے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔" (۳۲)

اس ضمن میں مزید بحث انگریزی کے چند مقالہ جات سے جو اسلام آباد میں منعقدہ بین الاقوامی کانفرنس میں پیش کیے گئے اور ان میں درج ع.بی کی چند تفاسیر اور کتب لغت کے حوالے سے ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ (۴۸-۴۹، ۵۵، ۶۰، ۶۲، ۶۳)

سورۃ الزمر (۳۹:۶) میں یہ فرمایا۔

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۝

"وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک

کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مقالہ نگاروں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "ایک کے بعد ایک حالت سے مراد وہ تین حالتیں ہیں جنہیں قرآن نے ایک دوسری جگہ پر نطفہ، علقہ، مضغہ، سے تعبیر کیا ہے۔ (اس ضمن میں اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۴۱ پر درج بحث بھی دیکھنی مفید رہے گی) سورۃ المومنون کی آیت ۱۲-۱۴

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی۔ پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا۔ پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر ہے۔"

مقالہ نگاروں کی رائے میں ان اصطلاحوں سے اس قسم کی مختلف حالتیں ظاہر ہوتی ہیں جو شکل و صورت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہوتی ہیں۔ اور اپنے اندرونی ڈھانچے کی وجہ سے بھی ایک دوسرے سے میز کی جا سکتی ہیں۔ قرآن کی ان بیان کردہ اصطلاحوں میں ان کی شکل و صورت اور اندرونی ساخت کے اختلافات، ہر دونوں کو واضح کرنے کا قرینہ پایا جاتا ہے۔

عربی لغت کے اعتبار سے لفظ "نطفہ" کے دو معنی ہوتے ہیں پہلے مفہوم کے اعتبار سے اس کے معنی ایک "قطرے" یا "ذراسی بوند" کے کیے جاتے ہیں (صفحہ نمبر ۱۱۶، ۱۴۸ پر

درج بحث بھی ملاحظہ فرمائیے۔) حدیث کی مشہور کتاب "فتح الباری" مولفہ ابن حجر عسقلانی (۱۱) میں باب "ھل یخرج من المسجد لعلۃ" کے تحت حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

عَنْ ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج وَقَدْ اُقیمت الصلوۃ وَعدلتِ الصفوفُ حتی اذا قام فی مصلاۃ انتظر نا ان یکبر انصرف قَالَ: علی مکانکم فمکثنا علی ھُیتنا، حتی خرج الینا ینطفُ راسہ ماء وقد اغتسَلَ۔

اس حدیث میں خط کشیدہ لفظ "ینطفُ" نطفہ مصدر سے فعل مضارع (حال) ہے جس کے معنی "قطرہ قطرہ ٹپکنا" ہے۔ اسی کتاب کے باب پچیسویں " اذ قال الامام مکانکم" حتی انتظرناہ میں یہی حدیث دوسرے راویوں سے یوں منقول ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال" اقیمت الصلوۃ فسوی الناس صفوفھم فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نتقدم وھو جنبٌ ثم قَالَ: علی مکانکم۔ فرجع فاغتسل، ثم خرج وراسہ یَقْطُرُ مَاءً فصلیّٰ بھم"۔

اس حدیث میں لفظ ینطف کی بجائے یقطر آیا ہے جس کے معنی بھی قطرہ قطرہ ٹپکنے کے ہیں۔ اسی طرح انس بن مالکؓ سے ایک حدیث مسند امام احمد بن حنبل کی تیسری جلد میں روایت ہے جس میں لفظ تنطف لحیتہ من وضوء کے الفاظ آئے ہیں یہ بھی نطفہ مصدر سے فعل مضارع ہے۔ اور جس کے معنی بھی قطرہ قطرہ ٹپکنے کے ہیں (۱۴) عربی کی مشہور لغت لسان العرب مولفہ ابن منظور میں (۱۵) لفظ النّطفُ کے معنی" القطر" اور نطف الماء کے معنی" الصب۔ القطر کیے گئے ہیں یعنی پانی تھوڑا تھوڑا گرنا یا مشک سے پانی کا ٹپکنا ہے اس لفظ کا دوسرا مفہوم " القلیل من الماء"، " الماء القلیل" یعنی پانی کی تھوڑی سی مقدار کے بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح اس کے معنی الماء القلیل یبقی فی القربۃ اور الماء القلیل

یبقی فی الدلو) مشک یا ڈول میں پانی کے چند ٹپکے ہوئے قطرے بیان کیے گئے ہیں۔ اسی قسم کے معنی دیگر مفسرین نے بھی کیے ہیں۔ (۲۱، ۲۲)

ہم گزشتہ صفحات میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ نطفہ کے معنی اس ذراسی بوند کے ہیں جو مادۂ منویہ کی شکل میں مرد سے اور مادہ کے انڈے کی شکل میں بیضہ دان سے خارج ہوتا ہے مرد کا مادۂ منویہ ان کروڑوں کرم منی (SPERMS) پر مشتمل ہوتا ہے جس میں سے صرف ایک کرم منی، بیضہ دان کے انڈے سے مل کر اسے بارآور کرتا ہے۔ اور یوں ان دونوں نطفوں کے ملنے سے قرار حمل ہوتا ہے۔ اس چیز کو قرآن نے ایک دوسری جگہ نطفۂ امشاج (مخلوط نطفہ) (سورۃ الدہر ۷۶: ۲) سے بیان کیا ہے۔ یوں یہ نطفہ رحم میں ایک خاص مدت تک ٹھہرتا ہے جس کے لیے "قرار مکین" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

واضح رہے کہ جس وقت قرآن کریم نے اس حالت کو آج سے قریباً چودہ سو سال قبل بیان کیا، اس وقت تک حتیٰ کہ آج سے قریباً سو سال قبل تک بھی یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان کی پیدائش صرف عورت کے ماہواری کے خون سے ہوتی ہے۔ اسی طرح تولید کے ضمن میں ان غلط نظریات اور عقائد کا بھی کتاب کے گزشتہ ابواب میں احاطہ کیا گیا ہے جو قدیم ترین زمانے سے لے کر حقیقت کی دریافت تک انسانوں کے ذہنوں میں پائے جاتے تھے (۶۲)

اس ضمن میں ایک اور حقیقت جس کی جانب اس جگہ اشارہ کرنا شاید خالی از دلچسپی نہ ہو کہ قرآن وحدیث اور ان سے متعلقہ دیگر علوم کی کتب میں سائنسی موضوعات کے بارے میں بے شمار معلومات اور اشارے پائے جاتے ہیں جنہیں اگر اکٹھا کر کے باقاعدگی کے ساتھ بیان کیا جائے تو اس سے یہ واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ مسلمان نہ صرف علوم عمرانی بلکہ سائنس کے بارے میں بھی ایک مثبت رویہ رکھتے تھے۔ اور ان کی سوچ بہت حد تک اس رویہ پر مبنی تھی جس پر آج کی دنیا SCIENTIFIC ATTITUDE کے نام سے نازاں ہے اور مسلمان نوجوانوں کو جس کے فریب میں مبتلا کر کے اسلام اور قرآن سے برگشتہ

کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ہم اس مثبت رویے اور معلومات کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جو عیسائی پادریوں کے برعکس مسلمان علما اور مفسرین و محدثین، سائنسی علوم کے بارے میں رکھتے تھے اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دور عروج میں سائنس کے میدان میں بہت ترقی ہوئی۔ لیکن جیسا کہ اس کتاب کے دیباچے اور باب چہارم میں واضح کیا گیا ہے کہ قرآن کریم یا کتب تفاسیر و احادیث چونکہ سائنس کے موضوع سے براہ راست متعلق نہ تھیں اس لیے ان میں یہ تمام معلومات ایک ترتیب کے ساتھ اس طریق پر نہیں پائی جاتیں جس طرح کہ آج کا انسان یا طالب علم، انہیں پڑھنے کا عادی ہے۔

مثال کے طور پر کیمسٹری کی کتاب میں جس طریق پر علم کیمیا کے بنیادیات سے بات شروع کر کے اس کی تفصیلات کو تدریجاً بیان کیا جاتا ہے اور پھر انسانی، نباتاتی یا حیوانی زندگی کے حوالے سے مشکل ترین موضوعات اور عوامل کے بارے میں معلومات پیش کی جاتی ہیں۔ آج کا انسان جب اس قسم کی ترتیب قرآن کریم یا کتب احادیث میں نہیں پاتا تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے یا کر دیا جاتا ہے کہ قرآن صرف ایک "مذہبی کتاب" ہے اور مذہب کے بارے میں بھی اس کے ذہن میں پوجا پاٹ کرنے والے کسی مذہب (ہندومت یا عیسائیت) کا محدود تصور ہوتا ہے۔

قرآن کریم کے بارے میں اس غلط رویے کا نتیجہ ہے کہ انسان نے اس سے بے اعتنائی برتی اور نہ صرف خود ٹھوکریں کھائیں بلکہ سائنسی اور علمی ترقی کی راہ میں بھی رکاوٹ ڈالی۔ بہرحال ہم بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمان علماء نے سائنسی موضوعات کے بارے میں جو گرانقدر معلومات اپنے لٹریچر میں درج کی ہیں، ان کا اپنا ایک طریقہ اور سٹائل ہے جو قدیم زمانے کے سٹائل اور علمی مزاج کے عین مطابق تھا۔

مثال کے طور پر فتح الباری کی جس حدیث کا درج بالا سطور میں حوالہ دیا گیا ہے

وہ کتاب الاذان کے تحت باب "هل يخرج من المسجد لعلة اي ضرورة" (کیا مسجد سے کسی ضرورت کے تحت نکلا جا سکتا ہے) کے تحت درج کی گئی ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث بھی کتاب الاذان کے باب اذ قال الامام مكانكم حتى رفع انتظروه (جب امام ٹھہرنے کے لیے کہے تو اس کی واپسی تک انتظار کرنا ضروری ہے) کے تحت درج کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ موضوع زیر بحث کے حوالے سے آج کا جدید تعلیم یافتہ انسان جب اس قسم کی معلومات کسی مدون شکل میں نہیں پاتا تو شاید اسے مایوسی ہوتی ہو اور وہ یہ سمجھنے میں بھی کسی حد تک حق بجانب ہو کہ مسلمان علمائے اس قسم کے موضوعات پر کوئی کام نہیں کیا اور یہ موضوعات صرف مغرب ہی کے اہل علم اور سائنس دانوں کے دریافت کردہ ہیں لیکن ہم نے تولید و تناسل کے موضوع پر جس طریق پر قرآن کریم کی تعلیمات کو پیش کیا ہے اور علماء و مفسرین کی گراں قدر خدمات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اس سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہونے میں مدد مل سکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان نوجوان، سائنس دان اور اہل علم اس قسم کے دیگر موضوعات پر قلم اٹھائیں اور مغرب کے اس سحر کو توڑیں۔ علامہ اقبال کی یہ خواہش کہ

"بولہب را حیدرِ کرار کن"

ہم سے اسی بات کا تقاضا کرتی ہے!

لفظ علقہ کے بھی مختلف معنی اور مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ مفسرین کی ایک بہت بڑی تعداد نے علقہ کا مطلب "جمے ہوئے خون" یا "خون کی پھٹکی" بیان کیا ہے۔ اہل لغت (۱۶، ۱۷) نے بھی اسے صرف خون یا جمے ہوئے خون کے معنوں میں بیان کیا ہے۔ علقہ کا ایک مفہوم "تازہ خون" کے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جو جس جگہ سے گزرتا ہے وہاں پر چپک جاتا ہے۔ علقہ کا تیسرا مفہوم جونک کی ایک خاص قسم کے بھی بیان کیا گیا ہے جو نالابوں میں رہتی ہے اور جانوروں کے خون سے سیراب ہوتی ہے (۱۸، ۱۹)

(اس ضمن میں بحث کتاب کے صفحہ نمبر ۴۳ پر بھی دیکھی جا سکتی ہے)
علقہ لفظ تعلق سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی چیز سے جڑے ہونے" اور لٹکے ہونے کے ہیں۔ مسند احمد (۱۹) کی جلد سوم میں ایک حدیث حضرت ابو طلحہ اور ان کی بیوی ام سلیم کے متعلق مروی ہے جس میں لفظ علقت بمعنی حاملہ ہونے کے آیا ہے۔ اسی طرح مسند احمد کی جلد ۵ (۲۰) میں سلمان کی روایت میں پودے لگانے اور زمین میں ان کے جڑ پکڑنے کے ضمن میں لفظ "علقت" استعمال ہوا ہے۔

قرآن کریم میں لفظ علقہ ان تمام معنی اور مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مرد اور عورت کے نطفوں کے باہم دگر ملنے کی صورت میں جب قرار حمل واقع ہو جاتا ہے تو یہ نطفہ (نطفہ امشاج) رحم مادر میں تیرتا پھرتا ہے اور چھٹے دن یہ رحم کی دیواروں کے ساتھ جڑنا شروع ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ رحم کی دیواروں کے ساتھ مکمل طور پر جڑ جاتا ہے۔ نطفے کی یہ حالت اس آخری مفہوم کی صحیح عکاسی کرتی ہے جو درج بالا بحث میں ہم کر چکے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم نطفے سے جونک کا مفہوم لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرار حمل کے بعد نشوونما کے دوران نطفے کی گول حالت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور یہ ایک لمبوتری سی جونک کی شکل اختیار کر جاتا ہے جو اپنی ماں کے خون سے غذائیت حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور یوں یہ ایک ایسی جونک کے مشابہ ہو جاتا ہے جو جانور یا انسان کا خون پی کر اپنی غذائیت حاصل کرتی ہے (تصویر نمبر ۳۰)
اس کے علاوہ اگر ہم علقہ کے معنی خون کی پھٹکی کے لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ قرار حمل کے بعد ابتدائی دور میں جنین کی ظاہری شکل وصورت خون کی پھٹکی کی مانند ہوتی ہے۔ یہ شکل حمل ٹھہرنے کے تیسرے ہفتے سے واضح ہونی شروع ہو جاتی ہے جب کہ خون کی لکیریں جنین میں پھیلتی شروع ہوتی ہیں اور یوں خون کے گردش کرنے کی ایک ابتدائی شکل بن جاتی ہے اگرچہ تیسرے ہفتے تک جنین میں دوران خون شروع نہیں ہوتا تاہم اکیسویں دن جنین کا دل کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ (اس بارے میں تفصیلاً بحث گزشتہ صفحات میں

کی گئی ہے۔

نطفے کی تیسری حالت مضغہ کی ہوتی ہے جس کے مختلف معانی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

مضغہ کے ایک معنی کسی ایسی چیز کے ہیں جسے دانتوں تلے چبایا گیا ہو۔ الزبیدی (۲۱) نے ایک فعل کی ماضی کی حالت مضغہ کے حوالے سے بیان کی ہے جس کے معنی دانت سے چبانے کے ہیں۔ اسی طرح ابن فارس (۱۷) نے اپنی لغت میں یہ لکھا کہ اس کی اصل میم۔ ضاد اور غین ہیں۔ جس کے معنی خوراک چبانے کے ہیں۔ اسی طرح ابنِ منظور (۱۴) نے اس کے دوسرے معنی قلیل یا چھوٹی اشیاء کے بیان کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اسی مصنف نے مضغہ لفظ کی تشریح کرتے ہوئے تین احادیث بیان کی ہیں جس میں زبان اور دل کو مضغتان سے تعبیر کیا ہے اور ایک حدیث یوں بیان کی ہے۔

ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یومًا نطفہ
ثم اربعین یومًا علقۃ ثم اربعین یومًا مضغۃ ثم
یبعث اللہ الیہ الملک۔

کہ تم میں سے ہر شخص کا ماں کے پیٹ میں پیدا ہونا چالیس دن تک نطفہ اور چالیس دن تک علقہ اور چالیس دن تک مضغہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔

اس کے علاوہ مضغہ کے معنی اکثر مفسرین نے ایک ایسی گوشت کی بوٹی کے کیے ہیں جسے چبایا جا سکے۔

ان توجیہات کی روشنی میں جب ہم گزشتہ صفحات میں درج بحث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جدید سائنس کی معلومات جو آج مختلف اقسام کے طاقتہ خوردبینوں وغیرہ کی مدد سے دیکھی گئی ہیں، کس طریق پر مفسرین اور دیگر اہل علم کی توضیحات

کی تائید کرتی ہیں۔

نطفہ کی چوتھی اور پانچویں حالت (عظاماً اور لحماً) بیان کی گئی ہیں جن کی تشریح بھی گزشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں مضغہ جو اب تک ایک جونک نما جسم تھا، میں ہڈیاں بننی شروع ہوتی ہیں جسے قرآن نے عظاماً سے تعبیر کیا اور بعد میں ان ہڈیوں پر گوشت کی تہہ چڑھ جاتی ہے۔ (تصویر نمبر ۲۷، ۲۸)

نطفے کی پہلی سے پانچویں حالت تک کے دور کو حالتِ جنین کہا جاتا ہے۔ پانچویں حالت کے خاتمے کے بعد جسے سورۃ المومنون کی آیت ۱۳-۱۴ میں ثم انشاناہ خلقاً آخر کہا گیا ہے ایک ایسی حالت ہے جس میں جنین میں روح یا جان پھونکی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ نشاۃ اور انشاناہ اسم اور فعل کی حالتیں ہیں جن کا مادہ یا مصدر نشاء ہے۔ لغت کے لحاظ سے اس کے دو معنی لیے جاتے ہیں۔ اس کا ایک مطلب نشو و نما پانا اور بڑھنا ہے۔ دوسرا مطلب اٹھنا اور کھڑا ہونا۔ (۱۳، ۱۷)

سورۃ المومنون کی ان آیات کے معنی ہیں کہ "پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا"۔ مختلف مفسرین قرآن نے ان آیات کے یہ معنی سمجھے ہیں کہ رحمِ مادر میں بچے میں روح پھونکی جاتی ہے (۲۲) اور دوسرے معنوں کے لحاظ سے رحمِ مادر میں پلنے والے بچے کو ایک ایسی بولتی چالتی سننے اور دیکھنے سے متصف ذی روح کی شکل دی جا سکتی ہے۔ پہلے معنوں کے لحاظ سے نطفے کی حالت علقہ، علقہ سے مضغہ اور مضغہ سے عظاماً اور لحماً حالتوں کے بعد، نشو و نما اور بڑھنے کی حالت آتی ہے۔ جس میں مختلف جسمانی اعضاء کی تشکیل ہوتی ہے جس کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں درج کی جا چکی ہیں۔

ان آیات کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں "کہ اگر آدمی صرف اپنی پیدائش ہی پر غور کرے تو معلوم ہو جائے کہ ایک ایک انسان کی ہستی میں اللہ کی حقیقی اور واقعی تدبیر ہر وقت بالفعل کار فرما ہے۔ اور ہر ایک کے وجود اور نشو و نما کا ایک ایک

مرحلہ اس کے ارادی فیصلے پر ہی طے ہوتا ہے۔ ایک ایک فردِ انسانی جس طرح وجود میں آتا ہے۔ پھر جس طرح وہ وجود کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے اس میں ایک حکیم و قادر مطلق ہستی کا ارادی فیصلہ کس شان سے کام کر رہا ہے۔ آدمی جو غذا کھاتا ہے اس میں کہیں انسانی تخم (SPERMATOZOA) موجود نہیں ہوتا۔ نہ اس میں کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو نفسِ انسانی کے خواص پیدا کرتی ہو۔ یہ غذا جسم میں جا کر کہیں بال، کہیں گوشت، کہیں ہڈی بنتی ہے، اور ایک خاص مقام پر پہنچ کر یہی اس نطفے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ انثیٰ (عورت) کے اندر انسان بننے کی استعداد رکھنے والے تخم موجود ہوتے ہیں۔ ان تخموں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ ایک وقت میں ایک مرد سے جتنا نطفہ خارج ہو جاتا ہے اس کے اندر کئی کروڑ تخم (۱۰ ملین کرم منی فی ملی لٹر) پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک بیضۂ انثیٰ سے مل کر انسان بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر یہ کسی حکیم و قدیر اور حاکم مطلق کا فیصلہ ہے جو ان بے شمار امیدواروں میں سے کسی ایک کو کسی خاص وقت پر چھانٹ کر بیضۂ انثیٰ سے ملنے کا موقع دیتا ہے۔ اور اس طرح استقرارِ حمل رونما ہوتا ہے۔ پھر استقرار کے وقت مرد کے تخم اور عورت کے بیضی خلیے کے ملنے سے جو چیز ابتداءً بنتی ہے (ZYGOTE) وہ اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ خوردبین کے بغیر نہیں دیکھی جا سکتی۔ یہ حقیر سی چیز نو ماہ اور چند روز میں رحم کے اندر پرورش پا کر جن بے شمار مرحلوں سے گزرتی ہوئی ایک جیتے جاگتے انسان کی شکل اختیار کرتی ہے، ان میں سے ہر مرحلے پر غور کرنے سے تمہارا دل خود گواہی دے گا کہ یہ سب کچھ ایک حکیم و دانا کے حکم و ارادے سے سرانجام پا رہا ہے۔ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کسے تکمیل کو پہنچاتا ہے اور کسے خون کے لوتھڑے یا گوشت کی بوٹی یا ناتمام بچے کی شکل میں ساقط کر دیتا ہے۔ کس کو مرد بناتا ہے اور کس کو عورت۔ یہ تخلیق و تشکیل کا عمل، جو ہر روز کروڑوں عورتوں کے رحموں میں ہو رہا ہے اور اس کے دوران میں کسی وقت کسی مرحلے پر بھی ایک خدا کے سوا دنیا کی کوئی طاقت ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہو سکتی بلکہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ

کس پیٹ میں کیا چیز بن رہی ہے اور کیا بن کر نکلنے والی ہے۔ حالانکہ انسانی آبادیوں کی قسمت کے کم از کم نوے فیصد فیصلے ان ہی مراحل میں ہو جاتے ہیں اور یہیں افراد ہی کے نہیں قوموں بلکہ پوری نوعِ انسانی کے مستقبل کی شکل بنائی یا بگاڑی جاتی ہے۔ یہاں بھی ایک غالب ارادہ کار فرما نظر آتا ہے اور غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کی کار فرمائی کس عالمگیر تدبیر و حکمت پر مبنی ہے۔ جس کے مطابق وہ افراد ہی کے نہیں بلکہ قوموں اور ملکوں کی قسمت کے فیصلے کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کسی کو اس میں شک ہے کہ اللہ "حق" ہے اور صرف اللہ ہی "حق" ہے تو بے شک وہ عقل کا اندھا ہے۔" (۳)

سورۃ المومنون کی آیات کی تشریح میں مولانا مودودیؒ یوں رقم طراز ہیں۔

"کوئی خالی الذہن آدمی بچے کو ماں کے رحم میں پرورش پاتے دیکھ کر یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہاں وہ انسان تیار ہو رہا ہے جو باہر جا کر عقل و دانائی اور صنعت کے یہ کچھ کمالات دکھائے گا اور ایسی ایسی حیرت انگیز قوتیں اور صلاحیتیں اس سے ظاہر ہوں گی۔ وہاں وہ ہڈیوں اور گوشت پوست کا پلندہ سا ہوتا ہے جس میں وضعِ حمل کے آغاز تک زندگی کی ابتدائی خصوصیات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ نہ سماعت، نہ بصارت، نہ گویائی، نہ عقل و خرد نہ اور کوئی خوبی مگر باہر آ کر وہ چیز ہی کچھ اور بن جاتا ہے جس کو پیٹ والے جنین سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ اب وہ ایک سمیع و بصیر اور ایک ناطق وجود ہوتا ہے۔ اب وہ تجربے اور مشاہدے سے علم حاصل کرتا ہے۔ اب اس کے اندر ایک ایسی خودی ابھرنی شروع ہوتی ہے جو بیداری کے پہلے ہی لمحے سے اپنی دسترس کی ہر چیز پر تحکم جتاتی اور اپنا زور منوانے کی کوشش کرتی ہے۔ پھر جوں جوں وہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی ذات میں یہ "چیزِ دیگر" ہونے کی کیفیت نمایاں تر اور افزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ جوان ہوتا ہے تو بچپن کی نسبت کچھ اور ہوتا ہے۔ ادھیڑ ہوتا ہے تو جوانی کے مقابلے میں کوئی اور چیز ثابت ہوتا ہے۔ بڑھاپے کو پہنچتا ہے تو نئی نسلوں کے لیے یہ اندازہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کا بچپن کیا تھا اور

جوانی کیسی تھی۔ اتنا بڑا تغیر کم از کم اس دنیا کی کسی دوسری مخلوق میں واقع نہیں ہوتا۔ کوئی شخص ایک طرف کسی پختہ عمر کے انسان کی طاقتیں اور قابلیتیں دیکھے اور دوسری طرف یہ تصور کرے کہ پچاس ساٹھ برس پہلے ایک روز جو بوند ٹپک کر رحم مادر میں گری تھی۔ اس کے اندر یہ سب کچھ بھرا ہوا تھا تو اس کی زبان سے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کے الفاظ نکلیں گے۔" (۴)

سورۃ القیامۃ (۷۵ : ۳۷۔۳۹) میں فرمایا

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۙ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۙ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ؕ

"کیا وہ ایک حقیر نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا گیا؟ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضا درست کیے، پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں۔"

ان آیات کی تشریح میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ ابتدائی نطفے سے تخلیق کا آغاز کر کے پورا انسان بنا دینے تک کا سارا فعل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے ان کیلیے یہ ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ، انسان کو مرنے کے بعد بھی زندہ کر سکتا ہے ان کی عقل یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتی کہ جو خدا اس طرح انسان کو دنیا میں پیدا کرتا ہے وہ دوبارہ بھی اسی انسان کو وجود میں لے آنے پر قادر ہے۔ رہے وہ لوگ جو اس صریح حکیمانہ فعل کو محض اتفاقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اگر ہٹ دھرمی پر تلے ہوئے نہیں ہیں تو آخر ان کے پاس اس بات کی کیا توجیہہ ہے کہ آغازِ آفرینش سے آج تک دنیا کے ہر حصے اور ہر قوم میں کس طرح ایک ہی نوعیت کے تخلیقی فعل کے نتیجے میں

لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش مسلسل اس تناسب سے ہوتی چلی جا رہی ہے کہ کہیں کسی زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی انسانی آبادی میں صرف لڑکے یا لڑکیاں ہی پیدا ہوتی چلی جائیں، اور آئندہ اس کی نسل چلنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ کیا یہ بھی اتفاق ہی سے ہوتا چلا جا رہا ہے؟ ——— اتنا بڑا دعویٰ کرنے کے لیے آدمی کو کم از کم اتنا بے شرم نہ ہونا چاہیے کہ وہ بے تکلف ایک روز یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ لندن، نیویارک، ماسکو اور پیکنگ اتفاقاً آپ سے آپ بن گئے۔" (۱۷)

سورۃ الدہر (۷۶: ۱-۲) میں فرمایا۔

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ق صلے

"کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا، ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔"

"آیت زیرِ بحث میں سوالیہ فقرے سے مقصود انسان سے صرف یہی اقرار کرانا نہیں ہے کہ فی الواقع اس پر ایک وقت ایسا گزرا ہے بلکہ اسے یہ سوچنے پر مجبور کرنا بھی ہے کہ جس خدا نے اس کی تخلیق کا آغاز ایسی حقیر سی حالت سے کر کے اسے پورا انسان بنا کھڑا کیا وہ آخر اسے دوبارہ پیدا کرنے سے کیوں عاجز ہو گا؟"

"دوسرا فقرہ ہے "حین من الدھر" ——— دہر سے مراد وہ لامتناہی زمانہ ہے جس کی نہ ابتدا انسان کو معلوم ہے نہ انتہا، اور حین سے مراد وہ خاص وقت ہے جو اس لامتناہی زمانے کے اندر کہیں پیش آیا ہو۔"

کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس لامتناہی زمانے کے اندر ایک طویل مدت تو ایسی گزری ہے جب سرے سے نوعِ انسانی ہی موجود نہ تھی۔ پھر اس میں ایک وقت ایسا آیا جب انسان نام

کی ایک نوع کا آغاز کیا گیا۔ اور اسی زمانے کے اندر ہر شخص پر ایک ایسا وقت آیا جب اسے عدم سے وجود میں لانے کی ابتدا کی گئی۔"

"تیسرا فقرہ ہے "لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا"

یعنی اس وقت وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔ اس کا ایک حصہ باپ کے نطفے میں ایک خوردبینی کیڑے (کرم منی SPERMATOZOA) کی شکل میں اور دوسرا حصہ ماں کے نطفے میں ایک خوردبینی بیضے (OVUM) کی شکل میں موجود تھا۔ مدت ہائے دراز تک تو انسان یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ دراصل وہ اس کیڑے اور بیضے کے ملنے سے وجود میں آتا ہے۔ استقرارِ حمل (CONCEPTION) کے وقت ان دونوں قسم کے خلیات کے ملنے سے جو (ZYGOTE) وجود میں آتا ہے وہ ایک ایسا ذرۂ بے مقدار ہوتا ہے کہ اسے بھی خوردبین کی مدد سے ہی دیکھا جا سکتا ہے اور اسے دیکھ کر بھی بادی النظر میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کوئی انسان بن رہا ہے۔ نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حقیر سی ابتدا سے نشوونما پاکر کوئی انسان اگر بنے گا تو وہ کس قدوقامت، کس شکل وصورت، کس قابلیت اور شخصیت کا انسان ہوگا۔ نیز اس آیت میں مزید ایک بہت اہم بات جس کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ مخلوط نطفے سے مراد یہ ہے کہ انسان کی پیدائش مرد اور عورت کے دو الگ الگ نطفوں سے نہیں ہوئی ہے بلکہ دونوں نطفے مل کر جب ایک ہو گئے تب اس مرکب نطفے سے انسان پیدا ہوا۔" (۷)

"مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ میں لفظ "امشاج"، جمع ہے مشج اور مشیج کی۔ اس کے معنی ملی جلی اور مخلوط چیز کے ہیں۔ (اسی لیے اس کا ترجمہ "مخلوط نطفے" سے کیا گیا ہے) امشاج اگرچہ جمع ہے لیکن یہ ان الفاظ میں سے ہے جو جمع ہونے کے باوصف مفرد الفاظ کی صفت کے طور پر آتے ہیں۔ نطفہ کے مخلوط ہونے سے اس کا مختلف قویٰ (عناصر) سے مرکب ہونا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور مرد و عورت کے نطفوں کا امتزاج بھی۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ جہاں مختلف

عناصر اور متضاد طبائع اور مزاجوں کا امتزاج ہو وہاں ان کے اندر ایسا اعتدال و توازن برقرار رکھنا کہ پیش نظر مقصد کے مطابق صالح نتیجہ برآمد ہو، بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ کام ایک حکیم و قدیر کی نگرانی میں ہو، کسی اتفاقی حادثہ کے طور پر اس طرح کے حکیمانہ کام کا وقوع ممکن نہیں ہے۔" (۲۵)

اس ضمن میں یہاں مسند امام احمد کی ایک حدیث کا حوالہ باعث دلچسپی ہوگا جس میں ایک یہودی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ "اے محمدؐ! انسان کی تخلیق کس چیز سے کی گئی ہے؟" ———— حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "اے یہودی، انسان کی تخلیق، عورت اور مرد دونوں کے نطفوں کے باہم ملنے سے ہوتی ہے۔" یہاں بھی نطفے سے مقصود نہ صرف مرد اور عورت کے حیوانی خلیے اور بیضے سے ہے بلکہ بہت سے خلیوں (کروڑوں) اور بہت سے بیضوں (ہزاروں جو عورت کے خصیۃ الرحم (OVARIES میں ہوتے ہیں) کی ایک قلیل مقدار سے ہے (۵۹) اسی طرح صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب العزل میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ بچے کی پیدائش، اس تمام مائع (بہنے والی چیز) یعنی مادۂ منویہ سے نہیں ہوتی۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد سے جس قدر مادۂ منویہ، ایک مرتبہ کے انزال میں خارج ہوتا ہے، وہ تمام عورت کے بیضے کو بارور کرنے کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔

موجودہ تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مرد کے ایک مرتبہ کے انزال سے اوسطاً ۳ء۵ ملی میٹر مادۂ منویہ حاصل ہوتا ہے۔ اس مادۂ منویہ میں ۲۰۰ سے ۵۰۰ ملین سپرم یا حیوانی خلیے ہوتے ہیں جو کہ مباشرت کے بعد عورت کے رحم کے بیرونی حصے (CERVIX) کی طرف پائے جاتے ہیں۔ یہ حیوانی خلیے تولیدی نالی میں پائے جانے والی رطوبتوں میں تیرتے ہوئے اور رحم کے بار بار سکڑنے کی وجہ سے رحم کے اندرونی حصوں کی طرف اپنا سفر شروع کرتے ہیں۔ (تصویر ع ۶)

اور یوں مختصر وقت میں بارآوری کی جگہ پر پہنچ کر بیضے کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ اور یوں قرارِ حمل واقع ہو جاتا ہے۔ بہر حال سپرمز کی اتنی بڑی تعداد کے باوجود صرف ۳۰۰ سے ۵۰۰ خلیے بارآوری کے مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ جب کہ حیوانی خلیوں کی بہت بڑی تعداد درمیانی راستے ہی میں مر جاتے ہیں۔ ان خلیوں میں سے بھی صرف ایک خلیہ اس قابل ہوتا ہے جو بیضے کے ساتھ مل کر جنین (ZYGOTE) کی صورت اختیار کرتا ہے۔ (تصویر نمبر ۳۱)۔ یہ جنین تقسیم کے عمل کے ذریعے ۲، ۴، ۸ خلیوں میں تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں (تصاویر نمبر ۵، ۷، ۸، ۱۳، ۱۴)۔ تصویر نمبر ۳۲ میں ایک سپرم کو بیضے میں داخل ہوتے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس تصویر کے حصہ A میں چار سپرم، بیضے میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس چوکھٹے میں داخل ہونے والے چار حیوانی خلیات کو تصویر کے حصہ B میں بڑا کر کے دکھایا گیا ہے۔ اس میں سپرم نمبر ۱ کو ایسی حالت میں دکھایا گیا ہے جسے سائنس کی اصطلاح میں (CAPACITATION) کا عمل کہتے ہیں۔ مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ قبل اس کے کہ ایک سپرم، بیضۂ اناث کے بیرونی پردوں ZONAPELLUCIDA اور CORONA RADIATA کو توڑ کر اس میں داخل ہو سکے اور یوں بارآوری (FERTILIZATION) کا عمل مکمل ہو، اسے کچھ عرصہ (تقریباً ۷ گھنٹے) درکار ہوتے ہیں جس میں وہ تازہ دم ہو کر اس نئی مہم کو شروع کر سکیں۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تقریباً ۳۰۰ ملین حیوانی خلیوں میں سے صرف ۳۰۰ سے ۵۰۰ خلیے اس جگہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں جہاں بیضے کے ساتھ مل کر بارآوری کا عمل پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ اس دوران، عورت کے تولیدی اعضاء میں، بیضے کی تلاش میں سرگرداں رہنے کی بنا پر ان میں سے بہت بڑی تعداد مر کھپ جاتی ہے۔ اس تصویر میں (ب) دیکھا جا سکتا ہے کہ سپرم) کے منہ ACROSOME میں متعدد خمیری مادے (عناصر ENZYMES) ہوتے ہیں۔ سپرم نمبر ۲ میں منہ کے اس حصے میں شگاف

پڑنے شروع ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر وہ بیضہ کی بیرونی دیواروں میں داخل ہو کر اس کی اندرونی دیوار (ZONA PELLUCIDA) میں شگاف ڈال رہا ہے۔ اس عمل کو مختلف خمامرے (ENZYMES) پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ سپرم نمبر ۴ میں دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ سپرم بیضہ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس جگہ سپرم کے سر کے گرد جو بیرونی خول (ACHROSOME) تھا، وہ ختم ہو گیا ہے اور یوں سپرم کا مرکزہ جس میں کروموسوم ہوتے ہیں، بیضے کے مرکزے سے مل کر بار آوری کے عمل کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں اس عمل کی مزید وضاحت تصاویر نمبر ۳۳ میں کی گئی ہے (۵۹)

قرآن کے ان انقلابی انکشافات کی اصل اہمیت اور انسانی زندگی پر اس کے دور رس اور ہمہ گیر اثرات کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں گزشتہ صفحات میں درج اس تفصیل کا ایک بار پھر جائزہ لینا چاہیے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان نے اس دور میں جسے ہم تاریخ کی وجہ سے جانتے ہیں، اس موضوع پر کیا کیا ٹھوکریں کھائیں اور کس طرح ۱۸۵۳ء میں (آج سے قریباً ۱۳۰ سال قبل) اسے یہ معلوم ہوا کہ بیضہ اور کرم منی کے ملاپ کے ذریعے بار آوری (FERTILIZATION) کا عمل شروع ہوتا ہے۔ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم نے دنیا میں سب سے پہلے اس بات کا انکشاف کیا کہ تولیدی عمل ایک تدریجی اور (DEVELOPMENT) کا عمل ہے۔

انسان نے گزشتہ تیرہ سو سالوں میں جو ٹھوکریں کھائیں اور جو جو نظریات پیش کیے اور جن کا بطلان ۱۸۵۳ء میں درج بالا دریافت کے بعد ہوا۔ اس کی کہانی اپنے اندر سبق کے بے شمار پہلو رکھتی ہے لیکن یہی ایک پہلو کیا کم اہم ہے کہ اگر انسان نے قرآن کریم کی اس حکمت اور دانائی پر مبنی رہنمائی پر ۶۱۰ء میں غور کر لیا ہوتا تو اس پر ایک طویل دور ایسا نہ گزرتا جس میں وہ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہا اور یوں انسانیت اتنے طویل عرصے تک جہالت اور گمراہی میں مبتلا نہ رہتی!

اسی طرح سورہ المرسلت (۷۷ : ۲۰-۲۲) میں فرمایا۔

أَلَمْ نَخْلُقكُّمْ مِنْ مَاءٍ مَّهِينٍ ٥ فَجَعَلْنَٰهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ٥

"کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تمہیں پیدا نہیں کیا اور ایک مقررہ مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ ٹھہرائے رکھا؟"

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ "مقررہ مدت کا صرف یہی مطلب نہیں کہ وہ مدت مقرر ہے بلکہ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اس کی مدت اللہ کو معلوم ہے۔ کسی بچے کے متعلق کسی ذریعے سے بھی انسان کو یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ کتنے مہینے، کتنے دن، کتنے گھنٹے، کتنے منٹ اور کتنے سیکنڈ ماں کے پیٹ میں رہے گا۔ اور اس کا ٹھیک وقت ولادت کیا ہوگا؟ اللہ ہی نے ہر بچے کے لیے ایک خاص مدت مقرر کی ہے اور وہی اس کو جانتا ہے۔"

اس آیت سے مزید یہ بھی پتہ چلا کہ "رحم مادر جس میں استقرارِ حمل ہوتے ہی بچے کو اتنی مضبوطی کے ساتھ جمایا جاتا ہے اور استنے انتظامات اس کی حفاظت و پرورش کے کیے جاتے ہیں کہ کسی شدید حادثے کے بغیر اس کا اسقاط نہیں ہوسکتا اور مصنوعی اسقاط کیلیے بھی غیر معمولی تدابیر اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ جو فن طب کی جدید ترین ترقیات کے باوجود خطرے اور نقصان سے خالی نہیں۔" (۷)

سورۃ الطارق (۸۶ : ۵-۷) میں فرمایا۔

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ٥ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ۙ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ٥

"پھر ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے بنایا گیا ہے۔ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرمایا۔

"دراصل میں صلب اور ترائب کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ صلب ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ اور ترائب کے معنی سینے کی ہڈیاں یعنی پسلیاں ہیں چونکہ عورت اور مرد دونوں کے مادۂ تولید انسان کے اس دھڑ سے خارج ہوتے ہیں جو صلب اور سینے کے درمیان واقع ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ انسان اُس پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے علم الجنین کی رو سے یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جنین (FOETUS) کے اندر انثیین (TESTES) یعنی وہ غدود جن سے مادہ منویہ پیدا ہوتا ہے۔ ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان گردوں کے قریب واقع ہوتے ہیں جہاں سے بعد میں یہ آہستہ آہستہ فوطوں (SCORTUM) میں اتر جاتے ہیں۔ یہ عمل ولادت سے کچھ پہلے اور بعض اوقات اس کے کچھ بعد ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کے اعصاب اور رگوں کا منبع ہمیشہ وہی مقام (بین الصلب والترائب) ہی رہتا ہے۔ بلکہ اُن کی شریان، پیٹھ کے قریب شہ رگ (AORTA) سے نکلتی ہے اور پورے پیٹ کا سفر طے کرتی ہوئی ان کو خون مہیا کرتی ہے۔ اسی طرح حقیقت میں انثیین پیٹھ ہی کا جزو ہیں جو جسم کا زیادہ درجہ حرارت برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے فوطوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ (جدید تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جسم کے زیادہ درجہ حرارت کی وجہ سے انثیین میں مادہ منویہ (کرم منی کی پیدائش کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور بالآخر وہ نر جانور بانجھ ہو جاتے ہیں جن کے انثیین۔ ایک یا دونوں، جسم کے باہر فوطوں میں منتقل نہیں ہوتے ایسی حالت کو جانوروں میں (CRYPTORCHIDISM) کہا جاتا ہے

اور وہ جانور نسل کشی کے لیے استعمال نہیں کیے جاتے جو اس عارضے میں مبتلا ہوں[1])۔ علاوہ بریں مادۂ منویہ اگرچہ انثیین پیدا کرتے ہیں اور وہ کیسۂ منویہ (SEIMINAL VESICLES) میں جمع ہو جاتا ہے، مگر اس کا مرکز تحریک بین الصلب والترائب ہی ہوتا ہے اور دماغ سے اعصابی رو جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک (TRIGOR [illegible]) سے کیسۂ منویہ سکڑتا ہے اور اس سے ماء دافق پچکاری کی طرح نکلتا ہے۔" (۷)

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ تا لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

تحقیق بعض الفاظ

اَنْزَلَ صیغہ واحد مذکر غائب ماضی ہے۔ اِنْزَالُ سے بنا ہے بمعنی اوپر سے نیچے اتارنا ۔ السماء سُمُوٌّ سے بنا ہے بمعنی بلندی آسمان کو آسمان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زمین سے بلند ہے اور السماء میں واء کو ہمزہ سے بدلا ہوا ہے ۔ ماء اصل میں مَوَہٌ ہے واؤ کو الف سے بدلا گیا ہے اور ہ کو حذف کر کے اس کے بجائے ہمزہ لگا دیا گیا ہے۔ تب یہ مَآءٌ بنا ہے۔

اَخْرَجْنَا جمع متکلم ماضی ہے اِخْرَاج سے بنا ہے۔نبات مصدر ہے اگنا۔ نُخْرِجُ جمع متکلم مضارع ہے اخراج سے بنا ہے۔مُتَرَاکِبًا واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ رُکُوْب سے بنا ہے بمعنی سوار ہونا یہاں مراد ہے۔ ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے دانے۔ نخل، کھجور، طلع شگوفہ قِنْوَانٌ گچھے ۔ قِنْوٌ کی جمع ہے۔ دَانِیَۃٌ اصل میں دانوۃٌ واؤ کو یا سے بدلا گیا ہے اس کا معنی قریب ہونا ۔ جَنّٰتٌ جَنَّۃٌ کی جمع ہے پوشیدہ ہونا باغ کو بھی کہتے ہیں ۔ اَعْنَابٌ عِنَبٌ کی جمع ہے بمعنی انگور، زیتون معروف لفظ ہے۔ رُمان انار مُشْتَبِھًا مُتَشَابِہٍ یہ دونوں الفاظ صیغہ واحد مذکر ہے۔ شَبَہٌ سے بنے ہوئے ہیں۔ اُنْظُرُوْا جمع حاضر امر کا صیغہ ہے۔ نَظْرٌ سے بنا ہے ثَمَرٌ کا معنی پھل ہے۔ اَثْمَرَ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے

ثَمَرٌ سے بنا ہے۔ یَنْعِ مصدر ہے اس کا معنی پکنا ہے۔ آیات آیۃ کی جمع ہے معنی نشانی قَوْمٌ قِوَامٌ سے بنا ہے۔ یُؤْمِنُوْنَ جمع غائب مضارع کا صیغہ ہے ایمان سے بنا ہے۔

تیرھویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ الانعام کی آیت ۹۹ ہے۔ یہ عقیدۂ توحید پر تیرھویں عقلی دلیل ہے اس میں دو نظریات کی تردید ہے۔ ایک یہ ہے کہ اس آیت میں مذکورہ اسباب خود بخود نہیں پیدا ہوئے بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اصل میں دہریوں اور کمیونسٹوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سارا نظام خود بخود قائم ہو گیا ہے اس کا اور کوئی خالق نہیں ہے۔ اس آیت میں اس نظریہ کی تردید کر دی ہے اور دوسرا اس آیت میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسباب پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی شرکاء ہیں۔ پس اس آیت میں اس نظریہ کی بھی تردید آگئی ہے کہ اس آیت میں مذکورا اسباب سارے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ یہ سارے تصرفات صرف اور صرف اللہ تعالےٰ جل مجدہ کے ہیں۔ اور یہ آیت عقلی دلیل اس طرح ہے کہ عالم شہود میں جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی چھوٹی سی چھوٹی چیز از سر خود نہیں بنتی بلکہ اس کا بنانے والا ایک ماہر کاری گر ہوتا ہے تو اتنا بڑا عمدہ نظام سوائے منتظم کے کیسے بن سکتا ہے ؟ یقیناً نہیں بلکہ اس کا بنانے والا تو بہت بڑا کاریگر ہے اور جب ہر ایک چیز اپنے اپنے ایک ہی نہج پر بنی ہوئی ہے اور بنتی جا رہی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ

اس کا بنانے والا بھی ایک ہی ہے۔ اگر کوئی اور بھی اس کا شریک ہوتا تو ان اسباب کے نمونوں میں اختلاف ہو جاتا تو پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ یہ نمونے بھی تباہ و برباد ہو جاتے۔ مثلاً اس آیت میں قدرت کے بڑے عجیب و غریب نمونے بیان فرمائے ہیں۔ کہ پانی سے ہر اُگنے والی چیز بنانا پھر اس کو سبز رنگ دینا۔ پھر اس سے تہہ بہ تہہ اور ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے دانے بنانا۔ اور کھجور کی گٹھلی سے اتنا بڑا تنا اور درخت پیدا کرنا اور پھر اس کے ساتھ شگوفوں سے پھل پیدا کرنا اور انگور اور زیتون کے باغات اور انار کے باغات بعض کا رنگ آپس میں ملتا ہے اور بعض کا نہیں ملتا۔

اور آخر میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس آیت میں مذکور جتنی بھی چیزیں ہیں انکا پھل جب پک جائے تو اس میں جب غور کرو گے تو تمہیں عقیدہ توحید پر بے شمار دلائل ملیں گے۔ اور پکار اٹھو گے کہ تبارك الله رب العلمین اور تمہیں ماننا پڑے گا کہ یہ کاریگری اور یہ صنعت اس کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ جب آدمی غور کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ چار مادیات کو ترتیب و ترکیب دے کر ایک پانچویں چیز پھل اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا ہے۔

اور چار چیزیں یہ ہیں آگ، پانی، مٹی، ہوا، اور اس کا طریق کار یہ ہے کہ نم دار مٹی کو پہلے ہل کے ذریعے کئی بار تہہ و بالا کیا جاتا ہے تاکہ اس کو ہوا لگے اور سورج کی حرارت اسے پہنچے۔ اور پھر اس مٹی میں بیج ڈالا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً اسے پانی بھی مہیا کرتے ہیں تاکہ اس بیج کا خمیر تیار ہو کر پودا بنے۔ چنانچہ پھر وہ پودا بنتا ہے اور جوان ہوتا ہے پھر اس کے ساتھ

ہری بھری شاخیں، ٹہنیاں، پتیاں لگتی ہیں پھر پھل لگتا ہے اور یہ پھل بھی پہلے سرسبز ہوتا ہے۔ پھر بعض کا رنگ پیلا، سرخ ہوتا ہے۔ اور بعض پھلوں پر غلاف چڑھے ہوتے ہیں اور بعض پر نہیں ہوتے۔

بہرحال یہاں مقام غور اور قابل طلب بات یہ ہے کہ ان چاروں مادیات کو مختلف تغیرات اور مختلف مراحل سے گزار کر عمدہ اور خوبصورت اور لذیذ پھل کی شکل کس نے بخشی؟ اور بے بہا فوائد، منافع اور تاثیرات ان میں کس نے رکھی ہیں؟ کیا یہ سارا سلسلہ از سر خود ہی بن گیا ہے؟ نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک بہت بڑی طاقت کا دست قدرت کام کر رہا ہے کہ جو ہوا، آگ پانی، مٹی سب کا خالق و مالک ہے۔ اور یہ سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ یہ کاشت کار کا کام ہے تو یہ غلط ہے۔ اولاً اس لیے کہ کاشت کار خود قدرت کا آلۂ کار ہے۔ یہ از سر خود کچھ بھی نہیں ہے اس کی عقل وخرد اور سوجھ بوجھ اور کاشت کاری کے طریقے اور تجربات اسی خداوند پاک کے عطا کردہ ہیں۔ اور یہ خود بھی اسی کا پیدا کردہ ہے۔ اور دوسرا اس لیے کہ کاشت کار کا کام صرف زمین ہموار کرنا ہے پودا جات وغیرہ پیدا کرنا اس کا کام نہیں ہے یہ صرف خداوند پاک کا کام ہے اس لیے بسا اوقات کاشت کار بڑی محنت کرتا ہے مگر فصل اچھی نہیں اگتی، اور کبھی اس کی معمولی محنت ہوتی ہے مگر فصل اچھی آجاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ کام کسی اور طاقت کا ہے۔ اگر کاشت کار کا کام ہوتا تو ہر دفعہ اچھی فصل اگتی کیونکہ وہ اپنی محنت کو زیادہ سے زیادہ بار آور دیکھنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو اس کی فصل کو کبھی تو اچھی طرح اگاتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں انسان اپنی خود اعتمادی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ جل مجدہ

پر اعتماد کرے۔ ورنہ انسان خدائی کا دعویدار ہو جاتا جیسا کہ بعض لوگوں نے ایسا کیا ہے جیسا کہ فرعون اور نمرود وغیرہ اور پھر ان غذاؤں میں اور پھلوں میں جو تاثیرات اور فوائد ہیں، وہ پیدا کرنا بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ کاشت کار کا کام نہیں ہے اور اسی طرح ان کی شکل و صورت بنانا، ان کے دانوں کو تہہ بہ تہہ رکھنا بھی اسی کا کام ہے۔ اور ہر نوع کی مختلف قسمیں بنانا مثلاً پچاس قسم کا انگور ہے اور اسی طرح کھجوروں کی بھی قسمیں ہیں۔ زیتون اور انار کی بھی قسمیں ہیں۔ اور امتیاز کے لیے ہر ایک کی الگ الگ شکلیں اور صورتیں بنائی ہیں تاکہ پہچاننے میں آسانی ہو۔

اور قدرت نے ان تمام پھلوں کی پیکنگ بڑی عجیب فرمائی ہے۔ بعض پھل تو ایسے ہیں کہ ان کا بالائی چھلکا اور حصہ انتہائی نرم و نازک ہے۔ مثلاً انگور، خوبانی، آڑو وغیرہ اور ان کے اندر کا حصہ بھی بڑا نازک اور خستہ ہے۔ کھانے والے کو اتنی محنت نہیں کرنی پڑتی۔ اور بعض پھل ایسے ہیں کہ ان کا بالائی حصہ تو بڑا نازک ہے مگر اندر والا قدرے سخت ہے جیسا کہ کھجور، سیب وغیرہ۔ اور بعض پھل ایسے ہیں کہ ان کا بالائی حصہ تو سخت ہے مگر اندر سے نرم ہے جیسا کہ اخروٹ، چلغوزہ۔ اور بعض ایسے کہ ان کا بیرونی حصہ بھی سخت ہے اور اندر والا بھی سخت جیسا کہ ناریل۔ اور اب اس انداز میں پیکنگ میں کیا حکمت ہے۔ یہ وہی جانتا ہے جس کی کاریگری ہے۔ اور کھانے کے لیے بعض کا صرف گودہ ہی کھایا جاتا ہے اور بعض کو چھلکے سمیت کھایا جاتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ بے کار ہے؟ ہرگز نہیں۔ بس ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نظام سوائے منتظم کے نہیں چل رہا۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی طاقت ہے اور اسی کو ہم اللہ کہتے ہیں۔

اب ہم مندرجہ ذیل ان پھلوں کی وہ اقسام اور فوائد نقل کرتے ہیں جو بعض ماہر اطباء نے اپنی تحقیق، ریسرچ اور تجربات کے بعد نقل فرمائے ہیں۔

پروفیسر حکیم عطا محمد صاحب زیر نگرانی حکیم طیب انچارج طبیہ کالج لاہور

کھجور (عربی) تمر: (فارسی) خرما: (بنگالی) نمر کھجور: (سنسکرت) زلی پچار۔ (انگریزی) ڈاٹ DATE، (ہندی) چھوہارہ

مزاج: گرم تر (شیریں) بعض اطباء کے نزدیک معتدل گرم ہے برائے عظم ایشیا، مشرق وسطیٰ، سعودی عرب کے اکثر ممالک میں پایا جاتا ہے۔ کئی اقسام ہیں۔

افعال وخواص: مشہور طاقت ور پھل ہے۔ وٹامن سے بھرپور ہے۔ بھوک لگاتا ہے۔ معدہ وجگر کو قوت دیتا ہے۔ خون کی افزائش کا باعث ہے۔ لاغری اور تقویت باہ کے لیے مفید ہے۔ مقوی اعصاب۔ سینہ کو بلغم سے پاک کرتا ہے۔ سعودی عرب میں بے تحاشا استعمال ہوتا ہے۔ خوراک کے طور پر بھی افطاری وسحری میں کھایا جاتا ہے۔ اقسام کے اعتبار سے اس کی ایک قسم "عجوہ" ہے جو کہ خاص طور پر مقوی قلب ہے اور بعض نے مخصوص دوا کے طور پر بھی اسے آزمایا ہے کھجور بطور قہوہ بھی مستعمل ہے اور بطور مشروب (شربت وغیرہ) بھی کھجور کو موسم گرما میں دودھ جوشا کر بھی پیا جاتا ہے جو کہ مسمن بدن اور مقوی باہ بھی۔

خشک کھانسی اور دمہ تک میں مفید ہے۔ دودھ میں ابال کر پلانے سے ادرار حیض میں ممد ہے۔

سیب (عربی) تفاح، (ہندی) سوف، (بنگلہ) سلو،

(انگریزی) ایپل۔

مشہور ضرب المثل ہے:۔ "AN APPLE A DAY KEEPS A DOCTOR AWAY."

مزاج: شیریں (میٹھا سیب) گرم تر۔ مختلف اقسام اور ناموں سے دستیاب ہے۔ مشہور پھل ہے۔ ایشیا میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔

افعال و خواص: دل و دماغ اور جگر کو قوت بخشتا ہے۔ خون کی مقدار بڑھاتا ہے۔ قوت ہضم اور معدہ کو قوت دیتا ہے۔ دماغی پریشانی اور ضعف قلب کے لیے سیب بے حد مفید ہے۔ جگر کے فعل درست کرتا ہے۔ ذہنی وساوس کو دور کرتا ہے۔ قدرے مقوی دماغ بھی ہے الغرض ایک بہترین غذا ہے۔

جدید تحقیق کے مطابق اس میں وٹامن 'بی' اور وٹامن 'سی' پورے تناسب سے موجود ہیں۔ (یہ دونوں حیاتین انسانی نشو و نما کے لیے از حد ضروری ہیں) اس میں 'فاسفورس' اور 'فولاد' وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

سیب کا مشروب کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ مرّبہ جات مفرح اور مقوی قلب ہیں۔ حرارت قدرے کم کرتا ہے۔ صفراوی قے کو بھی مانع ہے۔ اختلاج و خفقانی میں مستعمل ہے۔ زیادہ چبا کر کھانا چاہیئے ہر وقت اور ہر موسم میں کھایا جاتا ہے۔ خواتین کو دوران حمل کثرت سے استعمال کرایا جاتا ہے۔ اس کا عرق پینے سے ننھے بچوں کی تندرستی میں اضافہ کرتا ہے۔ دانت کے نکلنے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ اس کا شمار بہترین پھلوں میں ہوتا ہے۔

انار ایک مشہور زمانہ پھل ہے جو بکثرت استعمال ہوتا ہے
اس کی تین اقسام پائی جاتی ہیں۔ ۱۔ انار شیریں۔
(عربی) رُمان حلو، (فارسی) انار شیریں، (سندھی) ڈاڑھوں مٹھا،
(بنگالی) ڈارم ڈالم، (انگریزی) SWEET POMEGRANATE
مزاج: سرد تر، اس کے دانوں کا پانی شیریں ہوتا ہے۔ چھال بھی بکثرت ادویہ میں پڑتی ہے۔
افعال و خواص:۔ مسکن حرارت، مدر بول، لطیف خون کا مولد ہے۔ قے و دست کو روکتا ہے۔ مفرح اور تقویت قلب بخشتا ہے خفقان و یرقان کو نافع۔ اس کے دانوں کے پانی سے شربت کثرت سے تیار ہوتے ہیں۔ حرارت کبدی میں مفید ہے۔ بہت سی ادویات و مرکبات میں مستعمل ہے۔

۲۔ انار میخوش۔
(عربی) رُمان مُز، (فارسی) انار میخوش۔ قندھاری انار۔
مزاج: سرد تر مائل بہ اعتدال۔
افعال و خواص: صفراوی مزاجوں کے لیے ایک نعمت ہے تپ صفراوی، خفقان، معدہ و جگر اور مثانہ کی حرارت کو قاطع ہے پیاس کو بجھاتا ہے۔ ہچکی کو روکتا ہے۔ سینے کی جلن کے لیے مفید ہے۔ بہت سے مرکبات تیار ہوتے ہیں۔

۳۔ انار ترش۔
(عربی) رُمان حامض، (فارسی) انار ترش۔

مزاج : سرد و خشک۔

افعال و خواص : دانوں کا پانی ترکش۔ صفراوی دستوں کو روکتا ہے حرارت غریبیہ کو زائل کرتا ہے۔ مطلف اور مدر بول ہے۔ خون کے جوش کو اعتدال پر لاتا ہے۔ اکثر ہاضم چورن وغیرہ میں شامل کیا جاتا ہے مسکن صفرا ہے پوست انار (چھال) اور گل انار بھی کثرت سے مستعمل ہے۔ کئی ایک مرکبات کے علاوہ جوارشات میں بھی پڑتا ہے۔ مشروب اور رب وغیرہ بھی تیار کئے جاتے ہیں۔ قدآور درخت ہوتا ہے۔

زیتون

روغن زیتون = (عربی) دہن الزیت، (فارسی) زیت

درمیانہ سائز کا قدآور درخت ہے جو کہ گرم خشک علاقہ جات میں پایا جاتا ہے جس کا روغن درخت کے پھلوں کو دبا کر یا کچل کر حاصل کیا جاتا ہے جو وافر مقدار میں نکالا جاتا ہے۔ یہی مستعمل ہے۔ مختلف ممالک سے بند ڈبوں میں امپورٹ کیا جاتا ہے۔

:۔ خفیف زرد رنگ سبزی مائل روغن ہے۔ بے ذائقہ روغن ہے۔ کثرت سے بطور غذا استعمال ہو رہا ہے اور دوا بھی۔

مزاج : گرم و تر ہے۔

افعال و خواص :۔ داخلی اور خارجی طور پر مفید اثرات کا حامل ہے۔ حصاۃ الکبد کو گھلا کر خارج کرتا ہے۔ مصلح کبد ہے، قروح معدہ میں اور انشقاق مقعد میں پلانے سے زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ مفتت سدہ قولنج ہے قبض دائمی سے کچھ وقت استعمال سے آنتوں کی خشکی کو رفع کرتا ہے۔ نفع بخش غذا ہے۔ بدن کی عام لاغری و ضعف کو مفید ہے۔ مکمل خوردنی غذا

بھی ہے۔ مسمن بدن بھی ہے۔

خارجی طور پر بطور مسّاج کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ وجع المفاصل درد اعصاب کا مُسکّن ہے۔ جلد کی خشکی کو دور کرتا ہے۔ آگ سے جلے ہوئے زخم کو مندمل کرتا ہے۔ لقا اور دوا میں بطور تدہین مفید ہے۔ خارجہ میں بطور مرہم اندمال کا کام کرتا ہے۔ بطور پھل بھی کھایا جاتا ہے۔ اہل عرب کی مرغوب غذا ہے۔ بہرحال ان درختوں میں اور ان کے پھلوں میں اور ان کے فوائد اور تاثیرات میں غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سارا سلسلہ از سر خود نہیں بنا بلکہ اس کا بنانے والا بہت بڑا ماہر اور کاریگر ہے اور وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک بھی نہیں ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ تا وَكِيلٌ یہ آیت ۱۰۲، آیت ۹۹ پر تبصرہ ہے۔ اس میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ آیت ۹۹ میں جس کی قدرت کے تعارفی نمونے بیان ہوئے ہیں اسی کو اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی کو رب کہتے ہیں۔

اس آیت میں دوسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ عبادت کے لائق وہی ہے اور کوئی نہیں ہے۔

اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ وہی ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا بندگی اور پرستش اس کی کرو۔

اور چوتھی یہ بیان فرمائی کہ وہی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا کارساز ہے یعنی ضروریات مہیا کرنے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ تا مُسْرِفِيْنَ ۝ یہ آیت، آیت ۹۹

کی تفسیر ہے اور اس کی پوری تفصیل اسلامی معیشت جلد سادس میں آئیگی۔
وَمِنَ الْاَنْعَامِ تا مُّبِیْنٌ ، یہ آیت عقیدہ پر چودھویں عقلی دلیل ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ یہ مویشی بھی خود نہیں پیدا ہوئے بلکہ انہیں اسی اللہ تعالٰی نے پیدا فرمایا ہے اور ان کے پیدا کرنے میں اس خداوند تعالٰی کا کوئی اور شریک بھی نہیں - اور اس آیت کی بقیہ تفسیر بھی خلاصہ تفسیر جلد سادس میں موجود ہے یہاں اس کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے :

اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ	دو اور بکری میں سے دو
اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ	تو پوچھ کہ دونوں نر اللہ
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ	نے حرام کئے ہیں یا دونوں
اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ	مادہ یا وہ بچہ جو دونوں
اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ	مادہ کے رحم میں ہے
نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ	مجھے اس کی سند بتلاؤ
كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۙ	اگر تم سچے ہو -
وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ	اور اونٹ اور گائے
وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ	سے دو دو قسمیں پیدا
قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ	کیں تو پوچھ دونوں نر
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ	حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ
اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ	یا وہ بچہ جو دونوں مادہ
اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ	کے رحم میں ہے -
اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ	بے شک تمہارا رب

سورۃ الانعام آیت ۱۴۳-۱۴۴

الَّذِیْ خَلَقَ | اللہ ہے جس نے آسمانوں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ | اور زمین کو چھ دن میں
فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ | پیدا کیا پھر عرش پر قرار
ثُمَّ اسْتَوٰی | پکڑا ۔ رات سے دن
عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی | کو ڈھانک دیتا ہے کہ
الَّیْلَ النَّهَارَ | وہ اس کے پیچھے دوڑتا ہوا
یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا | آتا ہے اور سورج اور
وَّالشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ | چاند اور ستارے اپنے
وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ | حکم کے تابع دار بنا کر
بِاَمْرِہٖ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ | پیدا کیے اسی کا کام ہے
وَ الْاَمْرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ | پیدا کرنا اور حکم فرمانا اللہ
رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ | بڑی برکت والا ہے

(سورۂ اعراف ۵۴،۵۷،۵۸، ۱۸۹۔ جو سارے جہان کا رب ہے

تفسیر

ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ تا اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ۔

ان آیتوں میں آیت نمبر ایک سو بیالیس کی تفسیر اور توضیح بیان فرمائی گئی ہے کیونکہ اس آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ تمہارے لیے مویشی پیدا کئے ہیں جو بوجھ اٹھانے والے ہیں اور زمین سے لگے ہوئے ہیں مگر یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ کون سے ہیں ، اور ان آیتوں میں اس کی تفسیر بیان فرمادی ہے کہ وہ آٹھ قسم کے جانور ہیں ۔

بھیڑ میں سے دو، بکری میں سے دو، اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔ اس آیت کی تفسیر بھی اسلامی معیشت میں بیان کر دی گئی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ان آیتوں میں شرک فعلی کی تردید ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بھی اسباب پیدا فرمائے ہیں ان میں سے بعض حلال ہیں اور بعض حرام ہیں۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ اور صاف ستھری چیزیں حلال کی ہیں اور گندی چیزیں حرام کی ہیں۔ اب انسان کا کام ہے کہ اس کی حلال کردہ چیزوں کو استعمال کرے اور حرام کردہ کو چھوڑ دے۔ اگر انسان اس کی خلاف ورزی کرے گا تو خود نقصان اٹھائیگا۔ کیونکہ انسان اگر اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام سمجھے گا تو روزی سے محروم ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھے گا تو بھی نقصان ہوگا کیونکہ حرام کھانے سے انسان کے جسم کے اجزاء ناقص اور خراب ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے انسان کو روحانی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے پہلے بعض لوگوں میں اس فعلی شرک کا رواج تھا کہ وہ بتوں کے نام پر کچھ جانور چھوڑ دیتے تھے اور پھر ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے تھے جیسا کہ بحیرہ سائبہ وصیلہ حامی بحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جس کا دودھ بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے اور اس سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے تھے۔ سائبہ اس جانور کو کہتے تھے جس کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے تھے وصیلہ: جو نر اونٹ ایک عدد اونٹنی سے جفتی کر لیتا تھا اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز سمجھتے تھے۔

حامی : جو مادہ مسلسل مادہ بچے جنے اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اس سے بھی نفع اٹھانا ناجائز سمجھتے تھے اور اسی طرح مادہ جانور کے پیٹ میں جو حمل ہوتا۔ اس کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ اگر وہ زندہ پیدا ہوا تو وہ مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام۔ اور اگر وہ مردہ پیدا ہوا تو وہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے حلال ہے۔ یہ تحلیل و تحریم ان لوگوں کی خود ساختہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ جانور حلال قرار دیئے تھے۔

نذر لغیر اللہ اور تحریمات غیر اللہ میں فرق

اصل میں یہاں تین چیزیں ہیں۔ نذر اللہ، نذر لغیر اللہ، تحریمات اللہ اور تحریمات غیر اللہ۔

نذر اللہ یہ ہے کہ آدمی یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میری فلاں مصیبت دور کر دی تو میں اس کے نام کی فلاں چیز دوں گا۔ یہ نذر ماننا جائز ہے اور یہ عین توحید ہے۔

نذر لغیر اللہ یہ ہے کہ آدمی یوں کہے کہ اگر فلاں بزرگ نے میری فلاں مصیبت دور کر دی تو میں اس کے نام کی فلاں چیز دوں گا۔ یہ نذر ماننا شرک ہے کیونکہ یہ مالی عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں اور اس چیز کا کھانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء تحریمات اللہ، اور اگر انسان اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام سمجھے تو یہ تحریمات غیر اللہ کی صورت ہے۔

پس نذر لغیر اللہ اور تحریمات غیر اللہ میں فرق یہ ہوا کہ نذر لغیر اللہ میں غیر اللہ کی خوشنودی اور رضا مقصود ہوتی ہے اور تحریمات غیر اللہ میں یہ چیز پیش نظر نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ نے نذر لغیر اللہ کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ ۔ اور تحریمات غیر اللہ کو حلال قرار دیا ہے۔ بعض لوگ نذر لغیر اللہ اور تحریمات غیر اللہ میں فرق نہیں کرتے اور تحریمات غیر اللہ پر قیاس کر کے نذر لغیر اللہ کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔

بہرحال نذر لغیر اللہ یا کہ تحریمات غیر اللہ یہ دونوں افعال شرکیہ ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو لوگ سود، شراب، چوری اور زنا وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں حرام چیزیں ہیں انہیں حلال سمجھتے ہیں۔ یہ بھی افعال شرکیہ میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو قرآن مجید میں حرام فرمایا ہے۔ ڈاکٹر یا حکیم اگر کسی حلال چیز سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیں تو اس پر عمل جائز ہے مگر عقیدہ کے طور پر اس چیز کو حرام نہیں سمجھنا چاہیے۔ اور اس طرح اگر کوئی چیز طبیعت کے خلاف ہو تو اس کا نہ کھانا جائز ہے مگر اس کے ساتھ حرام جیسا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔

تحقیق بعض الفاظ

اِنَّ رَبَّکُمُ تا رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○

تَبَارَكَ صیغہ ماضی ہے بَرَکَۃٌ سے بنا ہے۔ برکت کے معنی کسی چیز کے حجم میں اضافہ کرنا ہے۔ رَبّ یا مصدر ہے اسم فاعل

کے معنی ہیں ہے۔ یا رَبَّ سے مخفف ہے۔ یا رَبِیبٌ سے مخفف ہے۔ رَب کا معنی تربیت کرنے والا ہے۔ اَلعٰلَمِیْنَ عَالَمٌ کی جمع ہے علامۃ سے بنا ہے اس سے مراد جہان ہے اور جہان کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی ذات پر علامت اور نشان ہے۔

تفسیر

یہ سورہ الاعراف کی آیت نمبر چون ہے۔ یہ عقیدہ توحید پر پندرھویں عقلی دلیل ہے۔ اس کے باقی حصّہ کی تفسیر پہلے بیان ہو گئی ہے آخری حصّہ تبارک اللہ رب العٰلمین کی تفسیر عرض کرنا ہے یہاں دو کلمے قابل غور ہیں۔ ایک تبارک اور دوسرا عالمین۔ تبارک اس اعتبار سے قابل غور ہے کہ یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تبارک برکت سے بنا ہے اور برکت کا معنی ہے کسی چیز کے حجم میں اضافہ کرنا۔ اور یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی برکات کے نمونے بیان فرماتے ہیں۔ جن میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور یہ نمونے نہیں دکھا سکتا۔ یہ صرف اسی کا کام ہے۔

اور دوسرا لفظ عالمین بھی قابل غور ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں صیغہ جمع مذکر سالم استعمال فرمایا ہے اس کی دو حالتیں ہیں۔ ایک بغیر الف لام اور دوسری بالف لام۔ اگر یہ صیغہ بغیر الف لام استعمال ہو تو پھر یہ صیغہ جمع قلت میں شامل ہوتا ہے اور اس کا اطلاق تین سے لے کر دس تک ہوتا ہے۔ اور اگر یہ صیغہ الف لام کے ساتھ استعمال

ہو تو پھر اس کا اطلاق دس سے لے کر مالا نہایۃ تک ہوتا ہے اور اس وقت یہ جمع کثرت میں شامل ہوتا ہے اور یہاں چونکہ الف لام سے اس کا استعمال ہے اس لیے یہ جمع کثرت میں ہے اور اس سے مراد بے شمار جہاں ہیں ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ عالم چالیس ہزار ہیں اور اسی طرح امام تفسیر حضرت مقاتل سے منقول ہے کہ عالم اسی ہزار ہیں۔ معارف القرآن ۔ اور سائنس جدید کی تحقیق یہ ہے کہ ایک یہ نظام شمسی ہے اور اس کے علاوہ اور کروڑھا نظام شمسی ہیں۔ بہرحال مقام غور یہ ہے کہ اتنے جہاں خود تو نہیں بن گئے ۔ کوئی نہ کوئی ان کا بنانے والا ہے اور وہ بہت بڑا کاریگر ہے اور اسی کو ہم اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک بھی نہیں ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ	اور وہی ہے جو مینہ
الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ	سے پہلے خوشخبری دینے
يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى	والی ہوائیں چلاتا ہے
اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا	یہاں تک کہ جب ہوائیں
ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ	بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی
مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ	ہیں تو ہم اس بادل کو
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ	مردہ شہر کی طرف ہانک
كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ	دیتے ہیں پھر ہم اس
نُخْرِجُ الْمَوْتٰى	بادل سے پانی اتارتے ہیں
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝	پھر اس سے سب طرح

کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝

اور جو شہر پاکیزہ ہے اس کا سبزہ اس کے رب کے حکم سے نکلتا ہے اور جو اس میں خراب ہے جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے ناقص ہی ہوتا ہے اس طرح ہم شکرگزاروں کے لیے مختلف طریقوں سے آیتیں بیان کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر قائم ہوا وہی ہر انتظام کرتا ہے۔ اس کی اجازت کے سوا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سو

افلا تذکرون — اسی کی عبادت کرو کیا
(سورۃ یونس آیت ۳ تا ۶-۷) — تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

تحقیق بعض الفاظ

وَهُوَ الَّذِیْ تا یَشْکُرُوْنَ

یُرْسِلُ فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ اِرْسَالٌ سے بنا ہے اس کا معنی بھیجنا ہے۔ **بشرًا** مصدر ہے اس کا معنی خوشخبری ہے یَدَیْ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد یَدٌ ہے اس کا معنی ہاتھ۔ پہلے یا سامنے کے بھی آتے ہیں۔ یہاں مراد پہلے ہے۔ اَقَلَّتْ واحد مؤنث ماضی کا صیغہ ہے۔ قِلَّۃٌ سے بنا ہے مشہور لفظ ہے اور کبھی تھوڑا اوپر اٹھانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔ سَحَاب یا بادل کے معنی میں ہے یا سَحَابَۃٌ کی جمع ہے ثِقَالًا ثقیل کی جمع ہے ثِقْلٌ سے بنا ہے۔ سُقْنٰہُ جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے سَوْقٌ سے بنا ہے۔ بَلَدٌ واحد ہے اس کا معنی آبادی ہے مَیِّتٌ واحد ہے اس کی جمع مَوْتٰی آتی ہے۔ لَعَلَّ اکثر ترجی یعنی اس کام پر ہے بولا جاتا ہے جس کے ہونے کی توقع ہو۔ اور قرآن مجید میں اکثر تعلیلہ استعمال ہوتا ہے۔ تَذَکَّرُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے ذکر سے بنا ہے۔ اسکا معنی ہے نصیحت حاصل کرنا۔ نُصَرِّفُ صیغہ جمع متکلم مضارع ہے تصریف سے بنا ہے۔ اس کا معنی پھیرنا ہے۔ یَشْکُرُوْنَ جمع مذکر مضارع ہے شکر سے بنا ہے۔

عقیدہ توحید پر سولہویں، سترھویں عقلی دلیل اور

تفسیر

یہاں سورۃ الاعراف کی آیت ستاون اور اٹھاون نقل کی گئی ہیں۔ ان میں عقیدہ توحید پر سولھویں اور سترھویں عقلی دلیل بیان فرمائی گئی ہے پہلی میں یہ بتایا ہے کہ یہ ہوائیں خود بخود پیدا نہیں ہوگئیں بلکہ انکو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اور وہ ان کے پیدا کرنے میں یکتا ہے جنّات ملائکہ اور انسانوں میں سے کوئی بھی ان کے پیدا کرنے میں اسکا شریک اور حصّہ دار نہیں۔ اور یہ ہوا ایک لطیف مخلوق ہے اور یہ مخلوق انسان کو نظر نہیں آتی مگر اس کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ ہوا ہے اور وہ ہوائیں بھی کئی قسم کی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے (الریاح) جمع کا صیغہ پکارا ہے۔

۱۔ ایک قسم بادِ صبا[1] ہے جو مشرق اور شمال کے درمیان چلتی ہے۔
۲۔ باد دبور[2] ہے یعنی پچھوں۔
۳۔ صَرصَر[3] تندی سے چلنے والی ہوا۔
۴۔ لواقح[4] بادل والی ہوا۔
۵۔ مون سُون[5] بارش والی ہوا۔
۶۔ مُبشّرات[6]

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں (ریح) یعنی واحد کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد عذاب کی ہوا ہے اور جہاں (الریاح) جمع کا صیغہ ہے اس سے مراد عذاب کی ہوائیں ہیں انہیں مُبشّرات فرمایا گیا ہے۔

عذاب کی ہواؤں کے لیے صیغہ واحد (ریح) اور رحمت کی ہواؤں کے لیے صیغہ جمع (الریاح) لگانے کی وجہ یہ ہے کہ عذاب کی ہوا ایک ہی قسم کی ہے اور رحمت کی ہوائیں کئی قسم کی ہیں اور ان ہی ہواؤں کو مُبشّرات سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ لیکن رہا یہ سوال کہ ہوا تو اربع عناصر میں سے ایک ہی عنصر ہے تو پھر اس کی مختلف قسمیں کیسے بن گئیں اور پھر وہ مُبشّرات کس لحاظ سے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوا پہلے جب آدمی کے جسم سے ٹکراتی ہے تو اس سے آدمی کے جسم میں تروتازگی، فرحت اور راحت پیدا ہوتی ہے یہ تو ایک قسم کی خوشی ہے۔ اور دوسرا اس کے بعد جو بارانِ رحمت برستی ہے یہ دوسری خوشی ہے اور پھر انسان وہ پانی پیتا ہے یہ تیسری خوشی ہے اور پھر اس پانی سے اناج، سبزیات اور پھل فروٹ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور انسان انہیں کھاتا ہے یہ چوتھی خوشی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے الریاح صیغہ جمع لگایا ہے۔ اور یہ بیان بین یدی رحمۃ تک بیان فرمایا ہے۔

اور حَتّٰٓی اِذَآ اَقَلَّتۡ سے لے کر مِنَ الثَّمَرَاتِ تک آبپاشی اور آب رسانی کا نظام بیان فرمایا ہے کہ انہیں ہواؤں سے بادل (بخارات) اُٹھتے ہیں اور وہ بادل وہاں پہنچتے ہیں جہاں پہلے خشکی ہوتی ہے اور پھر ان بادلوں سے پانی اتارا جاتا ہے تب وہ سبزیات، اناج، پھل فروٹ پیدا ہوتے ہیں۔

دراصل پانی کا اصل ذخیرہ سمندر ہے مگر وہ پانی پینے اور کاشت کے قابل نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ عزّ اسمہ نے اسے اس قابل بنانے

کے لیے یہ نظام قائم فرمایا ہے کہ پہلے سمندر سے بخارات اٹھاتا ہے اور انہیں بھاری بادلوں میں بدل دیتا ہے۔ پھر ان کو پانی کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔ پھر جہاں وہ چاہتا ہے بارش برساتا ہے اور پھر چشموں اور ندیوں کی شکل میں انسانوں، حیوانوں اور چرند و پرند تک وہ پانی پہنچاتا ہے۔ اور اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ آبپاشی اور آب رسانی کا نظام قائم کرنا یہ اسی خداوند پاک کا کام ہے۔ یہ کسی انسان کے بس اور تصرّف میں نہیں ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا ہے كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى۔ اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے یعنی جس طرح مُردہ زمین کو بارش اتار کر زندہ کرتے ہیں اسی طرح مرنے کے بعد انسان کو زندہ کریں گے۔ یہ آیت عقیدۂ قیامت پر عقلی دلیل ہے اور اللہ تعالےٰ نے اس عقیدہ پر اپنے شب و روز کے کارنامے انسان کے سامنے پیش فرمائے ہیں جو انسان کے آزمودہ اور مجرّب ہیں۔

پس جو آدمی ان نمونوں میں غور و فکر کرے گا تو یقیناً اس کا اللہ تعالےٰ کی توحید پر اور عقیدہ قیامت پر بھی یقین پیدا ہو جائے گا۔ اس کے بعد آیت نمبر اٹھاون ہے اس میں دو چیزیں بتائی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے زمین دو قسم کی بنائی ہے ایک عمدہ اور دوسری ناقص۔ عمدہ زمین سے اس پہ بارش اترنے کے بعد اور زمین کے عمدہ ہونے کے باوجود بھی یہ لازمی اور ضروری نہیں ہے کہ اس زمین سے سبزیات اور اناج وغیرہ پیدا ہوں بلکہ ان کے اگنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا اذن ضروری ہے۔ یعنی اس زمین کو اللہ تعالیٰ کا اذن ہوگا تو وہ سبزیات اور نباتات اگائے گی ورنہ نہیں

اُگائے گی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی عمدگی اور بارش از سر خود مؤثر نہیں ہیں بلکہ مؤثر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور خراب زمین سے ناقص چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

اور دوسری چیز كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ۝ میں بیان فرمائی ہے۔ اور یہ دراصل ایک شبہ کا جواب ہے اور وہ شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے غلیظ (خراب زمین کیوں بنائی ہے؟ ساری ہی عمدہ بنا دیتا تاکہ اس کی مخلوق کو فائدہ ہوتا اور کچھ زمین خراب بنانے سے اس کی مخلوق کچھ فوائد سے محروم ہو جائے گی۔ تو اس کا جواب دیا ہے کہ ہم اپنے نمونے پھیر پھیر کر بیان کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ شکر کریں۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری زمین کو عمدہ اور پاکیزہ بنا دیتے اور قابل کاشت ہی ہوتی تو لوگوں نے پانی، ہوا اور زمین کو ہی مؤثر سمجھنا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر ان کا اعتماد اور بھروسہ نہ رہتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمین کے بعض حصہ کو عمدہ، پاکیزہ اور قابل کاشت بنایا ہے اور اسے بھی از سر خود سبزہ، نباتات اور اناج اُگانے کی اجازت نہیں ہے جب تک کہ پروردگار اسے حکم نہ دے اور بعض حصہ کو ناقابل کاشت بنایا ہے تاکہ انسان اسے دیکھ کر قابل کاشت کی قدر کرے اور اس پر وہ اللہ تعالےٰ کا شکر کرے۔

تحقیق بعض الفاظ

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ تا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

اِسْتَوٰى ماضی کا صیغہ ہے سَوَآءٌ سے بنا ہے بمعنی برابر۔ عرش

کا معنی تخت ہے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کا وہ تخت ہے جو ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں پر حاوی ہے۔ یُدَبِّرُ واحد مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے تدبیر سے بنا ہے۔ شفیع واحد مذکر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ شَفَعٌ سے بنا ہے بمعنی سفارش کرنے والا۔ فَاعْبُدُوْا جمع حاضر امر کا صیغہ ہے۔ عبادت سے بنا ہے۔ تَذَكَّرُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے ذکر سے بنا ہے۔ بمعنی یاد کرنا یا نصیحت حاصل کرنا۔

اٹھارھویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ یونس کی آیت نمبر تین ہے۔ یہ عقیدہ توحید پر اٹھارھویں عقلی دلیل ہے۔ اگرچہ اس آیت کے کچھ الفاظ کی تشریح پہلے بیان ہو چکی ہے مگر یہاں بعض الفاظ کا اضافہ ہے اس لیے ضمناً سارے ہی نقل کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ اِنَّ رَبَّكُمُ سے لے کر والارض تک ان الفاظ کی تفسیر پہلے بیان ہو چکی ہے۔ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ سے مراد اگر دنیاوی ایام لیے جائیں تو پھر چھ دنوں کی مقدار مراد ہو گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حساب تھا وہ مُراد ہو۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کے استویٰ علی العرش سے مراد اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے۔ یدبّر الامر اللہ تعالیٰ تدبیر سے کام کرتا ہے۔ اس جملہ میں تین چیزیں بتلانا مقصود ہے۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز کا خالق ہے مالک ہے وہ جو کام کرتا ہے تدبیر سے کرتا ہے بلا تدبیر کوئی کام نہیں کرتا۔ اس میں انسانوں کو تعلیم دی ہے کہ تم بھی

جو کام کرو تدبیر سے کرو۔ بلا تدبیر کوئی کام نہ کیا کرو۔ کیونکہ تدبیر سے جو کام کیا جائے گا اس میں استحکام ہوگا۔ جب خالق کائنات تدبیر سے کام کرتا ہے تو لہٰذا انسان کو بھی تدبیر سے ہی کام کرنا چاہیئے۔ اور دوسرا اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرتا ہے اپنی تدبیر سے کرتا ہے۔ اس پر کوئی حاکم بالا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے حکم کی تعمیل کرنی پڑے۔ اور تیسرا اس آیت میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مجلس شوریٰ نہیں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے مشورہ کا پابند ہو اور اس کے سامنے جوابدہ ہو۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ، اس کی اجازت کے سوا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے۔ اس جملہ میں ان لوگوں کے نظریات کی تردید ہے جو شفاعت جبری اور قہری کے قائل ہیں۔ ان لوگوں کے خیالات اور عقائد یہ تھے کہ ان کے معبود اور دیوتا اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں اور وہ اپنی ہر بات خدا سے منوا لیتے ہیں اور خدا ان کی کسی بات کو مسترد نہیں کر سکتا اور وہ ان کی ہر بات ماننے پر مجبور ہے جیسا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہی نظریات رکھتے ہیں اور مشرکین عرب اپنے اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے بارے میں یہ بھی عقائد رکھتے تھے اور آج کل کے بعض نام نہاد مسلمان بھی اپنے اپنے پیروں اور بزرگوں کے بارے میں بھی ایسے ہی خیالات رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ان تمام خیالات باطلہ کی تردید موجود ہے۔ البتہ آخر میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور مرضی سے سفارش ہوگی۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جو اپنی مرضی سے کام کرتا ہے اس پر کسی کا جبر و اکراہ اور دباؤ نہیں چل سکتا۔ وہ کسی کی مرضی

اور خوشنودی کا پابند نہیں ہے۔

اور دوسری جگہ قرآن مجید میں اور احادیث مبارکہ میں یہ تفصیل موجود ہے کہ سفارش کی یہ اجازت انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام، بزرگانِ دین، معصوم بچوں اور ملائکہ عظام کو بھی ہوگی۔ اور یہ بھی تفصیل موجود ہے کہ یہ اجازت گناہ گار موحّدین کے بارے میں ہوگی۔ مشرکین کے بارے میں کسی کو سفارش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

اور آخر میں فرمایا ہے کہ ذالکم اللہ ربکم فاعبدوا یعنی جس ذات میں یہ صفات پائی جائیں وہ بندگی کا حقدار ہے اور فرمایا ہے افلا تذکرون تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے۔ یعنی ان لوگوں کو نصیحت حاصل کرنا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر یہ جو عقلی دلائل ہیں ان میں تدبر کرنا چاہیئے کہ یہ مذکورہ تصرّفات اس ذاتِ پاک کے سوا اور تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ اور جب وہ اس درجے کا مختار کل ہے تو پھر بندگی اسی کا حق ہے کسی اور کا یہ حق نہیں ہے۔ اب اگر انسان اس کی بندگی کا حق ادا نہیں کرے گا تو بھی ظالم ہوگا۔ اور اگر اس کا یہ حق کسی اور کو دے دے تو بھی ظالم ہوگا۔

اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ	تم سب کو اسی کی طرف
جَمِیۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰہِ	لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ
حَقًّا ؕ اِنَّہٗ یَبۡدَؤُا	کا وعدہ سچا ہے۔ وہی
الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ	پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے
لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	پھر وہی دوبارہ پیدا کریگا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	تاکہ جو لوگ ایمان لائے

بِالْقِسْطِ ؕ	اور نیک کام کیے انہیں
	انصاف کے ساتھ بدلہ دے
وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا	اور جن لوگوں نے کفر کیا
لَھُمْ شَرَابٌ	ان کے واسطے کھولتا ہوا
مِّنْ حَمِیْمٍ	پانی پینے کو ہوگا اور ان
وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ	کے کفر کے سبب سے
بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ۝	دردناک عذاب ہوگا۔
ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ	وہی ہے جس نے سورج
الشَّمْسَ ضِیَآءً	کو روشن بنایا اور چاند
وَّالْقَمَرَ نُوْرًا	کو منوّر فرمایا اور چاند کی
وَّقَدَّرَہٗ مَنَازِلَ	منزلیں مقرر کیں تاکہ تم
لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ	برسوں کا شمار اور حساب
السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ	معلوم کر سکو۔
مَا خَلَقَ اللّٰہُ	یہ سب کچھ اللہ نے تدبیر
ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ	سے پیدا کیا ہے۔ وہ
یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ	اپنی آیتیں سمجھ داروں کے
لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝	لیے کھول کھول کر بیان فرماتا
اِنَّ فِی اخْتِلَافِ	ہے رات اور دن
الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمَا	کے آنے جانے میں اور
خَلَقَ اللّٰہُ فِی	جو چیزیں اللہ نے آسمانوں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اور زمین میں پیدا کی ہیں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ	ان میں ان لوگوں کے لیے
يَّتَّقُوْنَ ○ هُوَ الَّذِىْ	جو ڈرتے رہے وہی تو
جَعَلَ لَكُمُ	ہے جس نے تمہارے لیے
الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا	رات بنائی تاکہ اس میں آرام
فِيْهِ وَالنَّهَارَ	کرو اور دن کو دکھلانے والا
مُبْصِرًا ؕ اِنَّ	بنایا بے شک اس میں ان
فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں
لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○	جو سنتے ہیں ۔

تحقیق بعض الفاظ

مَرْجِعُ مصدر میمی ہے رجوع سے بنا ہے ۔ الخلق ساتھ معنی مخلوق کے ہے ۔ يُعِيْدُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اعادہ سے بنا ہے يَجْزِىْ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے جزاء سے بنا ہے ۔

انیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

الیہ مرجعکم سے لے کرتا یکفرون ○ یہ سورۃ یونس کی آیت نمبر چار ہے اس میں عقیدہ توحید پر انیسویں عقلی دلیل ہے مگر پہلے تو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے عقیدہ قیامت کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ انسان کو مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں آتا ، اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کو بطور عقلی دلیل کے پیش فرمایا ہے یعنی جس خدا نے پہلی بار مخلوق کو پیدا فرمایا ہے

وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ پہلی دفعہ تو مخلوق کو پیدا کرنا قدرے مشکل تھا کیونکہ پہلے تو مادہ بھی موجود نہیں تھا اور صورت بھی نہیں تھی تو اللہ تعالےٰ نے پہلے ہر چیز کا مادہ بنایا پھر صورت بنائی اور قیامت کے دن مادہ دوبارہ نہیں پیدا کرنا پڑیگا بلکہ صرف صورتیں نئی بنانی پڑیں گی۔ پس دوبارہ پیدا کرنا پہلے کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ اس کے بعد آیت کے آخر تک دوبارہ پیدا کرنے کا مقصد بتایا ہے تاکہ نیکوں کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ ملے اور بُرے لوگوں کو ان کی بد اعمالیوں کی سزا ملے۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ نہ تو پہلے کوئی چیز از سر خود بنی اور نہ بعد میں کوئی چیز از سر خود بنے گی۔ بلکہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ ہی سب کو بنانے والا ہے اور بعد میں بھی وہی سب کو بنائے گا اور اس سلسلہ میں کوئی اس کا شریک بھی نہیں ہے وہ وحدہٗ لاشریک اور یکتا ہے۔

بیسویں عقلی دلیل کی

تفسیر

هُوَ الَّذِیْ تا یَعْلَمُوْنَ ۝

یہ سورۂ یونس کی آیت نمبر پانچ ہے۔ اس میں عقیدۂ توحید پہ بیسویں عقلی دلیل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے تعارفی نمونوں کا بیان ہے کہ آفتاب میں ضیاء اور چاند میں نور رکھنا سب اسی قادرِ مطلق حکیم علی الاطلاق کا کام ہے۔ نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا۔ اور نہ خود ان اجرام فلکی نے اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کر لی ہیں۔ شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور اب تک ہے۔ ضیاء وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نور وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار ہو اسکا انعکاس

ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک اُمّی کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لا کر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذاتِ خود بے نور ہے اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔ یہاں یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان اجرام فلکی کو خود انسان کی خدمت اور راحت و نفع رسانی کے لیے پیدا کیا ہے۔ تو انسان کی یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ وہ اُلٹا انہی کی پُوجا شروع کر دیتا ہے۔

قَدَّرَهٗ کی ضمیر مذکر قمر کی جانب ہے یعنی چاند کی چال کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ مَنَازِلَ منزل سے مراد وہ مسافت ہے جو کوئی کوکب شب و روز میں قطع کرے۔ چاند کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ۔ کو قَدَّرَهٗ سے تعلق رکھنے سے منشاء خداوندی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت و زمانہ کا حساب کتاب تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے (تفسیر ماجدی)

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ اس جملہ میں ذالک کا اشارہ پورے مذکورہ نظام کی طرف ہے اور بالحق سے مراد تدبیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی چیز بے مقصد اور بے تدبیر نہیں بنائی۔

یُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ یہاں آیات سے مراد عقلی دلائل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے تعارفی نمونے کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے یہ مذکورۃ الصدر دلائل بھی ہیں۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّيْلِ سے لے کر تا يَسْمَعُوْنَ ۝

ان آیات میں عقیدۂ توحید پر اکیسویں اور بائیسویں عقلی دلیل ہے۔ ان میں

یہ بتایا ہے کہ یہ رات اور دن کا نظام از سرِ خود نہیں پیدا ہوا (بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔) اور اس کے پیدا کرنے میں انسان جنات اور فرشتوں میں سے کوئی بھی شریک نہیں)

سوال

آیت پانچ کے آخر میں فرمایا یُفَصِّلُ الاٰیات لقوم یعلمون۔ اور آیت چھ کے آخر میں فرمایا ہے لَاٰیٰتٍ لقوم یتقون۔ اور آیت سات کے آخر میں فرمایا ہے لَاٰیٰتٍ لقوم یسمعون ٥ ان تینوں میں کیا فرق ہے۔؟

جواب

آیت پانچ کے آخر میں قوم کے ساتھ یعلمون اس لیے لگایا ہے کہ اس سے پہلے شمس وقمر کا ذکر ہے اور علم کا معنی ہے ادراک الشمس بحقیقتہٖ کسی شئے کی حقیقت کو سمجھنا۔ پس جو آدمی شمس وقمر کی حقیقت اور تقویم کو سمجھے گا اور ان کے فوائد کا بغور مطالعہ کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر ایمان کامل پیدا ہو جاتے گا۔ اس لیے آیت پانچ کے آخر میں قوم کے ساتھ یعلمون لگایا ہے۔

آیت چھ کے آخر میں قوم کے ساتھ یتقون اس لیے لگایا ہے کہ اس سے پہلے اختلاف لیل ونہار اور آسمان اور زمین کی پیدائش کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کا بیان ہے اور نیز یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں اور انسان اس سے ڈرتا ہے جو طاقت ور ہو اور اس سے کچھ

مفاد بھی وابستہ ہو اور اس کے حکم کی خلاف ورزی سے نقصان کا اندیشہ بھی ہو اور دلیل و نہار اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتیں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ رات بنا دے تو کوئی دن نہیں بنا سکتا ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ دن بنا دے تو رات کوئی نہیں بنا سکتا ۔ پس انسان اگر تھوڑا سا غور کرے گا تو اس کے دل میں اس اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی آئے گی ۔ اس کی طاقت کا اندازہ بھی اسے ہو جائے گا ۔ اور اس کے حکم کی خلاف ورزی سے بھی بچے گا ۔ کیونکہ اس کا ایمان بن جائے کہ اگر میں اتنے بڑے بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کرونگا تو اس کی سزا سے بچ نہیں سکوں گا ۔ اس لیے آیت چھ کے آخر میں قوم کے ساتھ یتقون لگایا ہے ۔

آیت سات کے آخر میں یَسْمَعُوْنَ اس لیے لگایا ہے کہ اس سے پہلے رات اور دن کے فوائد کا بیان ہے کہ رات انسان کے آرام کے لیے بنائی گئی ہے اور دن دیکھنے کے لیے ۔ یعنی کام کاج اور اسباب معیشت تلاش کرنے کے لیے بنایا گیا ہے ۔ اور یسمعون سَمْعٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہے سننا ۔ اور یہ توفیق کا ایک سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت دینے کے لیے توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ تین چیزیں ہیں ۔ ایک آنکھوں سے قدرت کے نمونوں کو دیکھنا اور دوسری کانوں سے ان نمونوں کو سننا اور تیسری دل و دماغ سے ان نمونوں میں غور کرنا ۔ پس جو آدمی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان قوتوں سے کام لے گا تو وہ راہِ ہدایت پائے گا اور جو ان قوتوں سے کام نہیں لے گا تو وہ راہ ہدایت سے محروم رہے گا اور یہاں آیت نمبر سات میں جن نمونوں کا بیان ہے انسان انہیں شب و روز دیکھ رہا ہے اور ان سے فائدہ بھی

اٹھا رہا ہے۔ پس اب اسے صرف یہ بات سنانے کی ضرورت ہے کہ یہ رات اور دن جن سے بہرہ ور ہو رہے ہو یہ خود نہیں پیدا ہوئے بلکہ انہیں تو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے پیدا فرمایا ہے۔ اب انسان یہ سنے گا تو اب دل و دماغ سے غور کریگا تو اسے ہدایت نصیب ہو گی۔

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ایمان اس پر شاہد ہے کہ جب وہ گھر سے صرف اس ارادہ سے نکلے کہ آج ہادیٔ اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر قلم کرنا ہے اور راستہ میں پتہ چلا کہ میرا بہنوئی اور بہن بھی (دونوں) مسلمان ہو گئے ہیں۔ تو پہلے ان کے گھر کا رُخ کیا۔ اور ان دونوں کو بہت پیٹا مگر وہ اس قدر تشدّد کے باوجود دین سے منحرف نہ ہوئے۔ بہن نے بڑی جرأت و استقامت سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کی سرفرازی عطا فرمائی ہے۔ یہ دینِ حق اب تمہارے تشدّد سے ہمارے دِلوں سے نِکل نہیں سکتا۔ تو فرمایا کہ مجھے وہ نسخہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ تو بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو وہ پاکیزہ نسخہ ہے۔ اگر تم اسے دیکھنا چاہتے ہو تو پہلے غسل کر لو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غسل کیا۔ سورۃ طٰہٰ کی چند آیات پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت اسلام سے سرفراز فرمایا۔ پس یہ واقعہ اسلام کے نمونے دیکھنے، سننے اور ان میں غور کرنے کا نتیجہ ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ — اور وہ ہے جس نے
السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ — آسمانوں کو ستون کے بغیر بلند
تَرَوْنَهَا ثُمَّ — کیا جنہیں تم دیکھ رہے ہو پھر
اسْتَوٰی عَلَی — عرش پر قائم ہوا اور سورج
الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ — اور چاند کو کام پر لگا دیا
وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ — ہر ایک اپنے وقت معیّن
یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ — پر چل رہا ہے وہ ہر ایک
یُدَبِّرُ الْاَمْرَ — کام کا انتظام کرتا ہے۔
یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ — نشانیاں کھول کر بتاتا ہے تاکہ
لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ — تم اپنے رب سے ملنے کا یقین
تُوْقِنُوْنَ ○ وَهُوَ — کرو۔ اور اسی نے
الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ — زمین کو پھیلایا اور اس
وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ — میں پہاڑ اور دریا بنائے اور
وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ — زمین میں ہر ایک پھل
الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا — دو قسم کا بنایا دن کو
زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی — رات سے چھپا دیتا ہے
الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ — بے شک اس
فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ — میں سوچنے والوں کے
یَّتَفَكَّرُوْنَ ○ — لیے نشانیاں ہیں۔
وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ — اور زمین میں ٹکڑے ایک
مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ — دوسرے سے ملے ہوئے ہیں

مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ	اور انگور کے باغ ہیں
وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ	اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں
وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ	ایک کی جڑ ملی ہوئی بعض
يُّسْقٰى بِمَاءٍ وَّاحِدٍ قف	بن ملی انہیں پانی بھی
وَّ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا	ایک ہی دیا جاتا ہے اور
عَلٰى بَعْضٍ فِى	ہم ایک کو دوسرے پر
الْاُكُلِ ط اِنَّ	پھلوں میں فضیلت دیتے
فِىْ ذٰلِكَ	ہیں بے شک اس میں
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○	عقلمندوں کے لیے بڑی
سورۃ الرعد آیت ۲ تا ۴	نشانیاں ہیں ۔

تحقیق بعض الفاظ

اَللّٰهُ الَّذِىْ تا تُوْقِنُوْنَ ۔

رَفَعَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے رَفْعٌ سے بنا ہے بمعنی بلند کرنا ۔ عَمَدٌ مصدر ہے بمعنی ستون ۔ یہاں مراد سہارا ہے ۔ تَرَوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے رُؤْيَةٌ سے بنا ہے بمعنی دیکھنا مُسَمًّى اسم مفعول واحد کا صیغہ ہے ۔ سُمُوٌّ سے بنا ہے بلندی باب تفصیل پہ بے جانے کی وجہ سے واؤ کو یا سے بدلا اور یا کو الف سے مگر یا لکھنے میں آتی ہے اور تلفظ میں نہیں آتی ۔ اس لیے مُسَمًّى پڑھا جاتا ہے اس کا معنی نام مقرر کرنا ہے ۔ لفظ لَعَلَّ وہاں لگایا

جاتا ہے جہاں کام ہونے کی توقع اور امید ہو مگر قرآن مجید میں اکثر علّت اور باعث کے معنی بھی استعمال ہوتا ہے۔ لِقَاءِ مصدر ہے بمعنی ملاقات۔ تُوْقِنُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے یقن سے بنا ہے بمعنی یقین کرنا۔

تیئیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ الرعد کی آیت دو ہے اس میں عقیدۂ توحید پر تیئیسویں عقلی دلیل ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے تعارفی نمونے بیان ہوئے ہیں اور اس میں یہ بتایا ہے کہ یہ نمونے از سرِ خود معرضِ وجود میں نہیں آئے بلکہ اس خداوند تعالیٰ جَلّ مجدہٗ نے انہیں پیدا فرمایا ہے اور ان کے پیدا کرنے میں جنات، فرشتوں اور انسانوں میں سے اس کا کوئی شریک بھی نہیں ہے۔ اس آیت کی باقی تفصیل تو بیان ہو چکی ہے۔ یہاں ایک تو لفظ عمد کی تشریح کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالےٰ نے رفع السموات کے ساتھ بغیر عمد کا لفظ لگایا ہے۔ اس میں یہ وضاحت کرنا مقصود ہے کہ اس سے پہلے تو سموٰت کی تخلیق کا ذکر آیا ہے مگر یہ نہیں بتلایا کہ آسمانوں کو کس طرح کھڑا کیا ہوا ہے۔ کیا وہ بے سہارا قائم ہیں یا سہارے سے قائم ہیں؟ اور یہاں سموٰات کے ساتھ بغیر عمد کا لفظ لگا کر بتا دیا کہ وہ آسمان بے سہارا قائم ہیں اور یہ قدرت کا ایک اور بہت بڑا عجیب و غریب نمونہ ہے۔ انسان کا بنایا ہوا ایک کمرہ بھی سوائے سہارے کے نہیں کھڑا ہو سکتا اور اس کے بنے ہوئے اتنے اونچے اونچے آسمان سوائے سہارے کے کھڑے ہیں۔

اور آخر میں فرمایا ہے لَعَلَّکُمْ بِلِقَاءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝
تاکہ اپنے رب کی ملاقات پر تمہارا یقین پیدا ہو جائے اور وہ یقین اس طرح پیدا ہو گا کہ جو اللہ تعالیٰ آسمانوں جیسی عظیم مخلوقات کو سوائے سہارے کے بنا سکتا ہے وہ مرنے کے بعد انسان کو بھی دوبارہ بنا سکتا ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ تا یَتَفَکَّرُوْنَ

مَدَّ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے مَدًّا سے بنا ہے اس کا معنی کھینچنا ہے۔ رَوَاسِیَ رَاسِیَةٌ کی جمع ہے رَسُوٌّ سے بنا ہے اس کا معنی ٹھہرانا پہاڑوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے زمین کو ٹھہرایا ہوا ہے۔ یَتَفَکَّرُوْنَ جمع غائب مضارع کا صیغہ ہے فکر سے بنا ہے اور فکر اس قوت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان میں پیدا فرمائی ہے اور یہ انسان کا خاصہ ہے حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت عطا نہیں فرمائی کیونکہ فکر کا معنی ہے ایک چیز کا بار بار تجربہ کرنے کے بعد اس سے دوسری چیز کا علم حاصل کرنا اور اسی کو سائنس کہتے ہیں۔ اور انسان شب و روز نئے نئے تجربات کر رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں نئی نئی چیزیں معرض وجود میں آ رہی ہیں اور چونکہ حیوانات میں یہ قوت فکر موجود نہیں ہے اس لیے وہ ایسے تجربے بھی نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ ان تجربات کا ذریعہ بنے ہوتے ہیں کیونکہ سائنس جدید والوں نے جتنے تجربات کئے ہیں وہ انہی حیوانات پر کئے ہیں

چوبیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ الرعد کی آیت نمبر تین ہے ۔ یہ عقیدہ توحید پر چوبیسویں عقلی دلیل ہے ۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ یہ دلیل ان لوگوں کے لیے ہے کہ جو زمین ، پہاڑ، دریا ، نباتات ، پھل فروٹ اور رات دن کے نظام میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں ۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کاشت کرتے ہیں ۔ یا پہاڑوں میں معدنیات وغیرہ تلاش کرتے ہیں ۔ اور آثار قدیمہ والے بھی اس سے مراد ہو سکتے ہیں ۔ کیونکہ ان لوگوں کا کام اس سلسلہ میں نئی سے نئی طلب و جستجو ہوتی ہے اور قدرت کے نئے سے نئے نمونے پاتے ہیں ۔ زمین کے اندر بھی ایسے نمونے موجود ہیں اور پہاڑوں میں بھی اور دریاؤں کے اندر بھی ۔ پس جب ایسے لوگ توحید کے بارے میں غور کریں گے تو پکار اٹھیں گے کہ تبارک اللہ رب العلمین ۔ اور انہیں ماننا پڑے گا یہ نظام خود نہیں بنا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے ۔

تحقیق بعض الفاظ

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ تا یَعْقِلُوْنَ ○

قِطَعٌ ، قِطْعَةٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ٹکڑا ہے ۔ مُتَجٰوِرٰتٌ مُتَجَاوِرَةٌ کی جمع ہے معنی پاس بیٹھنے والیاں ۔ جَنّٰتٌ جَنَّةٌ کی جمع ہے ۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حواس سے پوشیدہ ہو ۔ جن پر جنون پر اور باغ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔ اَعْنَابٌ عِنَبٌ کی جمع ہے

زَرْعٌ کھیت ، نَخِیْلٌ نَخْلٌ سے بنا ہے نَخْلَۃٌ کی جمع ہے کھجوریں۔ صِنْوَانٌ صِنْوٌ کی جمع ہے ۔ حقیقی بھائی ، بیٹے ، تایا چچا اور درخت کی شاخوں پر اور جڑوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔ یہاں مراد انکی شاخیں اور جڑیں بھی ہو سکتی ہیں ۔ یُسْقٰی واحد مذکر مضارع مجہول کا صیغہ ہے سَقْیٌ سے بنا ہے پانی پلانا ۔ نُفَضِّلُ جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے تَفْضِیْلٌ سے بنا ہے ۔ یَعْقِلُوْنَ جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے عَقْلٌ سے بنا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک قوت پیدا فرمائی ہے جو علم قبول کرتی ہے اور اس علم کو بھی کہتے ہیں جو اس قوت کے ذریعہ انسان کو حاصل ہو ۔ اس رسی کو بھی کہتے ہیں جس سے اونٹ کے پاؤں باندھتے ہیں۔

پچیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ الرعد کی آیت نمبر چار ہے ۔ یہ عقیدہ توحید کی پچیسویں عقلی دلیل ہے ۔ اس آیت کی باقی تفسیر تو پہلے بیان ہو چکی ہے ۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اس آیت کے آخر میں لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ کے ساتھ یعقلون کی قید کیوں لگائی ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عقل وہ قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر علوم حاصل کرنے کے لیے پیدا فرمائی ہوئی ہے اور وہی عقل انسان کو اچھی چیز کی ترغیب دیتی ہے اور بری چیز سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے اس آیت میں جو اپنی قدرت کاملہ کے نمونے بیان فرمائے ہیں ۔ جب انسان اپنی عقل سے ان میں غور و فکر کرے گا تو اسے یقین کامل ہو جائے گا کہ یہ نمونے صرف اس ایک ذات پاک کے ہی

ہو سکتے ہیں اور بس۔ اور یہ بھی اس کو یقین ہو جائیگا کہ اس ذات بے ہمتا میں کوئی اور شریک بھی نہیں ہے۔ پس یہ عقل انسان کو شرک سے بچالے گی اس لیے آخر میں لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَعْقِلُوْنَ فرمایا ہے۔

سوال

دنیا میں بہت سے عقلاء ہیں جو عقیدۂ توحید کے منکر ہیں اس کی کیا وجہ ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے تین چیزیں شرط رکھی ہیں۔ آنکھ سے قدرت کے نمونوں کو دیکھنا ۔ کانوں سے سننا اور دل و دماغ سے غور کرنا ۔ پس جو آدمی اس توفیق سے کام لے گا تو وہ راہ ہدایت پائے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا تو وہ محروم رہے گا ۔ اور یہ توفیق اللہ تعالیٰ نے سب کو عطا فرمائی ہے ۔ کافروں کو بھی اور ایمان والوں کو بھی۔ اب اگر کوئی آدمی اس توفیق سے کام نہیں لیتا تو اس کا اپنا قصور ہے اور جس کو یہ توفیق نہیں دی وہ مکلف بھی نہیں جیسا کہ مجنوں ۔

أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ
شُرَكَاءَ خَلَقُوا
كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ
الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ط
قُلِ اللَّهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّ
هُوَ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ ۝ أَنْزَلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ
بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ
السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ط
وَمِمَّا يُوقِدُونَ
عَلَيْهِ فِي النَّارِ
ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ
مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ط
كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ
الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ط فَأَمَّا
الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ج
وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ
فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ط

جنہیں انہوں نے اللہ کا
شریک بنا رکھا ہے انہوں
نے بھی اللہ کی مخلوق جیسی
کچھ مخلوق بنائی ہے پھر
مخلوق ان کی نظر میں مشتبہ
ہو گئی ہے۔ پیدا کرنے والا
اللہ ہے اور وہ اکیلا
زبردست ہے۔ اس
نے آسمان سے پانی اتارا
پھر اس سے اپنی مقدار
سے نالے بہنے لگے۔
پھر وہ سیلاب پھولا ہوا
جھاگ اوپر لایا اور جس چیز
کو آگ میں زیور یا کسی اور
اسباب بنانے کے لیے
پگھلاتے ہیں اس پر بھی
ویسا ہی جھاگ ہوتا ہے
وہ یونہی جاتا رہتا ہے
اور جو لوگوں کو فائدہ دے
وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔
اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ ہے۔
الْاَمْثَالَ ؕ سورۃ الرعد آیت ۱۶۔۱۷

اَلَمْ تَرَ اَنَّ کیا تو نے نہیں دیکھا
اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ کہ اللہ نے آسمانوں
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اور زمین کو ٹھیک طور
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ پر بنایا اگر وہ چاہے
وَيَاْتِ بِخَلْقٍ تو تمہیں لے جائے اور
جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ نئی مخلوق لے آئے اور
عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں
(سورۃ ابراہیم آیت ۱۹۔۲۰) ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ تا الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

تشابہ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے باب تفاعل سے۔ شُبْہٌ سے بنا ہے۔ القَهَّارُ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ قَهْرٌ سے بنا ہے۔ جس لفظ سے سوائے لحاظ نسبت کے کسی کام کی کثرت اور زیادتی بیان کی جائے اسے صیغہ مبالغہ کہتے ہیں۔ اور اسم تفضیل میں نسبت کا لحاظ ہوتا ہے۔

دعوتِ توحید کا طریقہ اور اسکی

تفسیر

یہ سورہ الرعد کی آیت سولہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ جلّ مجدہٗ نے جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دعوت توحید کا طریقہ بتایا ہے کہ کیا ان کے معبودوں نے جنہیں وہ خدا کا شریک مانتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق جیسی کوئی مخلوق بنائی ہے جس کی وجہ سے ان پر معاملہ مشتبہ ہو گیا ہو حالانکہ یہ بات تو نہیں ہے کہ ان کے معبودوں کی کوئی چھوٹی سی چھوٹی پیدا کی ہوئی چیز بھی موجود نہیں۔

پس مقصد یہ ہے کہ اے نبی ان مشرکین سے فرما دیں کہ تم اپنے معبودوں کی پیدا کی ہوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ہی دکھا دو جس کی وجہ سے تمہیں شبہ پڑا ہوا ہے کہ وہ بھی تو خالق ہیں اس لیے تم انکو معبود مانتے ہو اور یقیناً وہ ان کی پیدا کی ہوئی کوئی چیز بھی نہیں دکھا سکتے۔ کیونکہ وہ خالق نہیں ہیں۔ سب کا خالق تو صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا نہیں چاہیئے کہ ان سب کو چھوڑ کر اس ایک خدا کو مانیں اور اسی کی بندگی کریں۔

تحقیق بعض الفاظ

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً تا یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ

اَنْزَلَ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے انزال سے بنا ہے معنی اتارنا، اس کا ماخذ نزول ہے اترنا۔ سَالَتْ

صیغہ واحد مؤنث ماضی ہے۔ سَیْل سے بنا ہے پانی کی رو۔ اَوْدِیَۃٌ وَادِیْ کی جمع ہے پانی کا نالہ۔ زَبَدٌ۔ جھاگ، رَابِیًا صیغہ واحد مذکر اسم فاعل ہے۔ بلند ہونے والا رَبْوٌ سے بنا ہے بلند۔ یُوْقِدُوْنَ جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے اِیْقَادٌ سے بنا ہے روشن کرنا۔ ماخذ وَقْدٌ ہے بمعنی آگ بھڑکانا۔ اِبْتِغَاءَ باب افتعال کی مصدر ہے ڈھونڈنا ماخذ بُغْیَۃٌ ہے۔ حِلْیَۃٌ زیور۔ جُفَاءً کوڑا کرکٹ، جھاگ۔ یَنْفَعُ واحد مضارع معروف کا صیغہ ہے نفع سے بنا ہے۔ یَمْکُثُ واحد مضارع معروف کا صیغہ ہے مَکْثٌ سے بنا ہے بمعنی ٹھہرنا۔

چھبیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ الرعد کی آیت سترہ ہے۔ یہ عقیدۂ توحید پر چھبیسویں عقلی دلیل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے تعارفی نمونے اور تصرفات کا بیان ہے کہ کوئی چیز ان میں سے خود نہیں پیدا ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ انہیں پیدا کرنے والا ہے اور ان کے بنانے میں کوئی جن، فرشتہ یا انسان اس کا شریک نہیں۔

اس آیت میں عقیدۂ توحید کی دو مثالیں دی ہیں ایک سیلاب اور اس کی جھاگ، اور دوسری سونا چاندی کا زیور اور اس کی جھاگ یعنی جس طرح سیلاب میں پانی اصل اور نفع مند ہوتا ہے اور جھاگ بے کار ہوتی ہے۔ اور جس طرح سونا اور چاندی کا زیور اصل اور کارآمد ہوتا ہے اور جھاگ بے کار ہوتی ہے۔ یعنی پانی تو اس طرح مفید ہوتا

ہے کہ وہ ہر چیز کی زندگی کا ذریعہ ہے۔ اور سونا چاندی اس طرح کارآمد ہوتے ہیں کہ انہیں پر دُنیا کا کاروباری نظام قائم ہے اور جھاگ خواہ پانی کی ہو یا سونے چاندی کی اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اصل مقصود اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی سب کا خالق و مالک مربّی ومحسن ہے اور وہی ہر مصیبت میں کام آنے والا ہے۔ اور لوگ جنہیں اپنا معبود مانتے ہیں اور جنہیں وہ حاجات اور مشکلات میں پکارتے ہیں ان سب کی حیثیت پانی اور سونے چاندی کی جھاگ کی سی ہے۔ جس طرح اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اسی طرح ان معبودوں کو پکارنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور انہیں پکارنا بالکل بے سود اور بیکار چلا جاتا ہے۔ اور جس مقصد کی خاطر انسان انہیں پکارتا ہے وہ مقصد پورا نہیں کر سکتے۔ البتہ اس کا نقصان ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ شرکیہ ہے اور مشرک کی سزا دوزخ ہے۔ یعنی ان معبودانِ باطلہ کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا اور انہیں متصرف ماننا یہ تو ہوا عقیدہ شرکیہ اور مشکل اور حاجات میں انہیں پکارنا یہ ہوا فعل شرکیہ۔ اور یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اور اللہ رب العزت کے نزدیک ناقابل معافی ہے۔ بہت سے لوگ اس بداعتقادی اور افعالِ شرکیہ میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے پناہ دے کیونکہ یہ بہت بڑا نقصان ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ تا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

اَلْحَقُّ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے معنی سچّا۔ چیز کو راست بنانا۔ یہاں آخری دو معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ یَشَاءُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے شَیْئٌ سے بنا ہے اس کا معنی چاہنا یُذْهِبْ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اِذْهَابٌ سے بنا ہے۔ اس کا ماخذ ذِهَابٌ ہے۔ یَأْتِ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِتْیَانٌ سے بنا ہے۔ عَزِیْز اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ عِزَّةٌ سے بنا ہے معنی عزت والا۔ اس کا صلہ علیٰ ہو تو پھر اس کا معنی دشواری ہونا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔

ستائیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر بیس ہے۔ اس میں عقیدۂ توحید پر ستائیسویں عقلی دلیل ہے۔ اگرچہ اس طرح کی آیات اس سے قبل کئی بار گزر گئی ہیں مگر یہاں اندازِ بیان قدرے مختلف ہے اس لیے یہ تکرار شنیع و قبیح نہیں ہے۔ اس دلیل کو اَلَمْ تَرَ سے شروع کیا ہے۔ یہ ترکیب ایسے مواقع میں بیان ہوتی ہے جو مشہور و معروف ہو۔ اور مخاطب کو اس کی طرف صرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے اور اس کے مخاطب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں اور ہر آدمی بھی ہو سکتا ہے اور یہاں یہ توجہ دلانا ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت پر جو دلائل بیان ہوئے وہ تو سرسری اور طائرانہ تھے۔

اب اس آیت میں بنظرِ عمیق اور غائر توجہ دلانا مقصود ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے یہ جو زمین و آسمان پیدا فرمائے ہیں۔ ان میں پوری طرح غور کرو۔ کہ کیا یہ ٹھیک بنے ہوئے ہیں یا کوئی خامی بھی ہے ۔ یہ مضمون اَلَمْ تَرَ سے نکلتا ہے کیونکہ تَرَ رُؤْیَۃٌ سے بنا ہے اور یہ لفظ کبھی کبھی تو رُؤْیَۃ بصری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر رُؤْیَۃ قلبی کے معنی میں آتا ہے اور یہاں رُؤْیَۃ قلبی ہی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ اس سے قبل بھی اس مضمون کی متعدد آیات گزری ہیں اور اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے مگر رُؤْیَۃ کے لفظ سے نہیں دلائی تھی۔ اور اب رُؤْیَۃ کا لفظ ذکر فرمایا ہے اور ویسے بھی انسان شب و روز قدرت کے یہ نمونے اور کرشمے بچشم خود ملاحظہ کرتا ہی رہتا ہے۔ لہٰذا یہاں رُؤْیَۃ سے مراد رُؤْیَۃ قلبی ہی ہو گی۔

پس مقصد یہ ہوا کہ اے مخاطب زمین اور آسمان کے ان نمونوں میں اچھی طرح غور کرو اور ان میں تدبّر اور فکر کر۔ اگر ان میں کوئی خرابی ہوئی تو وہ یقیناً بنانے والے کی خامی کی علامت ہو گی۔ لیکن یہ خامی وہ نکال سکتا ہے جو اس زمین و آسمان کے بنانے کی مہارت رکھتا ہو۔ اور انسان تو قدرت کی بنی ہوئی کسی ایک چھوٹی سی چھوٹی چیز میں ابھی تک مہارت تامہ حاصل نہیں کر سکا تو زمین اور آسمان کی پوری مہارت یہ کیسے حاصل کر سکتا ہے ؟

ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کسی بنی ہوئی چیز میں خامی اور نقص وہ نکال سکتا ہے جو اس چیز کے بنانے والے سے زیادہ مہارت رکھتا ہو اور کاریگر ہو اور خداوند تعالیٰ سے کوئی بھی زیادہ مہارت رکھنے

والا اور کاریگر نہیں ہے اور انسانوں میں سے کسی کو اگر تھوڑی بہت مہارت حاصل ہے تو وہ بھی اسی کی عطا کردہ ہے۔ لہٰذا یہ اگر اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز میں بغرض تنقیص بھی غور کرے گا تو آخر پکار اُٹھے گا کہ تبارک اللہ رب العلمین۔

اور آخر میں فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اتنی طاقت کا مالک ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین جیسی مخلوق پیدا کی ہے۔ اے انسانوں وہ تم سب کو مٹا کر اتنی نئی مخلوق پیدا کر سکتا ہے اور ایسا کرنا اس کے سامنے مشکل نہیں ہے۔ اور اس آیت کے مخاطب جنابِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مبارک کے انسان ہیں انہیں یہ دھمکی سنائی جا رہی ہے کہ اگر تم عقیدہ توحید نہیں مانو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں مٹا کر نئی مخلوق پیدا کرلے گا۔ اور اس کا عملی نمونہ بھی سامنے آگیا ہے کہ اس زمانے سے لے کر آج تک کتنے انسان اللہ تعالےٰ نے مٹا کر نئے پیدا کر لیے ہیں۔ لیکن بظاہر صیغوں کو اگر دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور کا انسان ان آیات کا مخاطب ہے اور تا قیامت ایسا ہی ہوگا کہ جب کوئی آدمی قرآن مجید کھول کر دیکھے گا تو اسے یہی معلوم ہوگا کہ وہی اس قرآن کا مخاطب ہے اور اسے کہا جا رہا ہے کہ عقیدہ توحید مان لو ورنہ تمہیں مٹا کر اللہ تعالےٰ نئی مخلوق پیدا کر لیں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ وَاَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝

اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے تمہارے کھانے کو پھل نکالے اور کشتیاں تمہارے تابع کر دیں تاکہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی رہیں اور نہریں تمہارے تابع کر دیں۔ اور سورج اور چاند کو تمہارے تابع کر دیا جو ہمیشہ چلنے والے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو تابع کیا اور جو چیز تم نے اس سے مانگی اس نے تمہیں دی اور اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو انہیں شمار نہ کر سکو بے شک انسان بڑا بے انصاف ناشکرا ہے اور میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس مجھ سے

ڈرتے رہو

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	اسی نے آسمانوں اور
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ	زمین کو ٹھیک طور پر
تَعٰلٰی عَمَّا	بنایا ہے وہ ان کے
یُشْرِکُوْنَ ۝	شرک سے پاک ہے
خَلَقَ الْاِنْسَانَ	اسی نے آدمی کو ایک
مِنْ نُّطْفَۃٍ	بوند سے پیدا کیا پھر
فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ	وہ یکایک کھلم کھلا جھگڑنے
مُّبِیْنٌ ۝ وَالْاَنْعَامَ	لگا۔ اور تمہارے واسطے
خَلَقَھَا لَکُمْ	چارپایوں کو بھی اسی نے بنایا
فِیْھَا دِفْءٌ	ان میں تمہارے جاڑے کا
وَّ مَنَافِعُ وَمِنْھَا	بھی سامان ہے اور بھی بہت
تَاْکُلُوْنَ ۝ سورۂ نحل	سے فائدے ہیں اور ان
آیت ۲ تا ۵	میں سے کھاتے بھی ہو۔

تحقیق بعض الفاظ

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ تا وَمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ ۝

دَآئِبَیْنِ تثنیہ مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ دَاْبٌ سے بنا ہے ہمیشہ چلنے والے۔ سَاَلْتُمُوْہُ جمع مذکر حاضر ماضی کا صیغہ ہے سوال سے بنا ہے۔ تَعُدُّوْا جمع مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے

عَدًّا سے بنا ہے گننا۔ تُحْصُوْا جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔
اِحْصَاءٌ سے بنا ہے شمار کرنا۔

تفسیر

اس سے پہلے عقیدۂ توحید پر ستائیس عقلی دلائل آچکے ہیں اور چھ دلائل عقلیہ سورۂ نحل کی ان آیات میں بیان ہوئے ہیں۔ پس کل تینتیس دلائل ہو گئے ہیں۔ ان چھ دلائل میں اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے کیا کیا چیزیں پیدا فرمائی ہیں۔ اور یہاں تو صرف بعض چیزوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور باقیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے پہلے جو تم نے اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے اس نے وہ تمہیں دیا ہے اور آئندہ بھی جو اس سے مانگو گے تمہیں وہ چیزیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائیں گے۔ البتہ اتنا یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنانا — اس سے ڈرنا ورنہ وہ مالکانہ کارروائی کرے گا اور پھر اسکی گرفت سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔

باقی ان دلائل پر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ	اور تمہارے لیے ان میں
حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ	زینت بھی ہے جب
وَحِيْنَ	شام کو چرا کر لاتے ہو
تَسْرَحُوْنَ ۝	اور جب چرانے لیجاتے ہو

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ | اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر
اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ | ان شہروں تک لے جاتے ہیں
تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ | کہ جہاں تک تم جان کو تکلیف
اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ | میں ڈالنے کے سوا نہیں پہنچ
اِنَّ رَبَّكُمْ | سکتے تھے بیشک تمہارا رب
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ | بڑا شفقت کرنیوالا نہایت
مہربان ہے۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ | اور گھوڑے اور خچر اور
وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا | گدھے پیدا کیے کہ ان پر
وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ | سوار ہو اور زینت کے
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ | لیے اور وہ چیزیں پیدا کرتا
سورۃ النحل آیت ٦ تا ١٢ | ہے جو تم نہیں جانتے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ | اور اللہ تک سیدھی راہ پہنچتی
السَّبِيْلِ وَمِنْهَا | ہے اور بعض ان میں ٹیڑھی بھی
جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ | ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب
لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ | کو سیدھی راہ بھی دکھا دیتا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ | وہی ہے جس نے آسمان
مِنَ السَّمَآءِ | سے تمہارے لیے پانی
مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ | نازل کیا اسی میں سے پینے
شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ | ہو اور اسی سے درخت ہوتے
فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ | ہیں جن میں چراتے ہو۔

يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ	تمہارے واسطے اسی سے
الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ	کھیتی اور زیتون اور کھجوریں
وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ	اور انگور ہر اور ہر قسم کے
وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ	میوے اگاتا ہے بیشک اس
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً	میں ان لوگوں کے لیے نشانی
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝	ہے جو غور کرتے ہیں۔
وَسَخَّرَ لَكُمُ	اور رات اور دن اور سورج
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ	اور چاند کو تمہارے کام میں
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ	لگا دیا ہے اور اسی کے حکم
وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ	سے ستارے بھی کام میں لگے
بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ	ہوئے ہیں۔ بے شک اس
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝	ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں۔

تحقیق بعض الفاظ

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ تا لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

تُرِيْحُوْنَ جمع مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِرَاحَةٌ سے بنا ہے اس کا معنی آرام پانا، خوشی حاصل کرنا۔ مویشی چرا کر شام کو واپس لانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے۔ تَسْرَحُوْنَ جمع مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ سَرْحٌ

سے بنا ہے۔ اس کا معنی کھلا چھوڑنا۔ بٰلِغِیْہِ جمع مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ بَالِغٌ کی جمع ہے بَلَغَ سے بنا ہے۔

اٹھائیسویں عقلی دلیل کی

تفسیر

یہ سورۃ نحل کی ساتویں آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالٰے کی صفتِ خالقیت کی مزید تفصیل بیان فرمائی ہے اور اس کے تعارفی نمونے بیان فرمائے ہیں اور ان میں سے مویشی بھی ہیں اور ان مویشیوں میں انسان کے جو فوائد ہیں اس کی بھی تفصیل ہے کہ ان میں تمہارے لیے جاڑے کا سامان ہے اور منافع بھی ہے۔ ان میں سے کھاتے ہو۔ تمہارے لیے زینت ہے اور وہ تمہارے لیے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ آخر میں جو فرمایا ہے اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ بے شک تمہارا رب بے حد شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ یہ جملہ دفع وہم کے لیے فرمایا ہے۔ وہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے جو اپنے یہ تعارفی نمونے بیان فرمائے ہیں۔ شائد اس لیے تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر اسے بادشاہ مانیں اور اس کی حکومت کو دوام ملے۔ تو اللہ تعالٰے نے یہ وہم دور کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ یہ تعارفی نمونے جو بیان ہوئے ہیں یہ دوامِ حکومت کی خاطر نہیں ہوئے جس طرح دنیا کے حکمران کرتے ہیں۔ بلکہ چونکہ اللہ تعالٰی جَلَّ مجدہٗ بے حد مہربان ہے اور اس نے اپنا دروازہ دکھلانے کے لیے یہ نمونے بیان فرمائے ہیں۔ تاکہ لوگ اس کے درِ کریمی پر آئیں اور اس درِ کریمی سے اپنا اپنا حصہ لے جائیں۔

تحقیق بعض الفاظ

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ تا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

خَيْل گھوڑوں کی جماعت، سواروں کی جماعت۔ اس کا واحد نہیں ہے اس کی جمع اَخْيَالٌ یا خُيُوْلٌ آتی ہے وَالْبِغَالَ بَغْلٌ کی جمع ہے معنی خچر۔ وَالْحَمِيْرَ حِمَارٌ کی جمع ہے معنی گدھا لِتَرْكَبُوْا جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے رُكُوْب سے بنا ہے معنی سوار ہونا۔

تفسیر

یہ سورۃ النحل کی آیت آٹھ ہے۔ اس کے اندر بھی اللہ تعالےٰ کی صفت خالقیت کے نمونے بیان فرمائے ہیں اور اس کے انعامات اور کرامات کی تفصیل ہے کہ اس نے انسان کے لیے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرمائے ہیں تاکہ انسان تو ان پر سواری کرے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے سواری کا انتظام فرمایا ہے اور زیب و زینت کا بھی بندوبست کیا ہے۔

اور آخر میں فرمایا ہے یخلق ما لا تعلمون۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے انعامات اور سواری کے لیے اور بھی چیزیں پیدا فرمائیں گے جو ابھی تک تمہارے علم میں نہیں آئی ہیں جیسا کہ آج کل کی نئی ایجاد سواری کے لیے ہوائی جہاز، کاریں، ریل گاڑیاں، معدنیات اور

روزی کے لیے نئے نئے اسباب پیدا فرمائے ہیں جو آج سے پہلے نہیں تھے۔ یہ سب کچھ یخلق ما لا تعلمون میں آگیا ہے۔ اور اس آیت کے اوّلین اور پہلے مخاطب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کو خطاب فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں پیدا کریں گے جو تم نہیں جانتے۔ لیکن قرآن مجید کے ان الفاظ کو اگر دیکھا جائے اور ان میں بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے انسان کو بھی یہ خطاب ہو رہا ہے اور اس کے بعد میں جو آئیں گے وہ بھی اس آیت میں مخاطب ہوں گے۔

کیونکہ یہاں قرآن مجید میں الفاظ اور صیغے اللہ تعالیٰ نے اس انداز سے بیان فرمائے ہیں کہ ان سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے اور پتہ پتہ چلتا ہے کہ ہر دور کا انسان ان آیات کا مخاطب ہے اور یہ قرآن مجید کی اعلیٰ ترین فصاحت و بلاغت ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح پہلے انسانوں کا خالق و مالک ہے آج کے انسانوں کا بھی وہی خالق و مالک ہے۔ اور جس طرح ان انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے تعارف کی ضرورت تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا تعارف کرایا ہے اسی طرح آج کے انسان کو بھی اللہ تعالیٰ کے تعارف کی ضرورت ہے بلکہ آج کے انسان کو اللہ تعالیٰ کے تعارف کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ آج کل قدرت کی نئی نئی ایجادات سامنے آ رہی ہیں۔ اور انسان ان میں پڑ کر شرک میں مبتلا ہو رہا ہے اور انہیں کو اپنا قبلہ کعبہ ماننے لگ گیا ہے اور انہیں کو حاجت روا اور مشکل کشا

سمجھنے لگ گیا ہے اور جب ان کے سامنے قرآن مجید کے بیان کردہ دلائل آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے یہ تعارفی نمونے پیش ہوں گے تو انہیں ماننا پڑے گا کہ ہاں اللہ تعالیٰ ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ہر نئے دور کے انسانوں کے ساتھ اور ہر آنے والی نسل کے لیے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے اپنے تعارفی نمونے پیش کرتے رہیں گے مگر چونکہ ہر دور کا آنے والا انسان ایک نیا ذہن اور نیا تصور لے کر آئے گا اس لیے اس کے سامنے پرانے دلائل اور نمونوں کے ساتھ ساتھ نئے نئے دلائل اور نئے نئے نمونوں کی بھی ضرورت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے سامنے نئے نئے اور جدید نمونے پیش کریں گے تاکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل آجائے۔

تحقیق بعض الفاظ

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ تا اَجْمَعِيْنَ ○

قَصْدٌ مصدر ہے بمعنی قاصد سیدھی راہ۔ جائر واحد مذکر اسم فاعل ہے جَوْرٌ سے بنا ہے بمعنی زیادتی و ظلم، یہاں مراد ٹیڑھی راہ ہے۔ شَآءَ واحد مذکر ماضی ہے شَیْءٌ سے بنا ہے بمعنی چاہنا۔ هَدٰى واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ ہدایت سے بنا ہے بمعنی راہ دکھانا یا منزل مقصود تک پہنچانا۔ اجمعین اجمع کی جمع ہے اپنے سے پہلے کلمہ کی تاکید کے لیے لگایا جاتا ہے۔

تفسیر

یہ سورۃ النحل کی آیت نو ہے۔ اس میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی
وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ تک ہے۔ اس میں دفع
وہم ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے تعارف کے لیے اتنے
دلائل بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے تو اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ پر ہی
ہے سیدھا راستہ دکھانا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا راستہ اور کون
دکھا سکتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت
دیتا۔ یہ جملہ بھی ایک اور وہم دفع کرنے کے لیے فرمایا ہے اور وہ یہ ہے
کہ جب خداوند تعالیٰ اتنی اونچی اور طاقت ور ذات ہے تو اسے چاہیئے
کہ طاقت سے اپنی ذات منوا لے۔ تو اس کا جواب دیا ہے کہ اگر وہ ایسا
کرنا چاہتا تو کر لیتا مگر وہ ایسا کرنا پسند نہیں کرتا۔

دراصل مشیّت دو قسم کی ہے بالجبر اور بالرّضا۔ یہاں نفی بالجبر کی
ہے بالرضا کی نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اگر جبر کرتے تو سب لوگ اس
کو مان جاتے لیکن اللہ تعالیٰ جبر نہیں کرتے کیونکہ جبر کرنے سے لوگ صرف
زبانی توحید کا اقرار کرتے ہیں انہیں قلبی تصدیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ جبر سے
حقانیت دل میں اترتی نہیں بلکہ دل میں حسد و بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ دل
میں اخلاص نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ اس ہدایت کو قبول فرماتے ہیں جو خلوص
دل سے ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جبر چھوڑ کر دلائل کا طریقہ اختیار فرمایا
ہے اور دلائل سے جو ہدایت دل میں اترتی ہے دنیا کی کوئی طاقت اسے

نکال نہیں سکتی - اور دوسری قسم مشیت بالرضا ہے یعنی اللہ تعالےٰ یہ چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا یہی ہے کہ لوگ سارے توحید پرست ہوں جیسا کہ سورۃ زمر میں فرمایا ہے۔ ولا یرضا لعباہ الکفر اللہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا - اسی لیے تو دنیا میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے ہیں اور ان پر کتابیں نازل فرمائی ہیں - اگر اللہ تعالیٰ کی رضا یہ نہ ہوتی تو اتنے انبیاءؑ کیوں بھیجتے اور ان پر کتابیں کیوں نازل فرماتے ؟ معلوم ہوتا ہے کہ رضا یہی ہے کہ سب لوگ ہدایت یافتہ ہوں - پس وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ سے مراد مشیت جبری ہے پس اس تفسیر سے اس آیت میں اور وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ میں تطبیق ہو جائے گی ورنہ تطبیق نہیں ہو گی۔ واللہ اعلم۔

انتیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ تا لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

یہاں سورۃ النحل کی آیت دس، گیارہ اور بارہ نقل کی گئی ہیں ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے نمونے بیان ہوئے ہیں - اور ان میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تفصیل ذکر کی ہے - اگرچہ اس مضمون کی آیات پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہیں مگر دوبارہ انہیں ذکر کرنے کا مقصد تاکید اور تائید ہے - اور تاکید کی خاطر کلام میں تکرار قبیح نہیں ہے - جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں بعض مشرک قومیں ایسی تھیں کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر یقین نہیں تھا - اور وہ ان آیات میں مذکورہ اشیاء کے بارے یہ نظریہ رکھتے تھے کہ یہ چیزیں خود بخود بن گئی

ہیں - ان کا اور کوئی خالق و مالک نہیں ہے - پس ان آیات میں ان کو بہ تاکید سنائی گئی ہے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آسمان کو - زمین کو - جانوروں کو، چاند، سُورج اور ستاروں کو مؤثر حقیقی مانتے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو جنات کو، فرشتوں کو اور نیک ہستیوں کو شریک خدا مانتے تھے اور آج کل بھی ان مذکورہ نظریات کے حامل لوگ دنیا میں موجود ہیں - قرآن مجید میں ان تمام باطل نظریات کی تردید موجود ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ ان میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں - پس جو عقل سے کام لیں گے ہدایت پائیں گے -

---

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِى	اور تمہارے واسطے جو چیزیں
الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ	زمین میں رنگ برنگ کی
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ	پھیلائی ہیں ان میں ان لوگوں
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○	کے لیے نشانی ہے جو سوچتے
وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ	ہیں - اور وہ وہی ہے
الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا	جس نے دریا کو کام میں
مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا	لگا دیا کہ اس میں سے
وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ	تازہ گوشت کھاؤ اور اسی
حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ	سے زیور نکالو جسے تم پہنتے
وَتَرَى الْفُلْكَ	ہو - اور تو اس میں جہازوں
مَوَاخِرَ فِيْهِ	کو دیکھتا ہے کہ پانی کو

وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ	چیرتے ہوئے چلے جاتے
فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ	ہیں اور تاکہ تم اس کے
تَشْكُرُوْنَ ٥	فضل کو تلاش کرو اور تاکہ
	تم شکر کرو۔
وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ	اور زمین پر پہاڑوں کے
رَوَاسِیَ اَنْ	بوجھ ڈال دیئے تاکہ تمہیں
تَمِیْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا	لے کر نہ ڈگمگائے اور تمہارے
وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ	لیے نہریں اور راستے بنا
تَهْتَدُوْنَ ٥	دئیے تاکہ تم راہ پاؤ۔
وَ عَلٰمٰتٍ ط وَ بِالنَّجْمِ	اور نشانیاں بنائیں اور ستاروں
هُمْ یَهْتَدُوْنَ ٥	سے لوگ راہ پاتے ہیں۔
اَفَمَنْ یَّخْلُقُ	پھر کیا جو شخص پیدا کرے
كَمَنْ لَّا	اس کے برابر ہے جو کچھ
یَخْلُقُ ط اَفَلَا	بھی پیدا نہ کرے کیا تم
تَذَكَّرُوْنَ ٥ وَ اِنْ	سوچتے ہو۔ اور اگر تم
تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ	اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو
لَا تُحْصُوْهَا ط اِنَّ	ان کا شمار نہیں کر سکو گے۔
اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥	بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ	اور اللہ نے آسمان سے پانی
السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا	اتارا پھر اس سے مردہ زمین
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط	کو زندہ کر دیا اس میں ان لوگوں

اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ○ کے لیے نشانی ہے جو سنتے ہیں
(سورۃ النحل آیت ۶۵)

تحقیق بعض الفاظ

وَمَا ذَرَاَ لَکُمْ تَا یَذَّکَّرُوْنَ ○

ذَرَاَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ ذَرْءٌ سے بنا ہے معنی پیدا کرنا، بکھیرنا۔ اَلْوَانٌ، لَوْنٌ کی جمع ہے معنی رنگ۔ یَذَّکَّرُوْنَ جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے ذکر سے بنا ہے معنی یاد کرنا، نصیحت حاصل کرنا۔

تیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ النحل کی آیت تیرہ ہے۔ اس میں عقیدہ توحید پر تیسویں عقلی دلیل نقل فرمائی ہے۔ اس میں دو مضمون ہیں۔ ایک وَمَا ذَرَاَ لَکُمْ سے لے کر اَلْوَانُہٗ تک۔ اس میں تو عقلی دلیل ہے۔ مقام غور ہے کہ مٹی ایک ہے پانی ایک ہے مگر اس سے پیدا ہونے والی چیزوں کے رنگ مختلف ہیں۔ مثلاً انسان ہی کو دیکھ لیں کہ کسی کا رنگ گورا ہے کسی کا کالا ہے۔ کوئی زیادہ خوبصورت ہے اور کوئی تھوڑا خوبصورت ہے۔ اور اس کے جسم کے اندر کے حالات اور کیفیات کو بھی دیکھیں کہ اس کا بعض حصہ سفید ہے اور بعض کالا ہے جیسا کہ آنکھ کی سیاہی اور سفیدی۔ باقی حیوانات

کا بھی یہی حال ہے۔ کہ سیاہ بھی ہیں سفید بھی اور سُرخ بھی۔ نباتات میں غور کریں کسی کا رنگ سبز ہوتا ہے اور کسی کا سفید ہوتا ہے اور کسی کا سُرخ ہوتا ہے۔ ہر ایک کا فائدہ بھی الگ الگ ہے اس لیے ہر ایک کا رنگ بھی الگ رکھا ہے تاکہ تعارف ہو سکے۔ اور ہر ایک کا رنگ دلکش اور دلربا بنایا ہے تاکہ انسان کو اچھا معلوم ہو اور بھلا لگے تاکہ اسے کھائے اور ہر ایک کا ذائقہ بھی الگ الگ رکھا ہے میٹھا شیریں، کھٹا، پھیکا، تلخ۔ کیا یہ سب کچھ سلسلہ از سر خود بن گیا ہے ہرگز نہیں۔

ایک عقل سلیم اس کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گی اور وہ کبھی نہیں مانے گی کہ یہ سب کچھ خود بن گیا ہے کیونکہ یہ تجربات اور مشاہدات کے خلاف ہے بلکہ عقل سلیم تو یہ ماننے پر مجبور کرتی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے بنایا ہے اور وہ اس کے بنانے میں اکیلا اور یکتا ہے وہ بے مثل ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اور دوسرا مضمون ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ ـ بے شک اس میں نشانی ہے قوم کے لیے جو سوچتے رہتے ہیں۔ اس جملہ میں عقلی دلیل پیش کرنے کی وجہ بیان فرمائی ہے یعنی جو لوگ سوچتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں غور و فکر کے بجائے ان دلائل میں غور کریں تو خود بخود اللہ کا تعارف انہیں ہو جائے گا اور حدیث میں بھی اس کی تفصیل آئی ہے کہ اللہ کی ذات میں فکر نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا فکر کرو کیونکہ

اللہ تعالیٰ کی ماہیت معلوم کرنا مشکل ہے البتہ اس کی صفات میں غور کرنے سے اس کا تعارف ہو جائے گا اور مقصد بھی یہی ہے ۔

تحقیق بعض الفاظ

وَهُوَ الَّذِىْ تا تَشْكُرُوْنَ ○

سَخَّرَ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے تسخیر سے بنا ہے معنی تابعدار بنانا ، بیگار لینا ۔ لِتَأْكُلُوْا جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے اَكْلٌ سے بنا ہے کھانا ۔ طَرِيًّا واحد کا صیغہ ہے بمعنی تر و تازہ ۔ تَسْتَخْرِجُوْنَ جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے استخراج سے بنا ہے نکلنے کی خواہش کرنا ۔ حِلْيَةً واحد ہے معنی زیور ۔ تَلْبَسُوْنَ جمع مذکر مضارع حاضر کا صیغہ ہے ۔ لُبْسٌ سے بنا ہے پہننا تَرٰى واحد مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے رُؤْيَةٌ سے بنا ہے یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے رُؤْيَة قلبی اور رُؤْيَة بصری ۔ یہاں مراد ثانی معنی ہے ۔ مَوَاخِرَ مَاخِرَةٌ کی جمع ہے پانی پھاڑنے والی کشتیاں ۔ لِتَبْتَغُوْا جمع مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے اِبْتِغَاءٌ سے بنا ہے تلاش کرنا ۔ تَشْكُرُوْن جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے شکر سے بنا ہے بمعنی محسن کی تعریف کرنا ، قدر کرنا ۔ فَضْلٌ مصدر ہے بچی ہوئی چیز ۔ اللہ تعالےٰ کے انعامات و احسانات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔

اکتیسویں عقلی دلیل کی

تفسیر

یہ سورۃ النحل کی آیت نمبر چودہ ہے۔ یہ عقیدۂ توحید پر اکتیسویں عقلی دلیل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کا تعارفی نمونہ ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ یہ بحری نظام خود نہیں بن گیا بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ اس کو بنانے والا ہے اور اس کے بنانے میں اسکا کوئی شریک بھی نہیں ہے وہ اکیلا ہی اس کو بنانے والا ہے اور یہ انسان پہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس کے لیے سمندر کے اندر بھی بے بہا نعمتیں پیدا فرمائی ہیں۔ یہاں بظاہر اس آیت سے پانچ ہی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ہر ایک چیز میں بے شمار خزانے ہیں۔ مثلاً پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسانی خدمت کے لیے سمندر کو لگا دیا ہے تاکہ اس سے تر و تازہ گوشت کھائے۔

مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ تر و تازہ گوشت سے مراد یہاں مچھلی ہے اب سمندر کی وسعت کتنی ہے اور مچھلیوں کی تعداد کتنی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلا ذبح کیے اس کو کھانا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہاں تر و تازہ گوشت فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مچھلی پانی سے نکلتے ہی فوراً مر جاتی ہے اس کو ذبح کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا اور نیز ذبح کا مقصد جانور کا دم مسفوح بہانا ہے۔ اور مچھلی میں دم مسفوح نہیں ہے اس لیے اس کو ذبح کرنے

کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کی کی ہر چیز کا کھانا جائز ہے کیونکہ یہاں یہ امتیاز نہیں فرمایا ہے کہ سمندر کی کونسی چیز جائز ہے اور کونسی جائز نہیں ہے۔ یہاں اتنا فرما دیا ہے کہ تم اس سے تر و تازہ گوشت کھاؤ۔ مگر یہ آیت مجمل ہے اور احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے کہ دریا کی کونسی چیز حلال ہے اور کون سی حرام ہے یہاں اس کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ خلاصہ تفسیر جلد سابع متعلقہ اسلامی معیشت میں اس پر پوری بحث احادیث کی روشنی میں موجود ہے وہ بحث دیکھ لینا چاہیئے۔

دوسری چیز یہاں یہ بیان فرمائی ہے کہ تم اس سمندر سے زیور نکالتے ہو جسے پہنتے ہو۔ یہاں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنا بنایا زیور سمندر سے نکلتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ زیور تو بعد میں بنایا جاتا ہے۔ پس اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں عربی محاورات کے تحت اتارا گیا ہے اور عربی محاورات میں یہ مانا ہوا اصول ہے کہ ایک چیز جو ابھی تک اس درجہ کو نہ پہنچی ہو مگر وہ عنقریب اس درجہ تک پہنچنے والی ہو تو وہاں اس کے آخری درجہ کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ عربی میں اسے مایئول الیہ کہتے ہیں۔ یہاں یہی محاورہ استعمال کیا گیا ہے کہ سمندر سے جو سونا اور چاندی نکلتا ہے اس سے زیور بھی تو بنایا جاتا ہے۔

سوال

قرآن مجید کے اس جملہ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے اور چاندی کا زیور پہننا مردوں کے لیے بھی جائز ہے حالانکہ

احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے کہ سونا اور چاندی کا زیور پہننا مردوں کے لیے حرام ہے پس اس آیت اور ان احادیث میں تعارض نظر آتا ہے۔

جواب

مفسرین حضرات نے اس آیت اور ان احادیث میں تطبیق یوں بیان فرمائی ہے کہ یہاں زیور کو زینت فرمایا ہے اور زینت عام ہے خواہ بلا واسطہ ہو۔ جیسا کہ عورت کے لیے زینت ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ آیت میں ہے۔ اَفَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ کیا جس کی تربیت زیور میں کی جاتی ہے۔ اور وہ جھگڑے میں کھل کر بول نہیں سکتی ہے۔ اسے شریک خدا مانتے ہو اور یا وہ زینت بالواسطہ ہو جیسا کہ عورت کی زینت مرد کی ہی زینت ہے۔ اور اگر حِلْيَةً سے مراد سونے اور چاندی کے سوا اور جواہرات لیے جائیں تو پھر تطبیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جواہرات کا پہننا مردوں کے لیے بھی بطور انگوٹھی وغیرہ کے جائز ہے۔ (معارف القرآن، مفتی محمد شفیع رح)

اور تیسری چیز یہاں یہ بیان فرمائی کہ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ۔ اور تو دیکھ رہا ہے کہ کشتیاں اس پانی کو چیر کر چلتی ہیں۔ یہ جملہ دفع وہم کے لیے فرمایا ہے۔ وہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تمہارے لیے تابعدار بنا دیا ہے تاکہ تم اس سے تر و تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور نکالو

تو اب انسان اس سمندر سے مچھلیاں کس طرح پکڑ سکتا ہے اور پھر اس سے زیور کس طرح نکال سکتا ہے؟ کیونکہ سمندر میں جانا بہت مشکل ہے تو اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں کشتیاں یعنی بحری جہاز اسی لیے بنائے ہیں تاکہ ان پر سوار ہو کر تم مچھلیاں بھی پکڑو اور جواہرات بھی نکالو۔

اور چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ اس سے مراد ایک ملک سے دوسرے ملک میں سامانِ تجارت وغیرہ لے جانا ہے۔ اس کی مزید تفصیل خلاصہ تفسیر جلد سادس المعروف اسلامی معیشت میں موجود ہے۔

اور پانچویں چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکر کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں تک روزی پہنچانے کے لیے محنت کیوں شرط رکھی؟ تاکہ تم اس کا شکر کرو اور شکر بمعنی قدر بھی ہے تو مقصد یہ ہوگا کہ محنت کے بعد جو روزی ملے گی انسان اس کی قدر کریگا اور بلا محنت جو روزی ملے گی اس کی قدر نہیں کرے گا اور پھر روزی کیوجہ سے اپنے خداوند تعالیٰ کی بھی قدر کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس کی بندگی کرے اور کسی غیر کی بندگی نہ کرے اور اس کی بندگی میں کسی غیر کو شریک نہ کرے اور اس خداوند تعالیٰ کے وجود اقدس کو تسلیم کرے کہ یہ سب کچھ خداوند تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور کوئی چیز ان میں سے از سر خود نہیں بن گئی۔ یہ سب اسی کے کارنامے ہیں۔ وہی سب کا داتا اور مولا ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ تا یَهْتَدُوْنَ ○

اَلْقٰی واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے اِلْقَاءٌ سے بنا ہے معنی ڈالنا۔ رواسی رَاسِیَۃٌ کی جمع ہے محکم اور مضبوط۔ تَمِیْدَ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے مَیْدٌ سے بنا ہے معنی حرکت کرنا۔ اَنْهٰرًا نَهْرٌ کی جمع ہے۔ سُبُلًا، سَبِیْلٌ کی جمع ہے بمعنی راستہ تَهْتَدُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے ہدایت سے بنا ہے بمعنی راہ دکھانا یا منزل مقصود تک پہنچانا۔ عَلٰمٰتٍ، عَلَامَۃٌ کی جمع ہے نشانی۔

بتیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ آیت عقیدۂ توحید پر بتیسویں عقلی دلیل ہے اور اس میں قدرت کے پانچ تعارفی نمونے بیان فرمائے ہیں۔ پہلا زمین پہ پہاڑ پیدا کرنا تاکہ ہلے نہ۔ دوسرا نہریں بنانا اور تیسرا راستے اور بڑی بڑی شاہراہیں بنانا اور چوتھا روشنی کے لیے آسمان میں اربوں ستارے پیدا کرنا۔ اور پانچویں چیز عَلٰمٰت یعنی ان کے علاوہ اور بھی بے شمار قدرتی نشانیاں موجود ہیں۔ پس جو آدمی ان نمونوں میں غور کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پہ یقین کامل ہو جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نمونے بیان فرمائے ہیں۔

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ۔ کیا جو ذات پیدا کرے

اس کے برابر ہو سکتی ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے۔ یعنی یقیناً دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

تفسیر

یہ آیت اس سے پہلے جو عقلی دلائل بیان ہوئے ہیں ان پر تفریع ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ جس نے یہ مذکورہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اسی کی ذات کو مانے اور اسی کے ساتھ اپنا بندگی والا تعلق قائم کرے۔ اور وہ جو خود محتاج ہیں انکو اپنا معبود نہیں ماننا چاہیئے۔ اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ۝ تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ یعنی ان آیاتِ الٰہی میں تمہیں غور کرنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ تمہیں معلوم ہو اور محتاجوں کے دروازوں پر نہ بھٹکتے پھرو۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو ان کا شمار نہیں کر سکو گے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس آیت کا پہلا جملہ دفع وہم کے لیے فرمایا ہے۔ وہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے دروازے پر ہم مانگنے کے لیے کیوں جائیں وہ ہمیں کیا دے سکتا ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ اس اللہ تعالےٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں۔ تم انہیں گننا چاہو تو نہیں گن سکتے۔ اور وہ غنی خود تمہیں بلا رہا ہے تم اس کے دروازے پر کیوں نہیں جاتے؟ اس سے اگلا جملہ ایک اور وہم دُور کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ وہم یہ پیدا ہوتا ہے

کہ ایک وہ آدمی جس کی ساری زندگی شرک وکفر اور نافرمانی میں گزر گئی ہو وہ اگر خداوند تعالیٰ کے دروازے پر جائے تو کیا خدا اسے بھی دیگا؟ پس اس کا جواب دیا ہے کہ وہ اللہ تعالے بیحد بخشنے والا مہربان ہے وہ وظیفہ روزی میں امتیاز نہیں کرتا۔

تینتیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ تا يَسْمَعُوْنَ ○

یہ آیت عقیدہ توحید پر تینتیسویں عقلی دلیل ہے اسکی لفظی تحقیق اور تفسیر پہلے بیان ہو چکی ہے۔ فکر و ذکر تاکید کے طور پر ہے تا کہ انسان عقیدۂ توحید میں غور و فکر کرے اور کلام میں تکرار بطور تاکید قبیح اور شنیع نہیں ہے اور نیز مسئلہ توحید ایک سبق ہے اور سبق کا جب تک تکرار اور رٹے نہ لگائی جائے وہ اچھی طرح یاد نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح بعض اسباق میں رٹ بھی کفایت نہیں کرتی بلکہ اس کے ساتھ عملی تجربہ اور مشق بھی ضروری ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے تعارف کیلئے مشقی اور عملی نمونے بار بار بیان فرمائے ہیں

وَاِنَّ لَكُمْ فِی	اور بے شک تمہارے لیے
الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً	چارپایوں میں سوچنے کی جگہ
نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا	ہے ہم ان کے جسم سے
فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ	خون اور گوبر کے درمیان

فَرْثٍ وَّ دَمٍ	خالص دودھ پیدا کر دیتے
لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا	ہیں جو پینے والوں کے
لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ وَمِنْ	لیے خوشگوار ہے اور
ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ	کھجور اور انگور کے پھلوں
وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ	سے سرکہ اور اچھی غذا بھی
سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ	بناتے ہو۔
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	اس میں لوگوں کے لیے
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○	نشانی ہے جو سمجھتے ہیں
وَاَوْحٰى رَبُّكَ	اور تیرے رب نے شہد
اِلَى النَّحْلِ اَنِ	کی مکھی کو حکم دیا کہ پہاڑوں
اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ	میں اور درختوں اور ان
بُيُوْتًا وَّمِنَ	چھتوں میں گھر بنائے
الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○	جو اس کے لیے بناتے ہیں
ثُمَّ كُلِيْ مِنْ	پھر ہر قسم کے میووں
كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ	سے کھا پھر اپنے رب
سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ	کی تجویز کردہ آسان راہوں
يَخْرُجُ مِنْ	پر چل ان کے پیٹ
بُطُوْنِهَا شَرَابٌ	سے پینے کی چیز نکلتی
مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ	ہے جس کے رنگ مختلف
فِيْهِ شِفَآءٌ	ہیں اس میں لوگوں کے
لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ	لیے شفا ہے بے شک

فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ — اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سمجھتے ہیں

سورۃ نحل آیت ۔ ۱۱ : ۶

تحقیق لبعض الفاظ

وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً تا لِلشّٰرِبِیْنَ ○

اَنْعَام، نَعَمٌ کی جمع ہے معنی مویشی ۔ نُسْقِیْ جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے ۔ سَقْیٌ سے بنا ہے پانی پلانا ۔ بُطُوْنٌ بَطْنٌ کی جمع ہے بمعنی پیٹ ۔ سَائِغٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے سَیْغٌ سے بنا ہے بمعنی خوشگوار ۔ شَارِبِیْنَ جمع مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے شَارِبٌ کی جمع ہے شُرْبٌ سے بنا ہے بمعنی پینا ۔

تفسیر

چونتیسویں عقلی دلیل کی

یہ سورۃ النحل کی آیت چھیاسٹھ ہے اس میں عقیدۂ توحید پر چونتیسویں عقلی دلیل ہے کہ مادہ جانور کے پیٹ سے خون اور گوبر کے درمیان سے سفید اور خوشگوار دودھ پیدا کرنا بھی اسی اللہ کا کارنامہ ہے ۔ ظاہر بات ہے کہ ایسا دودھ خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی یہ طاقت بھی نہیں ہے ۔ یہ صرف اسی کی کاریگری ہے کہ جس نے جانور کے پیٹ میں کوئی ایسی مشینری لگا رکھی ہے جو صفائی کر رہی ہے اور گوبر اور خون کو دودھ میں ملنے

نہیں دیتی۔ اور اس کے اثرات اور فوائد میں کوئی فرق نہیں آنے دیتی اور وہ دودھ جانور کے پیٹ میں تادیر رہ جائے تو وہ خراب بھی نہیں ہوتا اور اس میں کسی قسم کی ترشی بھی نہیں آتی۔

تحقیق بعض الفاظ

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ تا يَعْقِلُونَ

ثَمَرَاتِ، ثَمَرَةٌ کی جمع ہے معنی پھل۔ نَخِيلُ نَخْلٌ یا نَخْلَةٌ کی جمع ہے کھجور، اَعْنَابٌ عِنَبٌ کی جمع ہے انگور۔ تَتَّخِذُونَ جمع مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِتِّخَاذٌ سے بنا ہے پکڑنا، بنانا۔ سَكَرٌ سرکہ۔

پینتیسویں عقلی دلیل کی

تفسیر

یہ آیت عقیدہ توحید پر پینتیسویں عقلی دلیل ہے اس کی باقی تشریح تو پہلے گزر گئی ہے۔ یہاں ایک چیز کا اضافہ ہے اس کی خاطر اسے پھر لکھا گیا ہے اور اضافی الفاظ یہ ہیں سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا۔ یعنی اس آیت میں قدرت کا ایک نیا عجیب و غریب نمونہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کھجور کی ایک گٹھلی سے کھجور کا تناور درخت بناتے ہیں۔ اور اس سے تم لوگ سرکہ بناتے ہو اور عمدہ رزق۔ یعنی کھجور قدرت کا بنا ہوا تر و تازہ میوہ ہے جو خراب بھی نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح انگور کا حال ہے اور لفظ سکر کا معنی اہل لغت نے سرکہ بھی لکھا ہے اور نشہ آور چیز بھی لکھا ہے اور یہاں سرکہ والے معنی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ

اگر نشہ آور چیز والا معنی کیا جائے تو آیت خمر سے تعارض ہو جاتا ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

وَاَوْحٰی رَبُّکَ تا یَتَفَکَّرُوْنَ ۝

اَوْحٰی واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے وحی سے بنا ہے وحی کا معنی جلدی اور فوری سرّی اشارہ۔ اِتَّخِذِیْ واحد مؤنث حاضر امر کا صیغہ ہے اِتِّخَاذٌ سے بنا ہے بنانا پکڑنا۔ جِبَالٌ جَبَلٌ کی جمع ہے پہاڑ۔ بُیُوْتٌ بَیْتٌ کی جمع ہے گھر۔ یَعْرِشُوْنَ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے عَرْشٌ سے بنا ہے بمعنی گھر یا تخت۔ کُلِیْ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے اَکْلٌ سے بنا ہے کھانا۔ فَاسْلُکِیْ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے۔ سُلُوْکٌ سے بنا ہے بمعنی چلنا شَرَابٌ شُرْبٌ سے بنا ہے پینے کی چیز۔ اَلْوَانٌ لَوْنٌ سے بنا ہے رنگ۔ مُخْتَلِفٌ اِخْتِلَافٌ سے بنا ہے۔ شِفَاءٌ مصدر ہے اَلنَّاس اس کا اصل یا تو نَاسَ یَنُوْسُ ہے یعنی اجوف وادی ہے یا اصل میں اُنَاسٌ ہے اس کے شروع میں جب الف لام داخل کیا گیا تو ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے اور یا یہ لفظ نَسِیَ سے مقلوب ہے (راغب)

چھتیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ آیت عقیدہ توحید پہ چھتیسویں عقلی دلیل ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ شہد مکھیوں کا یہ حیرت انگیز کارنامہ از سر خود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ

نے انہیں یہ تعلیم دی ہے اور اس سلسلہ میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے
اَوۡحیٰ، وحی یہاں اپنے اصطلاحی مفہوم میں نہیں ہے بلکہ لغوی
معنی میں ہے، وہ یہ کہ متکلم مخاطب کو کوئی خاص بات مخفی طور پر اس
طرح سمجھا دے کہ دوسرا شخص اس بات کو نہ سمجھ سکے۔

النَّحل، شہد کی مکھی اپنی عقل و فراست اور حسنِ تدبیر کے لحاظ سے
تمام حیوانات میں ممتاز جانور ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو خطاب
بھی امتیازی شان کا کیا ہے، باقی حیوانات کے بارے میں تو قانون کلّی
کے طریقہ پر اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی فرمایا لیکن اس
ننھی سی مخلوق کے بارے میں خاص کر کے اَوۡحٰی رَبُّکَ فرمایا جس
سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ یہ دوسرے حیوانات سے
بہ نسبت عقل و شعور اور سوجھ بوجھ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

شہد کی مکھیوں کی فہم و فراست کا اندازہ ان کے نظام حکومت سے
بخوبی ہوتا ہے اس ضعیف جانور کا نظام زندگی انسانی سیاست و حکمرانی
کے اصول پر چلتا ہے۔ تمام نظم و نسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے
جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے۔ اس کی تنظیم اور تقسیم کار کی وجہ سے پورا
نظام صحیح سالم چلتا رہتا ہے۔ اس کے عجیب و غریب نظام اور مستحکم
قوانین و ضوابط کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے، خود یہ "ملکہ"
تین ہفتوں کے عرصہ میں چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے
یہ اپنی قدر و قامت اور وضع و قطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے
ممتاز ہوتی ہے بلکہ تقسیم کار کے اصول پر اپنی رعایا کو مختلف امور پر مامور
کرتی ہے، ان میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں، اور کسی

نامعلوم اور خارجی فرد کو اندر داخل نہیں ہونے دیتی، بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں، بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں، بعض معماری اور انجینئرنگ کے فرائض ادا کرتی ہیں۔ ان کے تیارہ کردہ اکثر چھتوں کے خانے بیس ہزار سے تیس ہزار تک ہوتے ہیں، بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی رہتی ہیں جن سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ یہ موم نباتات پر جمے ہوئے سفید قسم کے سفوف سے حاصل کرتی ہیں، گنے پر یہ مادہ بکثرت نظر آتا ہے، ان میں سے بعض مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں پر بیٹھ کر اس کو چوستی ہیں، جو اُن کے پیٹ میں شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ شہد اُن کی اور اُن کے بچوں کی غذا ہے اور یہی ہم سب کے لیے لذت وغذا کا جوہر اور دوا وشفا کا نسخہ ہے، یہ مختلف پارٹیاں نہایت سرگرمی سے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں اور اپنی "ملکہ" کے حکم کو دل وجان سے قبول کرتی ہیں، ان میں سے اگر کوئی گندگی پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اسے باہر روک لیتے ہیں، اور ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے ان کے اس حیرت انگیز نظام اور حسنِ کارکردگی کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے (از الجواہر)

بُیُوۡتًا ۔ اَوۡحٰی رَبُّکَ سے جو ہدایت دی گئی ہے۔ ان میں سے یہ پہلی ہدایت ہے جس میں گھر بنانے کا ذکر ہے، یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہر جانور اپنے رہنے سہنے کے لیے گھر تو بناتا ہی ہے پھر اس اہتمام سے "گھروں" کی تعمیر کا حکم مکھیوں کو دینے میں کیا خصوصیت ہے، پھر یہاں لفظ بھی "بیوت" کا استعمال فرمایا جو عموماً انسانی رہائش گاہوں کے لیے بولا جاتا ہے، اس سے اشارہ ایک تو اس طرف کر دیا

کہ مکھیوں کو چونکہ شہد تیار کرنا ہے اس کے لیے پہلے سے ایک محفوظ گھر بنا لیں، دوسرا اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو گھر یہ بنائیں گی وہ عام جانوروں کے گھروں کی طرح نہیں ہونگے بلکہ ان کی ساخت و بناوٹ غیر معمولی قسم کی ہوگی، چنانچہ ان کے گھر عام جانوروں کے گھروں سے ممتاز ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر انسانی عقل بھی ششدر رہ جاتی ہے، ان کے گھر مسدّس شکل کے ہوتے ہیں، پرکار اور مسطر سے بھی اگر ان کی پیمائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہیں رہتا، مسدس شکل کے علاوہ وہ دوسری کسی شکل مثلاً مربّع اور مخمّس وغیرہ کو اس لیے اختیار نہیں کرتیں کہ ان کے بعض کونے بیکار رہ جاتے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے مکھیوں کو محض گھر بنانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا محل وقوع بھی بتلا دیا کہ وہ کسی بلندی پر ہونا چاہیئے، کیونکہ ایسے مقامات پر شہد کو تازہ اور صاف چھنی ہوئی ہوا پہنچتی رہتی ہے وہ گندی ہوا سے بچا رہتا ہے اور توڑ پھوڑ سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

چنانچہ فرمایا:

مِنَ الْجِبَالِ وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ

یعنی ان گھروں کی تعمیر پہاڑوں، درختوں اور بلند عمارتوں پر ہونی چاہیئے تاکہ شہد بالکل محفوظ طریقہ سے تیار ہو سکے۔

ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ، یہ دوسری ہدایت ہے جس میں مکھی کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی رغبت اور پسند کے مطابق پھل پھول سے رس چوسے، یہاں مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فرمایا، لیکن بظاہر یہاں لفظ "کلّ" سے دنیا بھر کے پھل پھول مراد نہیں ہیں، بلکہ جن تک آسانی سے

اس کی رسائی ہوسکے، اور مطلب حاصل ہوسکے۔ "کلّ" کا یہ لفظ ملکہ سبا کے واقعہ میں بھی وارد ہوا ہے۔ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اور ظاہر ہے کہ وہاں بھی استغراق کلّی مراد نہیں ہے کہ ملکۂ سبا کے پاس ہوائی جہاز اور ریل موٹر ہونا بھی لازم آئے، بلکہ اس وقت کی تمام ضروریات و مناسبات مراد ہیں، یہاں بھی مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ سے یہی مراد ہے۔ یہ مکھی ایسے ایسے لطیف اور قیمتی اجزاء چوستی ہے کہ آج کے سائنسی دور میں مشینوں سے بھی وہ جوہر نہیں نکالا جا سکتا۔

فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا، یہ مکھی کو تیسری ہدایت دی جارہی ہے کہ اپنے رب کے ہموار کئے ہوئے راستوں پر چل پڑ، یہ جب گھر سے دور دراز مقامات پر پھل پھول کا رس چوسنے کے لیے کہیں جاتی ہے تو بظاہر اس کا اپنے گھر میں واپس آنا مشکل ہونا چاہیئے تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے راہوں کو آسان بنا دیا ہے، چنانچہ وہ میلوں دور جاتی ہے اور بغیر بھولے بھٹکے اپنے گھر واپس پہنچ جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فضا میں اس کے لیے راستے بنا دیئے ہیں، کیونکہ زمین کے پیچ دار راستوں میں بھٹکنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فضا کو اس حقیر و ناتواں مکھی کے لیے مسخر کر دیا، تاکہ وہ کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے گھر آسانی سے آجا سکے۔

اس کے بعد وحی کے اس حکم کا جو حقیقی ثمرہ تھا، اس کو بیان فرمایا، يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ، "کہ اس کے پیٹ میں سے مختلف رنگ کا مشروب نکلتا ہے جس میں تمہارے لیے شفا ہے" رنگ کا اختلاف

غذا اور موسم کے اختلاف کی بناء پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی خاص علاقے میں کسی خاص پھل پھول کی کثرت ہو تو اس علاقہ کے شہد میں اس کا اثر و ذائقہ ضرور ہوتا ہے، شہد عموماً چونکہ سیّال مادہ کی شکل میں ہوتا ہے، اس لیے اس کو شراب (پینے کی چیز) فرمایا، اس جملے میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اور قدرتِ کاملہ کی قاطع دلیل موجود ہے، کہ ایک چھوٹے سے جانور کے پیٹ سے کیسا منفعت بخش اور لذیذ مشروب نکلتا ہے، حالانکہ وہ جانور خود زہریلا ہے۔ زہر میں سے یہ تریاق واقعی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی عجیب مثال ہے، پھر قدرت کی یہ بھی عجیب صنعت گری ہے کہ دودھ دینے والے حیوانات کا دودھ موسم اور غذا کے اختلاف سے سُرخ و زرد نہیں ہوتا اور مکھی کا شہد مختلف رنگوں کا ہو جاتا ہے۔

فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ، شہد جہاں قوت بخش غذا اور لذت وطعم کا ذریعہ ہے وہاں امراض کے لیے نسخۂ شفا بھی ہے اور کیوں نہ ہو خالقِ کائنات کی یہ لطیف گشتی مشین جو ہر قسم کے پھل پھول سے مقوی عرق اور پاکیزہ جوہر کشید کر کے اپنے محفوظ گھروں میں ذخیرہ کرتی ہے اگر جڑی بوٹیوں میں شفاء و دوا کا سامان ہے تو ان کے جوہر میں کیوں نہ ہوگا، بلغمی امراض میں بلاواسطہ اور دوسرے امراض میں دوسرے اجزاء کے ساتھ مل کر بطور دوا شہد کا استعمال ہوتا ہے۔ اطبّاء معجونوں میں بطور خاص اس کو شامل کرتے ہیں، اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ خود بھی خراب نہیں ہوتا اور دوسری اشیاء کی بھی طویل عرصہ تک حفاظت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہزار ہا سال سے اطبّا اس کو الکحل کی جگہ استعمال

کرتے آتے ہیں۔ شہد مسہل ہے اور پیٹ سے فاسد مادہ نکالنے میں بہت مفید ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی نے اپنے بھائی کی بیماری کا حال بیان کیا تو آپؐ نے اُسے شہد پلانے کا مشورہ دیا، دوسرے دن پھر آکر اس نے بتلایا کہ بیماری بدستور ہے، آپ نے پھر وہی مشورہ دیا، تیسرے دن جب اس نے پھر کہا کہ اب بھی کوئی فرق نہیں ہے تو آپؐ نے فرمایا: صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ، "یعنی اللہ کا قول بلا ریب سچا ہے، تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے" مراد یہ ہے کہ دوا کا قصور نہیں، مریض کے مزاج خاص کی وجہ سے جلدی اثر ظاہر نہیں ہوا، اس کے بعد پھر پلایا تو تندرست ہوگیا۔

یہاں قرآن کریم میں شِفَاءٌ نکرہ ..... تحت الاثبات ہے، جس سے اس کا ہر مرض کے لیے تو شفاء ہونا معلوم نہیں ہوتا، لیکن شفاء کی تنوین جو تعظیم کے لیے ہے اس بات پر ضرور دلالت کرتی ہے کہ شہد کی شفاء عظیم اور ممتاز نوعیت کی ہے ——— اور اللہ تعالیٰ کے بعض اہل دل بندے وہ بھی ہیں جن کو شہد کے کسی بھی مرض کے لیے شفاء ہونے میں کوئی شبہ نہیں، ان کو اپنے رب کے قول کے اس ظاہر ہی پر اس قدر مستحکم یقین اور مضبوط اعتقاد ہے کہ وہ پھوڑے اور آنکھ کا علاج بھی شہد سے ..... کرتے ہیں اور جسم کے دوسرے امراض کا بھی ——— حضرت ابن عمرؓ کے متعلق روایات میں ہے کہ اُن کے بدن پر اگر پھوڑا بھی نکل آتا تو اس پر شہد کا لیپ کر کے ..... علاج کرتے، بعض لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں فرمایا کہ کیا اللہ تعالےٰ نے

قرآن کریم میں اس کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ (قرطبی)
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے جیسا ان بندوں
کا اپنے رب کے متعلق ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں فرمایا :- اَنَا عِنْدَ
ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ جو کچھ مجھ سے گمان رکھتا
ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں (یعنی اس کے مطابق کر دیتا ہوں)
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ
نے اپنی قدرت کاملہ کی مذکورہ بالا مثالیں بیان فرمانے کے بعد انسان
کو پھر غور و فکر کی دعوت دی ہے، کہ قدرت کی ان مثالوں میں غور و
فکر کر کے تو دیکھ لو، اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو پانی برسا کر زندہ کر دیتا ہے،
وہ غلاظت و نجاست کے درمیان سے تمہارے لیے صاف و شفاف
اور خوشگوار دودھ کی نالیاں بہاتا ہے، وہ انگور و کھجور کے درختوں پر
شیریں پھل پیدا کرتا ہے، جن سے تم لذیذ شربت اور مزے دار مربّے
بناتے ہو، وہ ایک چھوٹے سے زہریلے جاندار کے ذریعہ تمہارے
لیے لذت و طعم اور غذاء و شفا کا بہترین سامان مہیا کرتا ہے
کیا اب بھی تم دیوی دیوتاؤں کو پکارو گے؟ کیا اب بھی تمہاری عبادت
و وفا اپنے خالق و مالک کے بجائے پتھر اور لکڑی کی بے جان مورتیوں کے
لیے ہوگی؟ اور خوب سمجھ لو! کیا یہ بھی تمہاری عقل میں آسکتا ہے کہ یہ سب
کچھ اندھے، بہرے اور بے شعور مادے کی کرشمہ سازی ہو؟ صنعت
و کاریگری کے یہ بے شمار شاہکار، حکمت و تدبیر کے یہ حیرت انگیز
کارنامے اور عقل و دانش کے یہ بہترین فیصلے اپنی زبان حال سے پکار پکار
کر گویا ہیں کہ ہمارا ایک خالق ہے، یکتا و حکمت والا خالق، وہی عبادت

دفا کا مستحق ہے، وہی مشکل کشا ہے اور شکر و حمد اسی کو سزاوار ہے۔

فوائد (۱) آیت سے معلوم ہوا کہ عقل و شعور انسانوں کے علاوہ دوسرے جانداروں میں بھی ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ، البتہ عقل کے درجات مختلف ہیں، انسانوں کی عقل تمام ذی حیات اشیاء کی عقول سے زیادہ کامل ہے، اسی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کا مکلّف ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر جنون کی وجہ سے انسان کی عقل میں فتور آجائے تو دوسری مخلوقات کی طرح وہ بھی مکلّف نہیں رہتا۔

(۲) شہد کی مکھی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی فضیلت میں حدیث وارد ہوتی ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلذُّبَّانُ کُلُّھَا فِی النَّارِ یَجْعَلُھَا عَذَابًا لِاَھْلِ النَّارِ اِلَّا النَّحْلَ (نوادر الاصول بحوالۂ قرطبی)

"یعنی دوسرے ایذا رساں جانداروں کی طرح مکھیوں کی بھی تمام قسمیں جہنم میں جائینگی جو وہاں جہنمیوں پر بطور عذاب مسلّط کردی جائینگی مگر شہد کی مکھی جہنم میں نہیں جائیگی"

نیز ایک اور حدیث میں آپؐ نے اس کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

اطبّاء کا اس میں کلام ہے کہ شہد مکھی کا فضلہ ہے، یا اس کا لعاب ہے، ارسطاطالیس نے شیشے کا ایک نفیس چھتہ بنا کر مکھیوں کو اس میں بند کر دیا تھا، وہ ان کے نظام کار کو جاننا چاہتا تھا، لیکن ان مکھیوں نے سب سے پہلے برتن کے اندرونی حصّہ پر موم اور کیچڑ کا پردہ چڑھا دیا اور جب

تک پوری طرح پردہ پوش نہیں ہو گئیں اس وقت تک اپنا کام شروع نہیں کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دنیا کی حقارت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

اَشْرَفُ لِبَاسِ بَنِیْ	انسان کا بہترین ریشمی لباس
اٰدَمَ فِیْہِ لُعَابُ	اس کائنات کے ایک چھوٹے
دُوْدَۃٍ وَ اَشْرَفُ	سے کیڑے کا لعاب ہے اور
شَرَابِہٖ رَجِیْعُ	اس کا نفیس لذت بخش مشروب
نَحْلَۃٍ ،	مکھی کا فضلہ ہے۔

(۴) فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوا سے مرض کا علاج کرنا جائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بطورِ انعام ذکر کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ حدیث میں دوا استعمال کرنے اور علاج کرنے کی ترغیب آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض حضرات نے سوال کیا کہ کیا ہم دوا استعمال کریں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں علاج کر لیا کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی مرض پیدا کیا ہے اس کے لیے دوا بھی پیدا فرمائی ہے، مگر ایک مرض کا علاج نہیں۔ انہوں نے سوال کیا وہ مرض کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا بڑھاپا (ابوداؤد الترمذی بحوالہ قرطبی)

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ جو ہم جھاڑ پھونک کا عمل کرتے ہیں یا دوا سے اپنا علاج کرتے ہیں، اسی

طرح بچاؤ اور حفاظت کے جو انتظامات کرتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل سکتے ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا یہ بھی تو تقدیر الٰہی ہی کی صورتیں ہیں۔

غرض یہ کہ علاج کرنے اور دوا استعمال کرنے کے جواز پر تمام علماء متفق ہیں اور اس سلسلے میں بے شمار احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں، حضرت ابن عمرؓ کی اولاد میں اگر کسی کو بچھو کاٹ لیتا تھا تو اُسے تریاق پلاتے تھے اور جھاڑ پھونک سے اس کا علاج فرماتے، آپ نے لقوہ کے مریض پر داغ لگا کر اس کا علاج کیا (قرطبی)

بعض صوفیاء کے متعلق منقول ہے کہ وہ علاج کو پسند نہیں کرتے تھے، اور حضرات صحابہؓ میں سے بھی بعض کے عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے، مثلاً روایت ..... ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور ان سے پوچھا، آپ کو کیا شکایت ہے ؟ انہوں نے جواب دیا مجھے اپنے گناہوں کی فکر ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا پھر کس چیز کی خواہش ہے ؟ فرمایا میں اپنے رب کی رحمت کا طلب گار ہوں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ پسند کریں تو میں طبیب کو بلوا لیتا ہوں ؟ انہوں نے جواب دیا، طبیب ہی نے تو مجھے لٹایا ہے (یہاں مجازی طور پر طبیب سے مراد اللہ تعالیٰ شانہٗ ہیں)

لیکن اس قسم کے واقعات اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حضرات علاج کو مکروہ سمجھتے تھے، ہو سکتا ہے کہ اس وقت ان کے ذوق کو گوارا نہیں تھا، اس لیے طبیعت کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے انہوں نے پسند نہیں کیا، یہ وقتی طور پر غلبۂ حال کی ایک کیفیت ہوتی ہے جس کو علاج کے

ناجائز یا مکروہ ہونے کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا، حضرت عثمانؓ کا حضرت ابن مسعودؓ سے درخواست کرنا کہ میں آپ کے لیے طبیب لے آتا ہوں خود اس بات کی دلیل ہے کہ علاج جائز ہے، بلکہ بعض صورتوں میں یہ واجب بھی ہو جاتا ہے۔ (مفتی محمد شفیعؒ)

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ	اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا
يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ	پھر وہی تمہیں مارتا ہے
مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى	اور کوئی تم میں سے لمبی عمر
اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ	تک پہنچایا جاتا ہے جو سمجھدار
لَا يَعْلَمَ بَعْدَ	ہونے کے بعد نادان ہو
عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ	جاتا ہے۔ بے شک اللہ
اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝	جاننے والا قدرت والا ہے
وَاللّٰهُ فَضَّلَ	اور اللہ نے تم میں سے
بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ	بعض کو بعض پر روزی میں
فِي الرِّزْقِ ۚ	فضیلت دی ہے پھر
فَمَا الَّذِيْنَ	جنہیں فضیلت دی گئی
فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ	ہے وہ اپنے حصہ کا ال
رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا	اپنے غلاموں کو دینے والے
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ	نہیں کہ وہ اس میں برابر
فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ	ہو جائیں پھر کیا اللہ کی
اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝	نعمت کا انکار کرتے ہیں

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ	اور اللہ نے تمہارے واسطے
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	تمہاری ہی قسم سے عورتیں
اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ	پیدا کیں اور تمہیں تمہاری
لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ	عورتوں سے بیٹے اور
بَنِيْنَ وَحَفَدَةً	پوتے دیئے اور تمہیں کھانے
وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	کے لیے اچھی چیزیں دیں
اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ	پھر کیا جھوٹی باتیں تو
وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ	مان لیتے ہیں اور اللہ کی
يَكْفُرُوْنَ ۙ	نعمتوں کا انکار کرتے ہیں
وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ	اور اللہ نے تمہیں تمہاری
مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ	ماؤں کے پیٹ سے نکالا
لَا تَعْلَمُوْنَ	تم کسی چیز کو نہ جانتے
شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ	تھے اور تمہیں کان اور
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ	آنکھیں اور دل دیئے تاکہ
وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝	تم شکر کرو۔

(آیت ۷۰-۷۱ سے ۷۸)

تحقیق بعض الفاظ

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ تا تَدَبَّرُ ۝

يَتَوَفّٰى واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے وَفَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی پورا کرنا ہے اور کبھی کبھی موت پر بھی اسکا اطلاق

ہوتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہے۔ یُرَدُّ واحد مذکر مضارع مجہول کا صیغہ ہے رَدٌّ سے بنا ہے۔ اَرْذَل رَذْلٌ سے بنا ہے۔ اسم تفضیل مذکر کا صیغہ ہے بمعنی کمینہ، نکما۔ عَلِیْمٌ علم سے بنا ہے مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بے حد جاننے والا۔ قَدِیْرٌ قدرت سے بنا ہے یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بے حد طاقت والا۔

تفسیر

سینتیسویں عقلی دلیل کی

یہ سورۃ النحل کی آیت نمبر ستر ہے۔ یہ عقیدہ توحید پہ سینتیسویں عقلی دلیل ہے اس میں انسانی زندگی کے تین ادوار کا بیان ہے۔ پہلا دور وہ ہے جو ماں کے رحم میں گزرتا ہے یعنی وہ دور جس میں انسان مختلف غذاؤں سے منتقل اور تبدیل ہو کر نطفہ اور مادہ منویہ کی شکل میں رحم مادر میں پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو خلق سے تعبیر فرمایا ہے دوسرا دور اس دنیا والا ہے اور یہاں آ کر مختلف تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ بعض تو اس دور میں آنے سے قبل ہی رحم مادر میں فوت ہو جاتے ہیں اور بعض اس دنیا میں آنے کے بعد جلد ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض شباب کو پہنچ کر مرتے ہیں اور بعض انتہائی پیرانہ سالی اور بڑھاپے میں مرتے ہیں اور یہ مرنے کے بعد والا دور تیسرا دور ہے بہرحال مقامِ غور یہ ہے کہ غذاؤں سے نطفہ کی شکل میں تبدیلی۔ اور پھر شکمِ مادر میں ہی اس کی مختلف کیفیات اور اسی طرح دنیا میں آنے کے بعد کبھی مر جانا اور کبھی بچپن سے جوانی اور بڑھاپا۔ اور کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو جب اس دور میں پہنچتا ہے تو سب کچھ ذہن سے نکل جاتا

ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا یہ سب کچھ از سر خود ہو رہا ہے؟ ہر ذی عقل اس کا یہی جواب دے گا کہ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو انسان اپنے آپ کو بچپن سے جوانی میں اور جوانی سے بڑھاپے میں کبھی بھی منتقل نہ ہونے دیتا۔ اور پھر اپنے ان علوم و فضائل کو ذہن سے نہ نکلنے دیتا۔ پھر اپنے اوپر کبھی موت نہ آنے دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ از سر خود نہیں ہو رہا بلکہ اس کے پیچھے ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ جو منظم طریقہ سے اس نظام تخلیق اور تولید کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتی ہے۔ اور اگر گندے اور حقیر قطرۂ منی کو قدرت کا شاہکار اور محبوب بنا کر دکھا دیتی ہے۔ اور اس سے علوم و فضائل اور عرفان کی بارش برسا کر پھر اسے منجمد کر دیتی ہے۔ اسی طاقت کو ہم اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہ زندگی انسان کے اپنے اختیار اور بس میں ہوتی تو ارسطو، فیثا غورث، اور افلاطون نہ مرتے اور بڑے بڑے بادشاہ بھی تو گزرے ہیں وہ بھی نہ مرتے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس نظام تخلیق اور تولید میں اللہ تعالیٰ جلّ مجدہٗ اکیلا اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ کوئی جن، فرشتہ اور ولی یا نبی اس کا شریک نہیں ہے۔ اور اسی طرح ماں باپ بھی اس کے شریک نہیں ہیں۔ اگر وہ شریک ہوتے تو بوقت مرگ اولاد کو بچا لیتے اور اس کو نہ مرنے دیتے۔ حالانکہ اس کا علاج بھی کراتے ہیں اور ہر قسم کے حیلے اختیار کرتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ مر جاتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ شعر

پیراں بیٹا دِتا تے پیراں بوٹی لائی   رب بوٹی جد پٹن لگا تے کسی نہ ٹنگ اڑائی

(داود)

تحقیق بعض الفاظ

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ تا یَجْحَدُوْنَ

فَضَّلَ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ تَفْضِیْلٌ سے بنا ہے رَآدِّیْ جمع مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے رَادٌّ کی جمع ہے۔ اصل میں رَآدِّیْنَ تھا۔ اضافت سے نون گرا دیا گیا ہے بمعنی لوٹانا۔ مَلَکَتْ واحد مؤنث ماضی ہے مِلْکٌ سے بنا ہے۔ اَیْمَانٌ یَمِیْنٌ کی جمع ہے بمعنی قسم زبانی۔ برکت۔ داہنا ہاتھ۔ یہاں یہی مراد ہے۔ سَوَاءٌ مصدر ہے بمعنی برابر۔ یَجْحَدُوْنَ جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ جَحْدٌ سے بنا ہے انکار کرنا۔

تفسیر

یہ سورۃ النحل کی آیت نمبر اکہتر ہے اس میں عقیدہ توحید سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ اس میں مشرکانہ نظریہ کے لوگوں سے فرمایا ہے کہ تم ذرا غور کرو کہ جب تم خدا داد رزق اپنے جیسے انسان غلاموں پر تقسیم کرنا پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق مخلوق کو دینا کس طرح گوارا کرتے ہو۔ یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات اور نذر دینا صرف اور صرف اللہ کا حق ہے۔ یہ حق مخلوق کو نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ شرک ہے۔

اٹھتیسویں عقلی دلیل کی

تفسیر

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ تا یَکْفُرُوْنَ

یہ سورۃ النحل کی آیت نمبر ۷۲ ہے۔ یہ عقیدہ توحید پر اٹھتیسویں عقلی دلیل ہے کہ نر سے مادہ اور مادہ سے نر پیدا کرنا بھی اسی خداوند پاک کا کام ہے نہ تو یہ سلسلہ از سر خود پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے کیونکہ لوگ جن کو شریک خدا مانتے ہیں وہ تو خود مخلوق ہیں۔ وہ کسی دوسرے کے خالق کیسے بن سکتے ہیں۔

اور نیز اسی آیت میں انسان پر جو اس اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات ہیں، انہیں بھی اجمالاً بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً انسان کے لیے اس کے بیوی بچے، پوتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور پھر اس انسان کی روزی بھی باقی روزی خوروں سے ممتاز ہے اور ظاہر بات ہے کہ یہ کام اس اللہ تعالیٰ کے سوا اور تو کوئی نہیں کر سکتا۔ تو پھر انسان کو چاہیئے کہ اس کا شکر کرے اور اس کی عبادت اور پرستش میں کسی اور کو شریک نہ کرے اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کی طرف سے انتہائی ناشکری اور ناسپاسی ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ تا تَشْکُرُوْنَ ۞

اَخْرَجَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے اِخْرَاج سے بنا ہے

نکالنا۔ بُطُوْنِ بَطْنٌ کی جمع ہے بمعنی پیٹ۔ اُمَّھٰتِ، اُمٌّ کی جمع ہے بمعنی ماں۔ نَعْلَمُوْنَ مضارع کا صیغہ ہے علم سے بنا ہے معنی جاننا۔ سَمْع مصدر ہے سننا۔ اَبْصَار بَصَرٌ کی جمع ہے بمعنی آنکھیں۔ اَفْئِدَۃَ فُؤَادٌ کی جمع ہے بمعنی دل۔

انتالیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ النحل کی آیت نمبر اٹھتر ہے۔ یہ عقیدہ توحید پر انتالیسویں عقلی دلیل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو علمی کمالات اور فضائل عطا فرمائے ہیں ان کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانی کے گندے اور حقیر قطرے سے پیدا فرمایا ہے اور پھر اس کے اندر سننے دیکھنے اور سمجھنے کی قوت رکھی ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ از خود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے یہ قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ اگر انسان کے پاس صرف ایک آنکھ نہ ہو تو سارے سائنسدان اور ڈاکٹر کیوں نہ جمع ہو جائیں وہ آنکھ کوئی نہیں دے سکتا۔ اور اسی طرح کان اور دل و دماغ کے بارے میں قیاس کرنا چاہیئے۔

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی	کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے
الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ	کہ آسمان کی فضا میں تھمے
فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ	ہوئے ہیں انہیں اللہ
مَا یُمْسِکُهُنَّ	کے سوا کون تھامے ہوئے
اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ	ہے بے شک اس میں

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ	بھی ایمانداروں کے لیے
لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝	بڑی نشانیاں ہیں -
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ	اور اللہ نے تمہارے گھروں
مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ	کو تمہارے لیے آرام کی
سَكَنًا وَّ جَعَلَ	جگہ بنایا ہے اور تمہارے
لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ	لیے چارپایوں کی کھالوں سے
الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا	خیمے بنائے جنہیں تم اپنے
تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ	سفر اور قیام کے دن ہلکے
ظَعْنِكُمْ وَ یَوْمَ	پاتے ہو اور بھیڑوں کی
اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ	اُون سے اور اونٹوں کی
اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا	روؤں سے اور بکریوں کے
وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا	بالوں سے کتنے ہی سامان
وَّ مَتَاعًا اِلٰی	اور مفید چیزیں وقت مقرر
حِیْنٍ ۝	تک کے لیے بنا دیں -
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ	اور اللہ نے تمہارے لیے
مِّمَّا خَلَقَ	اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے
ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ	سائے بنا دیے اور تمہارے
مِّنَ الْجِبَالِ	لیے پہاڑوں میں چھپنے کی
اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ	جگہیں بنا دیں اور تمہیں
لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ	کرتے بنا دیے جو تمہیں
الْحَرَّ وَ سَرَابِیْلَ	گرمی سے بچاتے ہیں اور

تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ ط زرہیں جو تمہیں لڑائی میں
كَذٰلِكَ يُتِمُّ بچاتی ہیں اسی طرح اللہ
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ اپنا احسان تم پر پورا کرتا
لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ ہے تاکہ تم فرمانبردار ہو جاؤ

(سورۃ النحل آیت ۷۹-۸۰-۸۱)

تحقیق بعض الفاظ

اَلَمْ يَرَوْا تا لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

يَرَوْا جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے رُؤْيَةٌ سے بنا ہے بمعنی دیکھنا۔
مُسَخَّرَاتٍ جمع مؤنث اسم مفعول کا صیغہ ہے تسخیر سے بنا ہے تابعدار۔
جَوِّ واحد ہے بمعنی فضا۔ يُمْسِكُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اِمْسَاكٌ سے بنا ہے بمعنی روکنا۔

تفسیر

چالیسویں عقلی دلیل کی

یہ سورۃ النحل کی آیت نمبر اناسی ہے۔ یہ عقیدہ توحید پر چالیسویں عقلی دلیل ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی فضائی مخلوق کو بطور نمونہ پیش فرمایا ہے اور یہ فضائی مخلوق بھی بے شمار ہے جس کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور مختلف رنگت کی مخلوق ہے اور مختلف اجسام رکھتی ہے بعض سست رفتار والے ہیں اور بعض تیز رفتار والے ہیں۔ اور ہر جنس کی بولی بھی مختلف ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ مخلوق کس نے پیدا کی ہے ؟ اور اس کے اندر قوت پرواز کس نے رکھی ہے ؟ اور اس کو روزی کون

میسّر کرتا ہے؟ اور اس کو انداز رفتار در پرواز کس نے بنائے ہیں؟
پس انسان اس میں جب تھوڑا سا غور کرے گا تو پکار اٹھے گا کہ تبارک
اللہ رب العلمین۔ یعنی یہ کارنامے صرف اور صرف اسی ایک ذات
بے پایاں۔ بے ابتدا اور بے انتہا کے ہیں۔ اور آج سائنس دانوں نے جو
ہوائی جہاز ایجاد کئے ہیں۔ یہ بھی ان قدرتی اور فضائی پرندوں پر قیاس
کر کے ایجاد کئے ہیں ورنہ از سر خود انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

قرآن مجید کی اس آیت کے شروع کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے شروع میں فرمایا ہے
کہ اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ۔ یَرَوْ رُاْیَۃٌ سے بنا ہے اور
یہ رُأْیَۃ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ رُاْیۃ بصری اور رُاْیۃ
قلبی۔ اگر یہ رائیت بصری کے معنی میں لیا جائے تو مقصد یہ ہوگا
کہ اپنی آنکھوں سے اگر فضائی پرندوں کو دیکھو گے تو بھی تمہارا اللہ تعالیٰ
کی توحید پر یقین کامل پیدا ہو جائے گا۔

اگر یہ لفظ رائیۃ قلبی کے معنی میں لیا جائے تو مقصد یہ ہوگا کہ
اپنے دل و دماغ سے اگر فضائی پرندوں میں غور کرو گے تو تمہارا یقین
اور بڑھ جائے گا۔

پس جب موجودہ سائنس دانوں نے ان پرندوں پر غور و فکر کیا تو آواز
سے بھی زیادہ تیز رفتار طیارے ایجاد کر لیے اور اسی وجہ سے بہت سے
سائنس دان مسلمان بھی ہو چکے ہیں اس لیے کہ انہوں نے کما حقہٗ غور و
فکر کیا ہے اور جنہوں نے کما حقہٗ غور نہیں کیا وہ ابھی تک راہ ہدایت سے
محروم ہیں۔ بہر حال یہ فضائی اور جوّی مخلوق بھی عقیدۂ توحید پر عقلی دلیل ہے

اور یہ سب کچھ اسی کا کارنامہ ہے اس کے سوا ایسا نہ کوئی کر سکتا ہے اور نہ کسی نے کیا ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ تا اِلٰی حِیْنٍ

بُیُوْتٌ، بَیْتٌ کی جمع ہے بمعنی رہنے کی جگہ۔ سَکَنًا مصدر بمعنی رہنے کی اور آرام کی جگہ، جُلُوْدٌ جِلْدٌ کی جمع ہے چمڑے۔ اَنْعَامٌ، نَعَمٌ کی جمع ہے بمعنی چارپائے۔ تَسْتَخِفُّوْنَ جمع جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِسْتِخْفَافٌ سے بنا ہے ہلکا سمجھنا۔ ظَعْنٌ مصدر ہے بمعنی کوچ کرنا، جانا۔ اِقَامَۃٌ مصدر ہے بمعنی ٹھہرنا۔ اَصْوَافٌ، صُوْفٌ کی جمع ہے بھیڑوں کی اون۔ اَوْبَار، وَبَرٌ کی جمع ہے اونٹ کے بال۔ اَشْعَارٌ شَعْرٌ کی جمع ہے بکریوں کے بال۔ اَثَاثًا مصدر ہے گھر کا سامان۔ مَتَاعًا مصدر ہے گھر کا سامان۔

اکتالیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ النحل کی آیت نمبر اسّی ہے اس میں عقیدۂ توحید پہ اکتالیسویں عقلی دلیل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے بعض احسانات کا بھی بیان ہے جو اس نے اپنے بندوں پر فرمائے ہیں۔ اگر اس طور پہ دیکھا جائے کہ اس آیت میں مذکور اشیاء اللہ تعالیٰ کے تعارف کا ذریعہ ہیں تو پھر یہ

عقیدۂ توحید پر عقلی دلیل ہے کیونکہ یہ چیزیں از سرِ خود تو پیدا نہیں ہوئی ہیں کسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور جس نے انہیں پیدا کیا ہے اسی کو ہم اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ انسان ان سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ تو یہ اللہ تعالےٰ کے احسانات ہیں۔

کیونکہ یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے دو قسم کی رہائش کا انتظام کیا ہے ایک اقامتی اور دوسری سفری۔ اقامتی وہ ہے جو پتھر اور اینٹ وغیرہ سے بنائی جاتی ہے۔ اور سفری وہ ہے جو مویشیوں کے چمڑوں اور سوتی کپڑوں سے بنائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح اس اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے لباس کا بھی انتظام کیا ہے اور یہ لباس بھی دو قسم کا ہے۔ ایک گرمی کا اور دوسرا سردی کا۔ اور یہاں صرف سردی۔ س کا ذکر ہے اور گرمی کے لباس کا ذکر دوسری جگہ موجود ہے۔ یہ ب اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالےٰ نے کسی عمل سے ،انسان کو نہیں دیئے اور یہ نعمتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کر سکتا ہے۔ اگرچہ مکانات بناتے ہیں اور لباس بناتے ہیں کچھ نہ کچھ انسان کا عمل دخل بھی ہے اور اس میں اس کی سوچ اور فکر بھی کام کر رہی ہے۔ مگر وہ سوچ بھی تو اللہ تعالیٰ کی ہی عطا کردہ ہے اور اصل میں وہی بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت اس کو اس لیے دی گئی تاکہ وہ اپنی منشاء اور مرضی کے موافق اپنے لیے رہائشی مکانات اور لباس بنا سکے۔

اور اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ یہ لباس اور مکانات بھی مادیہ

رہنے والے نہیں ہیں بلکہ کچھ عرصہ کے لیے ہیں۔ جس طرح انسان فانی ہے یہ بھی فانی ہیں۔

تحقیق بعض الفاظ

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ تا تُسْلِمُوْنَ ○

جَعَلَ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا۔ خَلَقَ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ خَلْقٌ سے بنا ہے پیدا کرنا۔ مِمَّا اصل میں مِنْ مَا ہے۔ مِنْ معنی سے ما کا معنی جو۔ ظِلَالٌ ظِلٌّ کی جمع ہے معنی سایہ۔ جِبَالٌ جَبَلٌ کی جمع ہے معنی پہاڑ۔ اَکْنَانٌ کِنٌّ کی جمع ہے بمعنی چھپانا، پردے سَرَابِیل، سِرْبَالٌ کی جمع ہے کرتہ پہننے کی جگہ۔ تَقِیْ واحد مونث مضارع کا صیغہ ہے وِقَایَۃٌ سے بنا ہے معنی بچانا۔ بَاْسٌ مصدر ہے بمعنی خوف۔ یُتِمُّ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِتْمَامٌ سے بنا ہے بمعنی پورا کرنا۔ لَعَلَّ امید کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں اکثر تعلیلہ یعنی تاکہ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ تُسْلِمُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے اِسْلَامٌ سے بنا ہے بمعنی تابعدار بنانا۔

بیالیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ النحل کی آیت اکیاسی ہے اس میں عقیدۂ توحید پر بیالیسویں

عقلی دلیل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے۔ عقلی دلیل تو اس طرح ہے۔ کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک ہر چیز کا سایہ اور دوسرا پہاڑوں میں چھوٹے یا بڑے بڑے غار اور تیسری چیز کرتے ہیں جن میں سے بعض انسان کو گرمی سے بچاتے ہیں اور بعض جنگ سے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب چیزیں خود بخود پیدا ہوگئی ہیں؟ ظاہر بات ہے ایک عقل سلیم اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کیونکہ جب ایک چھوٹی سی چیز از سر خود نہیں بن سکتی تو اتنے بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے سائے کیسے بن گئے؟ اور پھر روزانہ کبھی بڑھتے ہیں اور کبھی گھٹتے ہیں اور رات کو بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اسی طرح یہ اونچے اونچے بلند اور فلک بوس پہاڑ اور ان میں بعض چھوٹے اور بعض بڑے بڑے لمبے لمبے غار یہ خود بخود کیسے بن گئے؟ حالانکہ ایک چھوٹا سا ایک مرلے کا کمرہ از سر خود نہیں بن سکتا۔ بلکہ اس کے بنانے کے لیے ایک دانا اور ماہر کاریگر ہونا چاہیے۔

اور اسی طرح انسان کا یہ لباس مثلاً کرتہ جو بعض تو انسان کو گرمی سے بچاتے ہیں اور بعض سردی سے بچاتے ہیں اور بعض جنگ سے بچاتے ہیں جیسا کہ پرانے زمانہ کی زرہ اور خود۔ اور آج کل بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک نکل آئے ہیں۔ کیا یہ از سر خود بن گئے ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ انسان کے تجربہ اور مشاہدات کے خلاف ہے کیونکہ انسان بچشم خود دیکھ رہا ہے کہ ان کو کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے۔

پس ثابت ہوگیا کہ ہر چیز کا سایہ اور پہاڑوں میں یہ غار خود نہیں بن گئے اور انسان کا یہ لباس بھی خود بخود نہیں بن گیا اور لباس کے سلسلہ

میں اگرچہ انسان کا کچھ نہ کچھ عمل دخل نظر آتا ہے مگر وہ بھی اسی اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے لیکن پہاڑوں کے بنانے میں اور ان میں غار بنانے میں تو اس انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اور اسی طرح ہر چیز کا سایہ بنانے میں بھی اس کا کسی قسم کا فعل شامل نہیں ہے ۔ پس معلوم ہو گیا کہ ہر چیز کا خالق مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اسی طرح سایہ، پہاڑوں، غاروں اور لباس کا پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے اور ان سب کے پیدا کرنے میں جنات، فرشتوں اور انسانوں میں سے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی طرح یہ سائے، پہاڑ اور لباس انسان کے لیے اللہ تعالےٰ کے انعامات اور احسانات بھی ہیں اور اسی طرح باقی ہر ذی نفس اور ذی جان کے لیے بھی یہ انعامات اور احسانات ہیں کیونکہ انسان خوب جانتا ہے کہ شدید گرمی کے دور میں اس کے سایہ کی کتنی ضرورت ہوتی ہے اور اسی طرح ذی نفس کو بھی اس کی ضرورت ہے ۔ اور پہاڑوں میں رہتے والے حیوانات کو، انسانوں کو سردی و بارش سے بچنے کے لیے بھی اسی طرح غاروں کی ضرورت ہے ۔ اور علیٰ ہذا القیاس لباس کا بھی یہی حال ہے ۔ خصوصاً آج کل کے جنگی دور میں انسان کے تحفظ کے لیے ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں کے علاوہ اور جس جس چیز کی ضرورت ہے وہ سب اس میں شامل ہیں ۔

اور جوں جوں نئے نئے جنگی آلات تیار کیے جا رہے ہیں ۔ اسی طرح ان سے بچنے کے طریقے بھی انسان کو بتا دیئے گئے ہیں ۔ اور ان سے بچنے کا ملکہ بھی انسان کو دے دیا گیا ہے تاکہ حفظِ ما تقدم کے طور پر انسان وہ چیزیں اپنے لیے ایجاد کرلے یہ سارا مضمون سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ میں اجمالاً مذکور ہے ۔

اور آخر میں جو لفظ کذالک استعمال فرمایا ہے اس کے دو معنی آتے ہیں بیان کمال اور بیان تشبیہ۔ اگر بیان کمال والا معنی کیا جائے تو معنی یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تحفظ کے لیے کیسی کیسی اور عمدہ نعمتیں پیدا فرما رہے ہیں تاکہ تم اس کے تابعدار ہو جاؤ اور مخلوق کی غلامی سے بچو اور اگر اس لفظ کذالک کو بیان تشبیہ کے لیے قرار دیا جائے تو معنی یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تحفظ کے اس وقت جس طرح اسباب پیدا فرمائے ہیں اسی طرح آئندہ بھی تم پر احسانات اور نعمتیں پوری کرتا رہے گا تاکہ تم اس کے تابعدار رہو۔ اور بظاہر یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کو ہے مگر درحقیقت تمام انسانوں کو یہ خطاب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن مجید سب کے لیے نازل کیا ہے اور آج کل کے جدید دور میں جنگی تباہ کاریوں سے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو اسباب پیدا فرمائے ہیں یہ اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے اور آئندہ بھی اسی طرح وہ اپنا وعدہ پورا کرتا رہے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ
يُزْجِىْ سَحَابًا	اللہ تعالیٰ چلاتا ہے بادل پھر
ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ	اسے ملاتا ہے پھر اسے
ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا	تہ بر تہ کرتا ہے پھر تو
فَتَرَى الْوَدْقَ	بارش کو دیکھتا ہے کہ
يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ	اس کے بیچ میں سے نکلتی
وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ	ہے اور آسمان سے جو ان

مِنْ جِبَالٍ | میں اولوں کے پہاڑ ہیں
فِيهَا مِنْ بَرَدٍ | ان میں سے اولے برساتا
فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ | ہے پھر انہیں جس پر چاہتا
يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ | ہے گراتا ہے اور جس سے
عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ | چاہتا ہے روک لیتا ہے
يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ | قریب ہے کہ اس کی بجلی
يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝ | کی چمک آنکھوں کو لے
يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ | جائے۔ اللہ ہی رات اور
وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ | دن کو بدلتا ہے بیشک
ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي | اس میں آنکھوں والوں کے
الْاَبْصَارِ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَ | لیے عبرت ہے اور اللہ
كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ | نے ہر جاندار کو پانی سے
مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ | بنایا ہے۔ سو بعض ان
مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى | میں سے اپنے پیٹ کے
بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ | بل چلتے ہیں اور بعض ان
مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى | میں سے دو پاؤں پر چلتے
رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ | ہیں اور بعض ان میں
يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ | سے چار پاؤں پر چلتے ہیں
يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ | اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى | ہے بے شک اللہ ہر چیز
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ | پر قادر ہے (آیت ۴۲ تا ۴۵)

وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ اور اس نے ہر چیز کو
فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ پیدا کر کے اندازہ پر قائم
(سورہ الفرقان آیت ۲) کر دیا ۔

تحقیق بعض الفاظ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ تا الْاَبْصَارِ

يُزْجِيْ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اِزْجَاءٌ سے بنا ہے اور اِزْجَاءٌ زَجْوٌ سے بنا ہے بمعنی ہانکنا ۔ سَحَابٌ واحد ہے معنی بادل ۔ يُؤَلِّفُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے تَاْلِيْفٌ سے بنا ہے معنی جوڑنا ۔ رُكَامًا واحد ہے بمعنی تہ بند، ڈھیر لگا ہوا ۔ وَدْقٌ واحد ہے برسنا، ٹپکنا ۔ خِلَالٌ واحد ہے بمعنی درمیان ۔ يُنَزِّلُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے تنزیل سے بنا ہے بمعنی اتارنا يُصِيْبُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اِصَابَةٌ سے بنا ہے بمعنی پہنچانا ۔ اور اِصَابَة صواب سے بنا ہے بمعنی درست، ٹھیک ۔ يَشَاءُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے شَيْءٌ سے بنا ہے چاہنا يَصْرِفُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے صرف سے بنا ہے معنی پھیرنا ۔ يَكَادُ مضارع کا صیغہ ہے کَوْدٌ سے بنا ہے بمعنی قریب ہونا عام ہے خواہ وہ کام ہو یا نہ ہو ۔ اگر یہ فعل بغیر حرف نفی کے ہو مثلاً كَادَ يَفْعَلُ كَذَا تو مطلب یہ ہوگا کہ فلاں آدمی کام کرنے کے قریب تھا مگر اس نے کیا نہیں اور اگر اس کے شروع میں حرف نفی ہو مثلاً وَمَا كَادَ يَفْعَلُ

کَذَا تو مطلب یہ ہوگا کہ فلاں آدمی کام کرنا چاہتا نہیں تھا مگر اس نے کرلیا۔ اَبْصَار بَصَرٌ کی جمع ہے بمعنی آنکھیں۔ یُقَلِّبُ واحد مذکر مضارع ہے تقلیب سے بنا ہے بمعنی پھیرنا۔

تینتالیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہاں سورۃ نور کی آیت نمبر تینتالیس نقل کی گئی ہے۔ اس میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ ایک عقیدہ توحید پر تینتالیسویں اور چوالیسویں عقلی دلیل ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارانِ رحمت نازل کرنے کے لیے جو نظام قائم فرمایا ہے اس کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی بادلوں کو بناتے ہیں پھر انہیں چلاتے ہیں پھر انہیں جمع کرتے ہیں پھر انہیں تہہ بہ تہہ کرتے ہیں پھر ان کے درمیان سے بارش نکلتی ہے اور پھر اس آسمان سے جن میں اولوں کے پہاڑ ہیں ان سے اولے برساتا ہے پھر جہاں چاہتا ہے ان اولوں کو پہنچاتا ہے اور جہاں سے چاہتا ہے [illegible] تا ہے یعنی بے اختیار نہیں پڑتے جہاں جہاں [illegible] تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے [illegible] پڑتے ہیں اور پھر ان بادلوں میں بجلیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ بھی اسی کی پیدا کی ہوتی ہیں۔ ان سے انسان کی بینائی جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جب وہ بجلیاں چمکتی ہیں یا زمین پر پڑتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں کہ آدمی کی بینائی محفوظ رہتی ہے اور اب اس خلائی اور فضائی نظام میں لیا لیا [illegible] ہیں اور کیا کیا فوائد ہیں؟ یہ وہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔ بہرحال اس سے ان کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ نظام خود نہیں بنا بلکہ اس کو کوئی بنانے والا ہے جس نے بنایا ہے ہم اس کو اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس نظام

کے بنانے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔
آیت نمبر چوالیس میں عقیدۂ توحید پر چوالیسویں عقلی دلیل ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ رات اور دن کا انقلاب بھی اسی اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قدرت میں ہے، اس میں بھی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع اللہ تعالےٰ کی ذات موجود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو انعامات اور احسانات فرمائے ہیں ان کا بھی بیان ہے۔
تفصیل اس کی یہ ہے کہ پانی کا اصل ذخیرہ سمندر ہے مگر یہ پانی قابل استعمال نہیں ہے کیونکہ ایک تو وہ کھاری ہے اور دوسرے دنیا بھر کی گندگی اسی میں پڑ رہی ہے اور بے شمار جانور خشکی کے بھی اور سمندری بھی اس میں مر رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سمندری پانی کو صاف کرنے کے لیے ایک نظام قائم فرمایا ہے کہ پہلے سمندر سے بخارات کو اٹھاتے ہیں پھر ان سے بادل بنائے جاتے ہیں اور پھر انہیں ایک جگہ منجمد نہیں رکھا جاتا بلکہ انہیں چلایا جاتا ہے اور پھر انہیں تہ بہ تہ بنایا جاتا ہے پھر ان سے بارش برستی ہے۔
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے اندر بھی برف اور اولوں کے پہاڑ ہیں اور زمین پر بھی برف کے پہاڑ ہیں۔ آسمانوں میں جو برف کے پہاڑ ہیں انہیں پگھلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بجلی پیدا کی ہوئی ہے جو کبھی کبھی زمین پر بھی گر جاتی ہے اور رات اور دن کے انقلاب سے مراد یا تو ان کا بڑھنا اور گھٹنا ہے اور یا رات دن کے اسباب ہیں اور اشیاء میں جو تبدیلیاں نمودار ہوتی ہیں وہ مراد ہیں۔ بہر حال یہ سب اللہ تعالےٰ

کی نعمتیں ہیں اور بے بہا احسانات ہیں۔

ع پھونک ڈالا ہے میری آتش نوائی نے مجھے
اور میری زندگانی کا یہی سامان بھی ہے (اقبال)

گل ہائے رنگا رنگ سے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے (ذوق)

تحقیق بعض الفاظ

وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ تا تَقْدِیْرًا

دَآبَّۃ واحد مؤنث اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ دَبٌّ سے بنا ہے بمعنی چلنا۔ مَآءٌ اصل میں مَوَہٌ ہے ھا کو حذف کر دیا گیا ہے اور واؤ کو ہمزہ سے بدلا گیا ہے اس کا معنی پانی ہے۔ یَمْشِیْ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے مَشْیٌ سے بنا ہے چلنا۔ رِجْلَیْنِ تثنیہ کا صیغہ ہے رِجْلٌ سے بنا ہے بمعنی پاؤں۔ شَیْءٌ موجود چیز کو کہتے ہیں اور غیر موجود پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ قَدِیْرٌ واحد مذکر مبالغہ کا صیغہ ہے قدرت سے بنا ہے بمعنی طاقت۔ قَدَّرَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے تقدیر سے بنا ہے بمعنی اندازہ لگانا۔

پنتالیسویں عقلی دلیل کی

تفسیر

یہاں پہلے سورۃ النور کی آیت نمبر پنتالیس اور اس کے بعد سورۃ الفرقان کی آیت نمبر دو نقل کی گئی ہے۔ سورۃ النور والی آیت میں دو

چیزوں کا بیان ہے۔ ایک تو اس میں عقیدۂ توحید پر پنتالیسویں عقلی دلیل ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چلنے والی جاندار چیز کو پانی سے بنایا ہے اور دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہر چیز کو اللہ تعالےٰ نے پانی سے پیدا فرمایا ہے۔ پس یہ تخصیص بعد تعمیم ہے۔ یعنی جب یہ فرمایا کہ ہر چیز پانی سے پیدا کی ہے تو اس میں جاندار چیزیں بھی آگئی ہیں۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے تو ان کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے۔ عربی محاورات میں اس کو تخصیص بعد تعمیم کہتے ہیں۔ اور جانداروں کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ بعض صرف پیٹ پر چلتے ہیں جیسا کہ سانپ وغیرہ۔ اور بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں جیسا کہ انسان اور پرندے اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسا کہ باقی حیوانات وغیرہ۔

اور آخر میں فرمایا ہے کہ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اس جملہ کی تفسیر میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے میں اور اس کی ترتیبی ساخت میں خود مختار ہے۔ جو چاہے اور جیسے چاہے بنائے۔ اس پر کوئی نگران اعلیٰ اور حکمران بالا نہیں ہے جو اسے روکے کہ تو نے فلاں چیز ایسی کیوں بنائی ہے؟ اور ایسی کیوں نہیں بنائی؟ اور اس اللہ تعالیٰ کی مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ بھی نہیں ہے جس کے سامنے وہ جواب دہ ہو اور وہ اس سے باز پرس اور اس کی ... کرے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ مختار کل اور قادر مطلق ہے جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔

اس جملہ کی تفسیر میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ یخلق جو فعل مضارع کا صیغہ ہے اس سے زمانہ مستقبل بھی مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ علماء

کے نزدیک صرف اور نحو کا اصول یہ ہے کہ فعل مضارع کا صیغہ جب علامت حال یا مستقبل سے خالی ہو تو اس سے زمانہ حال یا مستقبل دونوں مراد لیے جا سکتے ہیں۔ اور یہاں یخلق جو فعل مضارع ہے اس پر علامت حال یا مستقبل تو نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں دونوں زمانے آ سکتے ہیں۔ زمانہ حال کی تفسیر تو پہلے بیان ہو چکی ہے اور مستقبل کی تفسیر یوں ہو گی کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا جو چاہے گا۔ یعنی زیادہ پاؤں والی چیز بھی پیدا کرے گا جو چاہے گا۔

چنانچہ آج بڑے بڑے بھاری ٹرک ظاہر ہو گئے ہیں جو بارہ پہیّوں پہ چلتے ہیں۔ اور ٹرین سینکڑوں پہیّوں پر چل رہی ہے۔ بہر حال ان مذکورہ اشیاء میں سے کوئی چیز از سر خود نہیں بنی ورنہ ہم پوچھ سکتے ہیں کہ یہ دو پاؤں والا انسان سانپ کی طرح پیٹ کے بل اس جیسی تیز رفتاری دکھا سکتا ہے یا ہاتھوں اور پاؤں کے بل گھوڑے جیسی چال چل سکتا ہے؟ مگر انسان ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔

پس ثابت ہوا کہ انسان کے یہ خود مختاری کے دعوے غلط ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی قادر مطلق اور مختار کل ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سانپ کو انسانی طاقت اور انسان کو گھوڑے جیسی قوّت دے سکتا ہے۔

اور آخر میں سورۃ الفرقان والی آیت میں فرمایا ہے کہ ہر چیز کی ساخت اور بناوٹ میں جو ترتیب اور انداز ہے یہ بھی اسی کا طے کیا ہوا اور بنایا ہوا ہے اور دوسرا اس آیت میں اللہ تعالیٰ جلّ مجدہٗ کی نعمتوں اور احسانات کا بیان ہے مگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض جانوروں کا نعمت ہونا تو سمجھ

ہیں آتا ہے جیسا کہ گائے، بکری، اونٹ، بھینس، دُنبہ وغیرہ۔ کیونکہ انسان ان کا دُودھ پیتا ہے اور ان کا گوشت بھی کھاتا ہے۔ اور اسی طرح گھوڑے گدھے کا نعمت ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ انسان ان پر سواری بھی کرتا ہے اور ان سے باربرداری کا کام بھی لیتا ہے اور اسی طرح حلال پرندوں کا نعمت اور احسان ہونا بھی ظاہر ہے کہ انسان انہیں کھاتا ہے مگر ان میں سے جو حرام ہیں اُن کا نعمت ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اسی طرح سانپوں کا نعمت ہونا اور ان کے علاوہ اور کیڑے مکوڑوں کا نعمت ہونا بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

پس اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیز پیدا فرمائی ہے وہ بے مقصد اور بے کار پیدا نہیں فرمائی۔ ان میں ضرور کچھ نہ کچھ فوائد ہیں مگر ان فوائد کا ہماری سمجھ میں آنا ضروری نہیں ہے مگر ہم ان سے مستفید ہوتے ہیں مثلاً فضا میں زہریلا مواد پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس زہریلے مواد کو ختم نہ کیا جائے تو سارے انسان ہلاک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس زہریلے مواد کو ختم کرنے کے لیے سانپ اور اسی طرح اور کیڑے مکوڑوں کو پیدا فرمایا ہے جو یہ زہریلا مواد جذب کر لیتے ہیں۔ اسی لیے ان میں زہر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ سائنس جدید کی یہی تحقیق ہے مگر عام انسانوں کو اس کا پتہ نہیں ہے اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں جب حرام ہیں تو بے کار ہیں حالانکہ کوئی بھی چیز بے کار نہیں ہے اور اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ حرام چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ	اور انہوں نے اللہ کے سوا
اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ	ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو
شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ	کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے
وَلَا يَمْلِكُوْنَ	حالانکہ وہ خود پیدا کیے گئے
لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ	ہیں اور وہ اپنی ذات کے
لَا نَفْعًا وَّلَا	لیے نقصان اور نفع کے
يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا	مالک نہیں اور موت اور
وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا	زندگی اور دوبارہ اٹھنے کے
نُشُوْرًا ۝ اَلَمْ	بھی مالک نہیں۔ کیا تو نے
تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ	اپنے رب کی طرف نہیں
مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ	دیکھا کہ اس نے سایہ کو
شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا	کیسے پھیلایا ہے اور اگر
ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ	چاہتا تو اسے ٹھہرا رکھتا پھر
عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝	ہم نے سورج کو اس کا سبب بنا دیا ہے۔
ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا	پھر ہم اسے آہستہ آہستہ
قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝	اپنی طرف سمیٹتے ہیں اور
وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ	وہی ہے جس نے تمہارے
لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا	لیے رات کو اوڑھنا اور نیند
وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ	کو راحت بنا دیا اور دن
النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝	چلنے پھرنے کے لیے بنایا

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ
الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ
یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ
وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْیِۦَ
بِهٖ بَلْدَةً
مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ
مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا
وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ۝

اور وہی تو ہے جو اپنی
رحمت سے پہلے خوشخبری
لانے والی ہوائیں چلاتا
ہے اور ہم نے آسمان سے
پاک پانی نازل فرمایا تاکہ
ہم اس سے مرے ہوئے
شہر کو زندہ کریں اور اسے
اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں،
چارپایوں اور بہت سے
آدمیوں کو پلائیں۔ (سورۃ الفرقان آیت ۴۸، ۴۹ پ ۱۹)

تحقیق بعض الفاظ

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ تا وَلَا نُشُوْرًا

اِتَّخَذُوْا جمع مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے اِتِّخَاذٌ سے بنا ہے معنی پکڑنا۔ اٰلِهَةً اِلٰهٌ کی جمع ہے بمعنی معبود۔ لَا یَخْلُقُوْنَ جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے خَلْقًا سے بنا ہے بمعنی پیدا کرنا۔ لَا یَمْلِكُوْنَ جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے مِلْكٌ سے بنا ہے معنی مالک ہونا۔ لفظ موت اور حیٰوۃ دونوں مصدر ہیں اور نشور بھی مصدر ہے بمعنی پھیلنا۔

تفسیر

اس سے پہلے عقیدہ توحید پر عقلی دلائل کا بیان گزرا ہے اور یہ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر تین ہے اس میں ان مشرکین پر زجر اور ڈانٹ ہے جو اس خالق و مالک کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ اور بناوٹی معبودوں کو مانتے ہیں حالانکہ وہ ذرہ بھر کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے اور خود بھی اس خدا لایزال اور بزرگ و برتر کی مخلوق ہیں۔ اور نہ تو وہ اپنے نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ اور نہ موت اور زندگی کے مالک ہیں۔ بلکہ وہ تو خود سراپا محتاج ہیں۔ زجر کا مقصد یہ ہے کہ انہیں ایسے ضعیفوں اور کمتروں کو معبود نہیں ماننا چاہیئے۔ بلکہ انہیں چاہیئے کہ اس خداوند تعالیٰ کو مانیں جو قادرِ مطلق اور مالک و مختار ہے

تحقیق بعض الفاظ

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ تا قَبْضًا یَسِیْرًا

تَرَ واحد مذکر مخاطب مضارع کا صیغہ ہے۔ رُؤْیَۃٌ سے بنا ہے بمعنی دیکھنا۔ لفظ رَبّ مصدر ہے یا رَابٌّ سے مخفف ہے یا رَبِّبٌ سے مخفف ہے معنی تربیت کرنے والا۔ مَدَّ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے مَدٌّ سے بنا ہے معنی پھیلانا۔ ظِلٌّ مصدر ہے معنی سایہ۔ دَلِیْلًا صفت مشبّہ کا صیغہ ہے دَلَالَۃٌ سے بنا ہے بمعنی رہبری کرنا یا سبب۔ قَبَضْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے قَبْضٌ سے بنا ہے بمعنی سمیٹنا۔ قَبْضًا مصدر ہے۔ یَسِیْرًا مصدر ہے معنی تھوڑی چیز۔

چھیالیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہاں سورۃ الفرقان کی آیت پنتالیس اور چھیالیس نقل کی گئی ہیں ان دونوں آیات میں عقیدہ توحید پہ چھیالیسویں عقلی دلیل ہے۔ اس آیت کی بقیہ تفسیر تو اس سے کچھ قبل لکھی جا چکی ہے۔ یہاں ان آیتوں میں کچھ تفصیل زیادہ ہے اس لیے یہ نقل کی گئی ہیں۔ اور وہ تفصیل یہ ہے کہ سایہ بھی اللہ تعالیٰ کے تعارف کا نمونہ ہے کہ اس نے ہر چیز کا سایہ بنایا ہے اور وہی اسے بڑھاتا بھی ہے اور گھٹاتا بھی ہے۔ اور اس کا ظاہری سبب اس نے سورج کو بنایا ہے کہ سورج کے آنے سے وہ ظاہر ہوتا ہے اور بڑھتا گھٹتا بھی ہے اور جب سورج ڈوب جاتا ہے تو وہ بھی چھپ جاتا ہے

تحقیق بعض الفاظ

وَهُوَ الَّذِی تا نُشُورًا

لِبَاس مصدر ہے معنی پہننے کی چیز۔ نَوْمَ مصدر ہے معنی نیند۔ سُبَاتًا مصدر ہے معنی آرام وراحت۔ نُشُورًا مصدر ہے بمعنی پھیلنا۔

سینتالیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ الفرقان کی آیت سینتالیس ہے اس میں عقیدۂ توحید پہ سینتالیسویں عقلی دلیل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بھی بیان ہے۔

عقلی دلیل تو اس طرح ہے کہ رات کی تاریکی خود نہیں بنی اور اس کا نیند کے ذریعہ انسان کے جسم اور بدن میں جو آرام آتا ہے یہ بھی خود نہیں بنا۔ اور دن کو جو انسان جو چلتا پھرتا ہے یہ طاقت بھی اس کی اپنی ایجاد نہیں ہے بلکہ یہ تینوں چیزیں جس نے پیدا کی ہیں ہم اسی کو اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہ قوتیں انسان کی اپنی ایجاد ہوتیں تو وہ خواب آور گولیوں پر مجبور نہ ہوتے اور لنگڑے، لولے اور اپاہج نہ ہوتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور کی تخلیق ہے اور وہی خدائے بزرگ و برتر ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور لوگ جنہیں خدا کا شریک مانتے ہیں وہ خود ان قوتوں کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں یہ قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ خدا ہے وہ بہت بڑی طاقت ہے اور انسان سراپا اس کا محتاج ہے۔

یہ تینوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس طرح ہیں کہ انسان دن کو جو کام کرنا پسند نہیں کرتا وہ رات کو کر لیتا ہے۔ اور نیند سے انسان کی صحت برقرار رہتی ہے۔ تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ اور وہ لوگ جن کو رات کے وقت نیند نہیں آتی وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ نیند کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ بھی ایک لطیف قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے بدن میں پیدا فرمائی ہوئی ہے۔

اسی طرح زمین میں چلنا پھرنا بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے کیونکہ اس سے انسان ایک تو اپنے لیے روزی کے اسباب تلاش کر لیتا ہے اور ان پر انسان کی زندگی کی بقا ہے اور پھر چلنے پھرنے سے جب اس کا خون دورہ کرتا ہے تو اس کی وجہ سے انسان ہزاروں بیماریوں سے

بچ جاتا ہے ورنہ خون کے انجماد سے وہ ان بیماریوں کا شکار ہو کر تباہی کے گھاٹ اتر سکتا ہے۔ بہر حال یہ تینوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور یہ نہ تو خود پیدا ہو سکتی ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور انہیں پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سب اسی کے کارنامے ہیں۔

تحقیق بعض الفاظ

وَهُوَ الَّذِی اَرْسَلَ تا اَنَاسِیَّ کَثِیْرًا

اَرْسَلَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے اِرْسَالٌ سے بنا ہے معنی بھیجنا، چلانا۔ رِیَاحٌ رِیْحٌ سے بنا ہے معنی ہوا۔ طَهُوْرًا مصدر ہے وہ چیز جس سے پاک کریں۔ نُحْیِیْ جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے اِحْیَاءٌ سے بنا ہے معنی زندہ کرنا۔ مَیْتًا، مَیِّتٌ سے مخفف ہے بمعنی مُردہ۔ نُسْقِیْ جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے اِسْقَاءٌ سے بنا ہے پلانا۔ اَنْعَامٌ، نَعَمٌ کی جمع ہے مولیشی۔ اَنَاسِیَّ یہ لفظ انسان یا اِنْسِیٌ کی جمع ہے۔ اصل میں اَنَاسِیْنَ ہے نون کو یا سے بدلا اور پھر یا کو یا میں ادغام کیا اَنَاسِیَّ ہو گیا۔

اڑتالیسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہاں سورۃ الفرقان کی آیت اڑتالیس اور انچاس نقل کی گئی ہیں ان میں عقیدۂ توحید پر اڑتالیسویں عقلی دلیل بیان فرمائی گئی ہے اور ان میں اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا بیان ہے اور ان آیتوں کی تفسیر پہلے بیان ہو چکی ہے یہاں دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ مَرَجَ اور وہی ہے جس نے دو
الۡبَحۡرَیۡنِ ھٰذَا عَذۡبٌ دریاؤں کو آپس میں ملا دیا یہ
فُرَاتٌ وَّ ھٰذَا میٹھا خوش گوار ہے اور یہ
مِلۡحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ کھاری کڑوا ہے اور ان
بَیۡنَہُمَا بَرۡزَخًا وَّ حِجۡرًا دونوں میں ایک پردہ اور مستحکم
مَّحۡجُوۡرًا ○ وَ ھُوَ آڑ بنا دی۔ اور وہی ہے
الَّذِیۡ خَلَقَ جس نے انسان کو پانی سے
مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا پیدا کیا پھر اس کے لیے
فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّ صِہۡرًا ؕ رشتہ نسب اور دامادی قائم
وَ کَانَ رَبُّکَ کیا اور تیرا رب ہر چیز پر
قَدِیۡرًا ○ تَبٰرَکَ قادر ہے۔ بڑا برکت
الَّذِیۡ جَعَلَ فِی والا ہے وہ جس نے آسمان
السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ جَعَلَ میں ستارے بنائے اور اس
فِیۡہَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا میں چراغ اور چمکتا ہوا چاند
مُّنِیۡرًا ○ وَ ھُوَ بھی بنایا۔ اور وہی ہے
الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ جس نے رات اور دن
وَ النَّہَارَ خِلۡفَۃً لِّمَنۡ یکے بعد دیگرے آنے والے
اَرَادَ اَنۡ یَّذَّکَّرَ بنائے یہ اس کے لیے
اَوۡ اَرَادَ شُکُوۡرًا ○ ہے جو سمجھنا چاہے یا شکر
کرنا چاہے۔

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کہہ دو بھلا یہ تو بتاؤ اگر

جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ	اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے
الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى	قیامت تک رات ہی رہنے
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ	دے تو اللہ کے سوا کونسا
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ	معبود ہے جو تمہارے لیے
بِضِيَآءٍ ط اَفَلَا	روشنی لائے کیا تم سنتے
تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ	نہیں ہو۔ کہہ دو بھلا یہ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ	بتاؤ اگر اللہ تم پر ہمیشہ
جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ	کے لیے قیامت تک دن
النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى	ہی رہنے دے تو اللہ
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ	کے سوا کونسا معبود ہے
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ	جو تمہارے لیے رات لائے
بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ط	جس میں آرام پاؤ کیا تم
اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○	دیکھتے نہیں ہو۔

(سورۃ الفرقان آیت ۵۳ تا ۵۴، ۶۱، ۶۲ سورۃ القصص آیت ۷۱، ۷۲)

تحقیق بعض الفاظ

وَهُوَ الَّذِیْ تا حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○

مَرَجَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ مَرْجٌ سے بنا ہے کھلا چھوڑنا، چلانا۔ بَحْرَیْنِ تثنیہ مذکر کا صیغہ ہے بَحْرٌ سے بنا ہے سمندر۔ عَذْبٌ مصدر ہے معنی میٹھا۔ فُرَاتٌ واحد جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے معنی خوشگوار۔ مِلْحٌ مصدر ہے معنی نمک۔ اُجَاجٌ

مصدر ہے معنی کڑوا۔ بَرزَخ مصدر ہے معنی دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ۔ دنیا اور آخرت کے درمیان کا فاصلہ۔ حِجر مصدر ہے اس کا معنی پردہ رکاوٹ۔ محجور اسم مفعول کا صیغہ ہے حِجر سے بنا ہے۔

انچاسویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ترپن ہے اس میں عقیدۂ توحید پہ انچاسویں عقلی دلیل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے۔ عقلی دلیل تو اس طرح ہے کہ سمندر کے پانی کے دو حصے ہیں۔ ایک میٹھا اور دوسرا کڑوا۔ میٹھا کڑوے میں نہیں ملتا اور کڑوا میٹھے میں نہیں ملتا اور ان دونوں کے درمیان ایک رکاوٹ موجود ہے۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ وہ ایک دوسرے میں کیوں نہیں ملتے؟ کیا وہ از سرِ خود پیدا ہوئے ہیں؟ گر وہ از سرِ خود پیدا ہوتے تو وہ آپس میں مل جاتے۔ آخر وہ کون سی طاقت ہے جو انہیں ملنے نہیں دیتی۔

یہ چیز بھی مقامِ غور ہے کہ ان میں سے ایک میٹھا اور دوسرا کڑوا کیوں ہے؟ اگر ذی عقل بنظرِ غائر دیکھے گا تو وہ تو یہی کہے گا کہ ہاں ہاں یہ وہی طاقت جس کو اللہ تعالیٰ جَلَّ جلالہٗ سے تعبیر کرتے ہیں وہ ہی ان دونوں سمندروں کو بنانے والا ہے اور وہی ان دونوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتا اور اس میں کیا حکمت ہے؟ یہ وہی جانتا ہے اور ان دونوں دریاؤں میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کیونکہ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ پانی کا اصل ذخیرہ یہی ہے اور چونکہ یہ پانی ناقابلِ استعمال ہے اس لیے

اللہ تعالیٰ نے اس کو قابلِ استعمال بنانے کے لیے یہ نظام قائم کیا ہے کہ پہلے ان سے بخارات اٹھائے جاتے ہیں پھر ان سے بادل بنائے جاتے ہیں ۔ پھر ان سے بارش، برف نازل کی جاتی ۔ پھر دریاؤں ندیوں اور چشموں کی شکل میں پہنچایا جاتا ہے اور پانی سے انسان اور باقی حیوانات کی زندگی ہے ۔ پس اس طرح یہ دونوں قسم کے دریا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں

تحقیق بعض الفاظ

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ تا قَدِیْرًا ۝

بَشَرًا یہ لفظ واحد، تثنیہ اور جمع پر بھی بولا جاتا ہے ۔ ہر صاف جلد کو کہتے ہیں اور آدمی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اس کی جلد صاف ہے ۔ نَسَبًا بمعنی قرابت ۔ صِهْرًا واحد ہے معنی ماں باپ کی قرابت ۔ بیوی کی جانب کے رشتے داماد وغیرہ ۔

تفسیر پچاسویں عقلی دلیل کی

یہ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر چون ہے اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک تو عقیدۂ توحید پر پچاسویں عقلی دلیل ہے اور دوسرا اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے ۔ عقلی دلیل تو اس طرح ہے کہ انسان کی پیدائش پانی سے ہوئی ہے اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ ہر ذی نفس کی پیدائش اور زندگی پانی سے ہے ۔ اور یہاں جو صرف انسان کا ذکر فرمایا ہے ۔ یہ تخصیص بعد تعمیم ہے ۔ اور اس تخصیص کی وجہ اس انسان کی ایک خاص

خوبی ہے جو باقی حیوانات میں نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی کھال صاف ہے اس کے جسم پر اتنے بال نہیں ہیں اور باقی حیوانات کے اجسام پر بال بہت ہیں۔ اور وہ بھی کسی کے بال بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور کسی کے کم ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ کیا ان کی اپنی مرضی سے ایسا ہے؟ تو ظاہر بات ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو انسان اپنے چہرے پر ایک بال بھی نہ اگنے دیتا۔ کیونکہ اسے ڈاڑھی کے بال منڈوانے کے لیے بڑی تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے اور تیسرے چوتھے دن اسے منڈوانی پڑتی ہے اور اسے خرچ کرنا پڑتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ انسان کی صرف کھال اور باقی حیوانات کی بالوں والی کھال ان میں سے کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ کوئی اور ہی طاقت کام کر رہی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں یہ سب کچھ ہے۔ اسی کو ہم اللہ تعالےٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ اکیلا، تنہا اور وحدہٗ لاشریک ہے کوئی انسان، جن، فرشتہ وغیرہ اس کا شریک نہیں ہے۔ اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو ایک کہتا کہ میں انسان کے جسم کو صاف بناؤں گا اور دوسرا کہتا کہ میں اس کے جسم پر دنبے جیسے بال اگاؤں گا۔ پھر نتیجۃً انسان ہی نہ رہتا۔

پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی سب کا مالک ہے وہ جیسے چاہے کرے۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کے ارادے اور مشیت میں دخل اندازی کر سکے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو نعمتوں کا بھی بیان ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس صاف کھال کی وجہ سے باقی حیوانات سے سرفراز اور ممتاز فرمایا ہے۔ اگر وہ اسے بندر جیسا بنا دیتا تو اسے کون روک

سکتا تھا ؟ اور دوسری نعمت یہ ہے کہ اس اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں رشتہ داریوں کا سلسلہ قائم فرمایا ہے۔ مثلاً ماں باپ، بہن بھائی، تایا چچا، خالہ، پھوپھی، ماموں سرالی، دامادگی وغیرہ۔ اور یہ اس لیے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ انسان قدم قدم پر محتاج ہے۔ اس کو ایسے ایسے ہمدردوں کی ضرورت ہے جو آڑے وقت اس کا تعاون کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ رشتہ داریاں قائم کر کے انسان پر یہ رحم فرمایا ہے اور یہ سارے رشتے نکاح کے ذریعہ قائم ہوتے ہیں اور نکاح کے ذریعہ بنتے ہیں۔ پس لازم ہے کہ نکاح کے ذریعہ ہی اولاد پیدا کی جائے اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے تاکہ معاشرہ میں رحم اور ہمدردی کی فضا قائم رہے ورنہ بے رحمی کی لہر آجائے گی جس کا سدِّباب مشکل ہوگا اور انسان ہمدردی کی نعمت سے محروم ہو جائے گا۔

تحقیق بعض الفاظ

تَبَارَكَ الَّذِي تا اَفَلَا تُبْصِرُونَ ○

تَبَارَكَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ بَرَكَةٌ سے بنا ہے معنی حجم میں اضافہ کرنا، بڑھانا۔ بُرُوجٌ بُرْجٌ کی جمع ہے محل کو کہتے ہیں۔ آسمان کے ستاروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ سراج چراغ آفتاب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ قَمَرٌ چاند۔ مُنِيرٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے نور سے بنا ہے معنی روشنی۔ خِلْفَةً مصدر ہے معنی پیچھے رہنے والا۔ اَرَادَ واحد مذکر ماضی ہے اِرَادَةٌ

سے بنا ہے ۔ یَذَّکَّرُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے ذکر سے بنا ہے نصیحت حاصل کرنا ، یاد کرنا ۔ شُکُوْرٌ مصدر ہے معنی قدردانی کرنا بدلا دینا ۔ اَرَئَیْتُمْ جمع ماضی کا صیغہ ہے رُاْیَۃٌ سے بنا ہے معنی دیکھنا ، غور کرنا ۔ سَرْمَدٌ مصدر ہے معنی ہمیشہ ۔ یَاْتِیْ مضارع کا صیغہ ہے اِتْیَانٌ سے بنا ہے معنی آنا ۔ ضِیَاءٌ مصدر ہے معنی روشنی ۔ تَسْمَعُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے سَمْعٌ سے بنا ہے معنی سُننا ۔ تَسْکُنُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے سکون سے بنا ہے معنی آرام پانا ۔ تُبْصِرُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے بَصَرٌ سے بنا ہے معنی دیکھنا ۔

اکیانویں عقلی دلیل کی تفسیر

یہاں اس بحث میں پہلے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر اکسٹھ ہے اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ۔ ایک تو عقیدہ توحید پر اکیانویں عقلی دلیل ہے ۔ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے

عقلی دلیل اس طرح ہے کہ یہ خلائی نظام ، اگنت سیّارات ، چاند اور سورج کا وجود بتا رہا ہے کہ یہ سب کچھ از سر خود نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک بہت بڑی طاقت کارفرما ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ جب ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز از سر خود نہیں بن سکتی بلکہ اسے بنانے کے لیے ایک ماہر کاریگر چاہیئے تو اتنا بڑا جہان خود کیسے بن گیا ؟ یقیناً نہیں بلکہ اس کا بنانے والا بھی بہت بڑا کاریگر ہے ۔ اور وہی اللہ تعالےٰ جل مجدہ ہے ۔ اور اس نے اعتراف کیا ہے کہ یہ نظام اس نے بنایا ہے

اور ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ کس طرح بنایا ہے چنانچہ آیت کے شروع میں فرمایا ہے کہ تَبَارَكَ الَّذِیْ ۔ اور پہلے یہ بتا دیا ہے کہ تبارک برکت سے بنا ہے اور برکت کے معنی ہیں کسی چیز کے حجم میں اضافہ کرنا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے کوئی چھوٹی سی چیز بنائی ہے اور اسی کو بڑھا کر اتنا بڑا نظام قائم کیا ہے ۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا بھی بیان ہے کہ اس نے یہ سارا نظام انسان کے لیے پیدا فرمایا ہے ۔ اور یہ انعام اور احسان بایں طور ہیں کہ انسان کے پاس کوئی ایسی نیکی تو نہیں ہے کہ یہ سارا نظام اس کا بدلہ اور معاوضہ بن سکے ۔ اس کی بقیہ تفصیل بحث سیّارات میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لینا چاہیئے ۔

وَهُوَ الَّذِیْ تا اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ یہاں تین آیات نقل کی گئی ہیں ۔ ان میں سے پہلی آیت سورۃ الفرقان کی ہے اور دوسری دو سورتیں القصص کی ہیں ۔ پہلی آیت میں اجمال ہے ۔ دوسری میں تفصیل ہے ۔ اور یہ تینوں عقیدہ توحید پر باونویں عقلی دلیل ہے ۔ اور ان میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے ۔

عقلی دلیل تو اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو ایک خاص مقدار متعین پر ٹھہرایا نہیں ہے ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو بڑھاتے اور گھٹاتے رہتے ہیں تاکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا تعارف ہو جائے اور اسے معلوم ہو جائے کہ یہ نظام از خود نہیں چل رہا ہے بلکہ اسے کوئی طاقت چلا رہی ہے ۔ اگر یہ نظام از خود چلتا تو از خود ٹھہر بھی سکتا تھا ۔

پس معلوم ہوا کہ یہ یہ خود نہیں چل رہا بلکہ اسے کوئی بڑا ماہر کاریگر چلا رہا ہے اور اس کو ہم اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا کوئی شریک بھی نہیں

ہے۔ اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو ایک کہتا کہ میں ہمیشہ دن بناتا ہوں اور دوسرا کہتا کہ میں ہمیشہ رات بناتا ہوں۔ نتیجتاً نہ رات رہتی اور نہ دن بلکہ دونوں تباہ ہو جاتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ رات بنا دے تو کوئی دن نہیں بنا سکتا اور اگر وہ ہمیشہ دن بنا دے تو کوئی رات نہیں بنا سکتا۔ یہ رات اور دن کا نظام اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں کیونکہ ان کے ساتھ انسان کے بے شمار مفادات وابستہ ہیں۔ ذرا سا غور کرنے سے خود بخود سمجھ میں آجاتے ہیں اور ان کی تفصیل پہلے گزر گئی ہے، دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جس ذات کے یہ تعارفی نمونے ہیں اور جس کے یہ احسانات ہیں وہی لائق بندگی ہے اور بس۔ اس کے سوا اور کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ	اور اس کی نشانیوں میں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	سے آسمانوں اور زمین کا
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ	پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں
وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ	اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے
فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝	بے شک اس میں علم والوں
وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ	کے لیے نشانیاں ہیں اور
بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ	اس کی نشانیوں میں سے تمہارا
وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ	رات اور دن میں سونا اور
فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ	اس کے فضل کا تلاش کرنا
لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝	ہے بے شک اس میں سننے
(سورۃ الروم آیت ۲۲-۲۳)	والوں کے لیے نشانیاں ہیں

تحقیق بعض الفاظ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ تا لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝

اٰيٰتِهٖ، اٰيَةٌ کی جمع ہے بمعنی نشانی۔ خَلْقٌ مصدر ہے بمعنی پیدا کرنا۔ سَمٰوٰتٌ سَمَآءٌ کی جمع ہے بمعنی بلندی۔ اَلْسِنَةٌ لِسَانٌ کی جمع ہے بمعنی زبان۔ اَلْوَانٌ لَوْنٌ کی جمع ہے بمعنی رنگ عَالِمِيْنَ، عَالِمٌ کی جمع ہے بمعنی جاننے والا۔

تفسیر

چار عقلی دلائل کی

یہ سورۃ الروم کی آیت نمبر بائیس ہے۔ اس میں ایک تو عقیدۂ توحید پر چار عقلی دلائل ہیں۔ اور دوسرا اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے پس پہلے کے باون دلائل کو شامل کر کے کل چھپن بنتے ہیں۔ اور یہ عقلی دلائل اس طرح ہیں کہ یہ بڑے بڑے اور اُونچے اُونچے آسمان، سیّارات اور زمین اور انسانوں کے یہ مختلف رنگ اور زبانیں خود تو نہیں بن گئے بلکہ انہیں بنانے والا کوئی بہت بڑا کاریگر اور ماہر ہے۔ اسی کو ہم اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ان کے بنانے میں اس کا کوئی شریک بھی نہیں ہے کیونکہ اس نے خود یہاں فرمایا ہے کہ یہ چیزیں میری آیات میں سے ہیں۔ اور اس کا اگر کوئی شریک ہوتا تو وہ بتا دیتا کہ فلاں بھی اس سلسلہ میں شریک ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس میں نشانیاں ہیں۔ عَالِمِيْنَ کے لیے اور یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ عَالِمِيْنَ، عَالِمٌ کی جمع ہے اور عَالِمٌ علم سے بنا ہے اور علم کا معنی ہے ادراکُ الشَّیءِ بحقیقتہٖ یعنی

کسی شئے کی حقیقت کو جاننا ۔ اور یہ علم پھر من وجہ دو قسم کا ہے ۔ نظری اور عملی (راغب)

اور یہاں مراد علم نظری ہے ۔ یعنی جو لوگ آسمانوں میں سیارات ہیں اور زمین میں اور اسی طرح انسان کی مختلف رنگتوں میں اور اس کی مختلف زبانوں میں غور و فکر کرتے ہیں انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ فی الواقع یہ نظام کسی بہت بڑے ماہر کا قائم کردہ ہے ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کارخانۂ قدرت کے سب سے ماہر اور اس میں غور و فکر کرنے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ عالی نقل کیا جاتا ہے جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ انسانوں میں یہ مختلف رنگت کیوں ہوتی ہے ؟ اس کا طریقۂ کار کیا ہے ؟ اور یہ کس طرح اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ؟ اور کس طرح اس کا تعارفی نمونہ ہے ۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی	ابو موسیٰ رضؓ نے فرمایا کہ میں
قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ	نے جناب رسول اللہ (صلی اللہ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم) کو فرماتے ہوئے
یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ	سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
اٰدَمَ مِنْ قَبْضَۃٍ	آدم (علیہ السّلام) کو مٹی کی
قَبَضَھَا مِنْ جَمِیْعِ	ایک مٹھی سے پیدا فرمایا ہے
الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ اٰدَمَ	جو اس نے تمام زمین سے
عَلٰی قَدْرِ الْاَرْضِ	جمع کی تھی ۔ پھر اولادِ آدم
مِنْھُمُ الْاَحْمَرُ	اسی کے انداز پر پیدا ہوئی ہے
وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ	کہ بعض سُرخ ، سفید ، کالے

وَ بَیْنَ ذٰلِکَ	اور درمیانے اور بعض سخت خو
وَالسَّھْلُ وَالْحُزْنُ وَالْخَبِیْثُ	اور بعض نرم خو اور بعض
وَالطَّیِّبُ (مشکوٰۃ	رذیل اخلاق والے۔ اور
بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد)	بعض پاکیزہ اخلاق والے۔

تشریح

یہ حدیث سورۃ الروم کی آیت ۲۲ کی تفسیر ہے۔ اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی ہے کہ بنی آدم کے یہ مختلف رنگ مٹی کی وجہ سے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے اور مزاج بھی اسی وجہ سے ہیں۔ لیکن اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مختلف مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ بعد والی نسل کا مختلف مٹی سے پیدا ہونا معلوم نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بظاہر اگرچہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مختلف قسم کی مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ اور اس مٹی کی وجہ سے اولاد میں رنگتوں کا اختلاف ہوگیا۔ لیکن بعد والی نسل بھی تو مٹی ہی سے پیدا فرمائی ہے۔ کیونکہ انسان مادہ منویہ سے پیدا ہوتا ہے اور مادہ منویہ مٹی سے پیدا شدہ مختلف غذاؤں کا نچوڑ ہے۔ پس جب غذاؤں کا رنگ مختلف ہے تو اس سے پیدا شدہ نسل کی رنگت بھی یقیناً مختلف ہی ہوگی۔ پس یہ انسان مختلف رنگتوں کا قدرت کا ایک عجیب شاہکار ہے۔ کیونکہ ایک صورت کے مادہ کو مختلف مراحل، مختلف ادوار سے گزارنے کے بعد اور مختلف مادیات سے ملانے کے بعد پھر اس کی بعینہٖ پہلی سی صورت بنادینا یہ اس کا کام ہے۔ اور پھر

مزاج بھی مٹی جیسا ہی ہے یعنی اگر مٹی سخت ہے تو اس سے پیدا ہونے والی نسل بھی سخت ہے۔ اور اگر مٹی نرم ہے تو اس سے پیدا ہونے والی نسل بھی نرم ہے وغیرہ ذالک۔ اور یہی حال ہے زبان کا بھی۔ یعنی جن کی پیدائشی مٹی سخت ہے تو ان کی زبان بھی سخت ہے اور جن کی پیدائشی مٹی نرم ہے تو اس کی زبان بھی نرم ہے۔ اور جن کی مٹی درمیانی ہے ان کی زبان بھی درمیانی ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے۔ ان میں سے آسمانوں اور زمین کا نعمت ہونا تو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہاں صرف زبان اور رنگ کا نعمت ہونا عرض کرنا ہے۔ زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ زبان سے ہی انسان جانوروں، حیوانات اور چرند و پرند سے ممتاز ہے اسی سے انسان اظہار ما فی الضمیر کرتا ہے اور اسی سے اس کے علمی فضائل اور کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح رنگ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت اور احسان ہے کیونکہ اس سے بھی انسان بہت سی مخلوقات سے فائق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کو سب سے عمدہ اور اچھی پیدائش میں بنایا ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کالا رنگ بھی اچھا ہے کیونکہ بنانے والا خود یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے انسان کو اچھی پیدائش میں بنایا ہے اور اس نے تو کالا بھی بنایا ہے اور گورا بھی بنایا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے جس طرح گورا رنگ اچھا لگتا ہے کالا بھی اچھا لگتا ہے۔ یہ انسانوں کی غلطی ہے کہ انہوں نے گورے رنگ کو بہتری اور فوقیت کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ ؎

گل ہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن　　اے ذوق اس جہاں کو زیب اختلاف سے

تحقیق بعض الفاظ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ تا يَسْمَعُوْنَ ٥

مَنَامُ مصدر ہے معنی سونا۔ اِبْتِغَآءٌ مصدر ہے معنی تلاش کرنا۔ فضل مصدر ہے معنی بچی ہوئی چیز۔ انعامات خداوندی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ يَسْمَعُوْنَ مضارع کا صیغہ ہے سَمِعَ سے بنا ہے معنی سننا۔

دو عقلی دلائل کی تفسیر

یہ سورۃ الروم کی آیت نمبر تیئس ہے۔ اس میں عقیدہ توحید پر دو عقلی دلائل ہیں۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں۔ پس پہلے کے چھپن دلائل شامل کر کے کل اٹھاون ہو جاتے ہیں۔

عقلی دلائل تو اس طرح ہیں کہ مثلاً پہلے نیند کا ذکر ہے۔ اس میں غور کرنا ہے کہ نیند کیا چیز ہے۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ انسان کے اندر کے بخارات کی رطوبات جب دماغی اعصاب تک پہنچتی ہیں تو اس سے وہ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو پھر انسان سو جاتا ہے۔ تو پھر اس نیند کے بعد ان میں پھر وہی توانائی آجاتی ہے۔ پس انسان کے اندر یہ قوت پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ انسان اپنے اندر یہ قوت پیدا نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اطباء اور ڈاکٹروں نے کچھ ادویات ضرور ایجاد کی ہیں جن سے گاہے بگاہے فائدہ پہنچتا ہے مگر کبھی فائدہ نہیں بھی ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوت پیدا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ صرف اسی خدائے لم یزل

کی کارستانی ہے جس کے دست قدرت میں پورے نظامِ عالم کی باگ ڈور ہے
اور دوسری عقلی دلیل اِبْتِغَاءُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ ہے۔ اور یہ عقلی
دلیل ہے اس طرح کہ روزی تلاش کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت واضح ہوگی
کیونکہ انسان اسباب کو جتنا کریدے گا اور جتنا ان کی تہ تک پہنچنے کی کوشش
کریگا۔ اس سے اتنے ہی زیادہ روزی کے نئے نئے اسباب پیدا ہوں گے
اور اس سے واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے
اور اس نے انسان کے لیے روزی کے بے شمار اسباب پیدا کئے ہیں۔
انسان کو صرف پردے اٹھانے کی ضرورت ہے اور یہ جو تہہ بہ تہہ روزی
کے اسباب ہیں۔ ان میں تھوڑا سا غور کرنے سے خود بخود معلوم ہو جائیگا
کہ یہ اسباب نہ تو خود بخود پیدا ہوئے ہیں اور نہ ہی ان کو کوئی اور پیدا کر سکتا
ہے۔ یہ صرف اسی اللہ تعالیٰ کی کارگزاری ہے کہ جو ازل سے ہے اور تا ازل
رہے گا۔ اور یہ دونوں (نیند اور ابتغاء فضل) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں۔
نیند کا نعمت ہونا تو ہر ایک جانتا ہے کہ اس پر انسانی صحت کا دارومدار
ہے۔ اگر نیند نہ آئے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے اور پھر زندگی خطرے
میں پڑ جاتی ہے۔ فضل خداوندی کا نعمت ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ اسی
پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ اگر روزی نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا
لہٰذا یہ دونوں عقلی دلائل بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ	اس کی نشانیوں میں سے
الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا	یہ ہے کہ تمہیں خوف اور
وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ	امید دلانے کو بجلی دکھاتا ہے
مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ	اور اوپر سے پانی برساتا
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ	ہے پھر اس سے زمین کو
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	خشک ہو جانے کے بعد
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ	زندہ کرتا ہے بیشک اس
يَّعْقِلُوْنَ ۝	میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں
وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ	ہیں۔ اور اس کی نشانیوں
تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ	میں سے یہ ہے کہ آسمان
بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا	اور زمین اس کے حکم سے
دَعَاكُمْ دَعْوَةً	قائم ہیں پھر جب تمہیں پکار
مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ	کر زمین سے بلائے گا،
اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝	اچانک تم نکلو گے
اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ	اللہ وہ ہے جس نے تمہیں
ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ	پیدا کیا پھر تمہیں روزی
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ	دی پھر تمہیں مارے گا
هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ	پھر تمہیں زندہ کرے گا
مَّنْ يَّفْعَلُ	کیا تمہارے معبودوں میں
مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ	سے کبھی کوئی ایسا ہے جو
شَيْءٍ ؕ	ان کاموں میں سے کچھ بھی

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی کر سکے وہ پاک ہے اور
عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝ ان کے شریکوں سے بلند ہے
سورۃ الروم آیت ۲۵ تا ۲۰، ۲۴

تحقیق بعض الفاظ

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ تا یَعۡقِلُوۡنَ

اٰیٰت، اٰیَةٌ کی جمع ہے بمعنی نشانی۔ یُرِیۡ رُاٰیَةٌ سے بنا ہے معنی دیکھنا بَرۡقٌ مصدر ہے بمعنی چمکنا آسمانی بجلی کو بھی کہتے ہیں خوف مصدر ہے بمعنی ڈرنا یا ڈرانا۔ طَمَعًا مصدر ہے بمعنی امید۔ یُنَزِّلُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے تنزیل سے بنا ہے بمعنی اتارنا یُحۡیِیۡ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اِحۡیَاءٌ سے بنا ہے بمعنی زندہ کرنا۔ یَعۡقِلُوۡنَ جمع مضارع کا صیغہ ہے عقل سے بنا ہے بمعنی عقل مند۔

تین عقلی دلائل کی تفسیر

یہ سورہ الروم کی آیت نمبر چوبیس ہے۔ اس میں عقیدہ توحید پر عقلی دلائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے۔ عقلی دلائل تین ہیں - برق، تنزیل اسماء، احیاء زمین - ان میں سے بعد والی دو کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے۔ یہاں صرف پہلی (برق) کی تفصیل لکھنا مقصود ہے۔ پس اس طرح کل اکسٹھ دلائل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ برق اس طرح عقلی دلیل ہے کہ یہ لطیف مخلوق ہے اور بڑی طاقتور مخلوق ہے۔ اور یہ مخلوق آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی ہے۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ مخلوق خود بن گئی ہے ؟ تو ایک ذی عقل یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوگا کیونکہ جب ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز از سر خود نہیں بن سکتی بلکہ

اس کے بنانے کے لیے ایک ماہر کاریگر چاہیئے تو اتنی بڑی مخلوق جو آسمانوں اور زمین میں موجود ہے وہ از سرِ خود کیسے بن سکتی ہے؟ یقیناً وہ از سرِ خود نہیں بنی بلکہ اس بنانے والا بہت بڑا ماہر کاریگر ہے۔ اور اسی کو ہم اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس کے بنانے میں وہ اکیلا اور تنہا ہے جنات، فرشتوں اور انسانوں میں سے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ بجلی اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی ہے خواہ وہ آسمانی ہو یا زمینی۔ اس میں نقصان کا پہلو بھی موجود ہے۔ اس کے نعمت ہونے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ سب پر عیاں ہے کہ انسانی زندگی کا بیشتر حصّہ اس کی افادیت پر موقوف ہے اور اس کا نقصان بھی واضح ہے کیونکہ اس کے استعمال کے اصول ہیں۔ پس جو آدمی ان اصولوں کے تحت اس کو استعمال کرے گا تو اسے فائدہ ہوگا اور جو آدمی ان اصولوں کے خلاف اس بجلی کو استعمال کریگا تو اسے نقصان ہوگا۔ پس یہ بجلی اللہ تعالیٰ کا تعارفی نمونہ بھی ہے اور یہ اس کی ایک عظیم نعمت بھی ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ تَقُوْمَ تَا تَخْرُجُوْنَ ۝

تَقُوْمَ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ قِیَامٌ سے بنا ہے بمعنی کھڑا ہونا۔ دَعَا واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے دُعَاءٌ سے بنا ہے بمعنی پکارنا دَعْوَۃٌ مصدر ہے بمعنی پکارنا۔ تَخْرُجُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے خُرُوْجٌ سے بنا ہے بمعنی نکلنا۔

عقلی دلیل کی تفسیر

یہ سورۃ الروم کی آیت پچیس ہے ۔ اس میں تین چیزوں کا بیان ہے ایک تو عقیدہ توحید پر ایک عقلی دلیل ہے اور دوسرا اس میں عقیدہ قیامت کا بیان ہے اور تیسرا اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے ۔ عقلی دلیل تو اس طرح ہے کہ یہ آسمان اور زمین جو سوائے کسی آسرے اور سہارے کے کھڑے ہیں ۔ ذی عقل اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ یہ خود کھڑے ہوں ۔ کیونکہ ہم شب و روز یہ دیکھتے ہیں کہ خاک کا ایک ذرہ بھی فضا میں خود قائم نہیں رہ سکتا ۔ تو اتنی بڑی مخلوق از سر خود کس طرح قائم رہ سکتی ہے ؟ یقیناً قائم نہیں رہ سکتی ۔ پس معلوم ہوا کہ ان کو قائم رکھنے والی کوئی بہت بڑی طاقت ہے ۔ اسی کو ہم اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اور ان دونوں کو تھامنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک بھی نہیں ہے ۔ اگر اس کا کوئی اور شریک ہوتا تو ایک ان کو تھامتا اور دوسرا ان کو گراتا تو نتیجۃً یہ دونوں تباہ ہو جاتے ۔

پس یہ آیت عقیدۂ توحید پر باسٹھویں عقلی دلیل ہے اور اس آیت میں عقیدہ قیامت کا بیان ہے کیونکہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم فوراً نکلو گے ۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بیان بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر آسمان اور زمین کو نہ تھامے تو یہ گر جائیں ۔ تو پھر انسان بھی فنا ہو جائیگا ۔

پس معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کو تھامنا ۔ یہ عقیدہ توحید پر عقلی دلیل بھی ہے ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی ہے ۔

تحقیق بعض الفاظ

اَللّٰہُ الَّذِیۡ تا یُشۡرِکُوۡنَ ٥

خَلَقَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ خِلْقَۃٌ سے بنا ہے معنی پیدا کرنا رَزَقَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ رِزْقٌ سے بنا ہے۔ معنی رزق دینا یعنی ہر وہ چیز جس سے بدن کی نشو ونما ہو۔ یُمِیۡتُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِمَاتَۃٌ سے بنا ہے یعنی مارنا۔ شُرَکَاءُ شریک کی جمع ہے شِرْکَتٌ سے بنا ہے معنی شرکت کرنا۔ یَفْعَلُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے فِعْلٌ سے بنا ہے معنی کام کرنا۔ سُبْحَانَ مصدر ہے معنی پاک ہونا۔ تَعَالٰی واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ باب تفاعل سے ہے۔ عُلُوٌّ سے بنا ہے معنی بلند ہونا۔ یُشْرِکُوۡنَ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اِشْرَاکٌ سے بنا ہے معنی شریک بنانا۔

تفسیر

یہ سورۃ الروم کی آیت نمبر چالیس ہے۔ اس میں اس سے قبل عقیدۂ توحید پر جو عقلی دلائل بیان ہوئے ہیں ان کا نتیجہ بیان فرمایا ہے۔ یعنی ثابت ہو ہوگیا کہ ہر چیز کا خالق و رازق اللہ تعالیٰ ہے اور وہی موت اور زندگی دیتا ہے۔ لوگ جو انبیاءؑ اور اولیاءؒ، جنات اور فرشتوں کو خدا کا شریک مانتے ہیں۔ خدا ان سے پاک ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی خالق و رزّاق، موت اور زندگی دینے والا نہیں ہے۔ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝

(سورۃ فاطر آیت ۲۷-۲۸)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ پھر ہم اس کے ذریعہ سے پھل نکالتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں مختلف رنگتوں کے کچھ تو سفید اور کچھ سُرخ اور بہت سیاہ بھی ہیں اور اسی طرح آدمیوں اور زمین پر چلنے والے جانوروں اور چارپایوں کے بھی مختلف رنگ ہیں بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے عالم ہی ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ غالب بخشنے والا ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

أَلَمْ تَرَ أَنْزَلَ تا عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝

تَرَ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ رُؤْيَةٌ سے بنا ہے بمعنی دیکھنا۔ أَنْزَلَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے انزال

سے بنا ہے بمعنی اتارنا۔ سَمَاءِ اصل میں سَمَوٌ ہے۔ واؤ کو الف سے بدلا ہوا ہے تب سماء ہو گیا بمعنی بلندی۔ مَاءٌ اصل میں مَوہٌ ہے واؤ کو الف سے بدلا گیا ہے۔ اور ہ کو ہمزہ سے تب مَاءٌ ہو گیا اَخْرَجْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے۔ باب افعال سے ہے۔ اِخْرَاجٌ سے بنا ہے بمعنی نکالنا۔ ثَمَرَاتٌ، ثَمَرَةٌ کی جمع ہے بمعنی پھل۔ مُخْتَلِفًا واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اختلاف سے بنا ہے۔ اَلْوَانٌ، لَوْنٌ کی جمع ہے بمعنی رنگ۔ جِبَالٌ جَبَلٌ کی جمع ہے بمعنی پہاڑ۔ جُدَدٌ، جَدٌّ کی جمع ہے۔ پھل توڑنے کو بھی کہتے ہیں درد، اور بزرگ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور گھاٹی کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے۔ بِیْضٌ، بَیْضَةٌ کی جمع ہے انڈے کو بھی کہتے ہیں اور سفید چیز کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے۔ حُمْرٌ حُمْرَةٌ کی جمع ہے۔ بمعنی سرخ۔ غَرَابِیْبُ، غِرْبِیْبٌ کی جمع ہے سیاہی۔ سُوْدٌ، سَوَادٌ کی جمع ہے سیاہ۔ النَّاس اسم جمع ہے یعنی اس کا اطلاق قلیل وکثیر پر ہوتا ہے بمعنی لوگ۔ دَوَابّ، دَابَّةٌ کی جمع ہے۔ دَبٌّ سے بنا ہے بمعنی چارپائے۔ اَنْعَامٌ، نَعَمٌ کی جمع ہے بمعنی جانور۔ یَخْشٰی واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے خَشْیَةٌ سے بنا ہے بمعنی ڈرنا، عاجزی کرنا۔ عِبَادٌ، عَبْدٌ کی جمع ہے بمعنی بندہ عُلَمَاء عَالِمٌ کی جمع ہے۔ عِلْمٌ سے بنا ہے بمعنی جاننے والا عَزِیْزٌ، عِزَّةٌ سے بنا ہے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ معنی بڑا زبردست اور بڑی عزت والا ہے۔ غَفُوْرٌ، غَفْرٌ سے بنا ہے۔ غفران بھی استعمال ہے۔ یہ بھی صیغہ

ہے معنی بے حد بخشنے والا۔

۲ عقلی دلائل کی تفسیر

یہاں سورہ فاطر کی آیت ستائیس اور اٹھائیس نقل کی گئی ہیں۔ ان آیتوں میں عقیدۂ توحید میں عقلی دلائل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی ذکر ہے۔ انکی عقلی دلائل ہونے کی تفصیل اور نعمتیں ہونے کی تفصیل بھی پہلے بیان ہو چکی ہے۔ یہاں صرف ہر چیز کی مختلف رنگت کا عقلی دلیل ہونا اور نعمت ہونا عرض کرنا مقصود ہے۔

یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا مختلف رنگ جو ان کی مٹی اور خمیر کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ مٹی زمین کے مختلف حصّوں سے لی گئی تھی اور اس میں کالا رنگ بھی شامل تھا۔ سفید اور درمیانہ رنگ بھی تھا۔ مگر جانوروں کے بارے میں اور اسی طرح اناج اور پھل فروٹ کے بارے میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ ان کے لیے بھی زمین کے مختلف حصّوں سے مٹی جمع کی جاتی ہے اس لیے ان کا رنگ مختلف ہے پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ان کی رنگت مختلف ہوتی ہے۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی قدرت کی وہی کاریگری کارفرما ہے۔ کیونکہ یہ ہم بتا آئے ہیں کہ ہر چیز کی زندگی پانی سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ اور یہ بھی بتا آئے ہیں کہ پانی کا اصل ذخیرہ سمندر ہے مگر وہ ناقابلِ استعمال ہے اور اللہ تعالیٰ جَلَّ مجدہٗ پہلے ہواؤں کے ذریعہ سمندر سے بخارات اٹھاتے ہیں اور پھر ان سے بادل بناتے ہیں اور پھر ان بادلوں

سے کہیں برف اور کہیں بارش برساتے ہیں۔ اور پھر ندیوں، نالوں اور چشموں کے ذریعہ مختلف علاقہ جات اور سمتوں سے ہوتا ہوا اور مختلف قسم کی مٹی کو چھوتا ہوا وہ پانی جب کھیتوں کو لگتا ہے تب اس سے مختلف رنگت کے پھل، گھاس اور سبزیات پیدا ہوتی ہیں اور انہیں جانور اور پرندے جب کھاتے ہیں تو ان کا رنگ بھی مختلف ہوتا ہے اور یہ اسی خالقِ کائنات کا کام ہے، کوئی انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کو ہم اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں اس کا کوئی شریک بھی نہیں ہے

پس یہ عقیدہ توحید پر تریسٹھویں عقلی دلیل ہے اور یہ مختلف قسم کا رنگ جو پھلوں، سبزیات، اناج اور حیوانات میں ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کیونکہ انسان ایک قسم کی چیز کھا نہیں سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف رنگت کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں تاکہ ان میں جاذبیت پیدا ہو اور انسان اسے کھائے۔ اور یہ جو مختلف رنگ کی چیزیں ہیں ان کے فوائد بھی الگ الگ ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے رنگ الگ الگ رکھے ہیں۔ تاکہ انسان ان کو پہچان لے۔ چونکہ ان مختلف رنگوں میں غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طاقت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

اس لیے آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے علماء اس سے ڈرتے ہیں۔ علماء سے مراد ان مختلف نمونوں کا علم رکھنے والے اور عقیدہ توحید پر یقین رکھنے والے لوگ ہیں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ	کہہ دو کیا تم اس کا انکار
بِالَّذِیْ خَلَقَ	کرتے ہو جس نے دو
الْاَرْضَ فِیْ	دن میں زمین بنائی اور
یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ	تم اس کے لیے شریک
لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ	ٹھہراتے ہو وہی سب
رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝	جہانوں کا پروردگار ہے
وَ جَعَلَ فِیْهَا	اور اس نے زمین میں اوپر
رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا	سے پہاڑ رکھے اور اس
وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ	میں برکت دی اور چار
فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ	دن میں اس کی غذاؤں کا
اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ	اندازہ کیا (یہ جواب) پوچھنے
سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝	والوں کے لیے پورا ہے۔
ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى	پھر وہ آسمان کی طرف
السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ	متوجہ ہوا اور وہ دھواں
فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ	تھا پس اس کو اور زمین
ائْتِیَا طَوْعًا	کو فرمایا کہ خوشی سے آؤ
اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ	یا جبر سے دونوں نے کہا
اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝	کہ ہم خوشی سے آئے ہیں
فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ	پھر انہیں دو دن میں
سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ	سات آسمان بنا دیا اور
وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ	اس نے ہر ایک آسمان

سَمَآءٍ اَمْرَهَا ط	ہیں اس کا کام القا کیا اور
وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ	ہم نے پہلے آسمانوں کو
الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ق	چراغوں سے زینت دی اور
وَحِفْظًا ذٰلِكَ	حفاظت کے لیے بھی یہ
تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝	زبردست ہر چیز کے جاننے
	والے کا اندازہ ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

قُلْ واحد مذکر اور حاضر کا صیغہ ہے قول سے بنا ہے بمعنی کہنا۔ تَكْفُرُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے کفر سے بنا ہے بمعنی انکار کرنا۔ يَوْمَيْنِ تثنیہ کا صیغہ ہے اس کا واحد يَوْمٌ ہے بمعنی دن تَجْعَلُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا۔ اَنْدَادٌ، نِدٌّ کی جمع ہے بمعنی شریک۔ رَبٌّ مصدر ہے بمعنی اسم فاعل یا رَآبٌّ سے مخفف ہے یا رَبِيْبٌ سے مخفف ہے سب کا معنی تربیت کرنے والا۔ اَلْعٰلَمِيْنَ، عَالَمٌ کی جمع ہے بمعنی جہاں۔ رَوَاسِيَ، رَاسِيٌ کی جمع ہے بمعنی بلندی پہاڑ بٰرَكَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے بَرَكَةٌ سے بنا ہے بمعنی چیز کے حجم میں اضافہ کرنا۔ قَدَّرَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے تَقْدِيْرٌ سے بنا ہے بمعنی اندازہ لگانا۔ اَقْوَاتٌ، قُوْتٌ کی جمع ہے بمعنی غذا اَيَّامٌ يَوْمٌ کی جمع ہے بمعنی دن۔ سَوَآءٌ مصدر ہے بمعنی برابر سائلین سائل کی جمع ہے بمعنی سوال کرنے والا ہے۔ اِسْتَوٰى

واحد مذکر ماضی ہے اِسْتَوٰی سے بنا ہے بمعنی برابر۔ اَلسَّمَاء مصدر ہے سُمُوٌّ سے بنا ہے بلندی۔ دُخَانٌ واحد ہے بمعنی دھواں۔ اِئْتِیَا تثنیہ مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے اِتْیَانٌ سے بنا ہے۔ طَوْعًا مصدر ہے بمعنی خوشی۔ کَرْھًا مصدر ہے بمعنی مجبور۔ قَالَتَا تثنیہ مؤنث ماضی کا صیغہ ہے قَوْلٌ سے بنا ہے بمعنی کہنا۔ اَتَیْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے اِتْیَانٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ طَائِعِیْنَ جمع مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ طَائِعٌ کی جمع ہے طَوْعًا سے بنا ہے بمعنی خوشی۔ قَضٰی واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے قَضَاءٌ سے بنا ہے بمعنی فیصلہ کرنا۔ سَمٰوٰتٌ، سَمَاء کی جمع ہے بمعنی بلندی۔ اَوْحٰی واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے وَحْیٌ سے بنا ہے بمعنی اشارہ کرنا۔ زَیَّنَّا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے تَزْیِیْنٌ سے بنا ہے بمعنی خوبصورت بنانا۔ اَلدُّنْیَا واحد مؤنث اسم تفضیل کا صیغہ ہے دُنُوٌّ سے بنا ہے بمعنی قریب ہونا۔ مَصَابِیْحَ مِصْبَاحٌ کی جمع ہے اسم آلہ کا صیغہ ہے بمعنی روشنی کا آلہ، چراغ حِفْظًا مصدر ہے بمعنی حفاظت کرنا۔ تَقْدِیْرًا مصدر ہے بمعنی اندازہ لگانا۔

عقلی دلیل کی تفسیر

یہاں سورۃ حٰمٓ السجدہ کی آیت نوتا بارہ نقل کی گئی ہیں۔ ان آیتوں میں عقیدہ توحید پر بہت بڑی عقلی دلیل بیان فرمائی ہے اور پہلے دلائل کو شامل کر کے کل چونسٹھ دلائل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے یہ اتنا بڑا زمین و آسمان کا نظام چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے اس سے پہلے اتنا ذکر تو آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ چھ دنوں میں پیدا کیا ہے مگر یہ تفصیل نہیں آئی تھی کہ پہلے کیا کیا چیزیں بنائی ہیں؟ اور بعد میں کیا کیا چیزیں بنائی ہیں؟ اور یہاں تفصیل بیان فرمادی ہے کہ پہلے دو دنوں میں زمین بنائی ہے اور اس کے بعد دو دنوں میں پہاڑ اور اس زمین میں اناج، سبزیات وغیرہ پیدا فرمائی ہیں اور اس کے بعد دو دنوں میں سات آسمان اور ان کے اندر کا نظام قائم فرمایا ہے۔ مگر ان آیات میں ابھی تک اجمال باقی ہے کیونکہ یہ نہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کس دن سے یہ کام شروع کیا تھا؟ اور کس دن میں اس کو ختم کیا تھا؟ اس کے متعلق مندرجہ ذیل تحقیق مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف معارف القرآن میں جو نقل کی ہے وہ ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔ انشاء اللہ العزیز یہ تحقیق باعثِ بصیرت ہوگی۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

سورۃ البقرہ کی ان آیات میں ایام تخلیق کی تعیین اور تفصیل کا ذکر نہیں سورۃ حٰم السجدۃ کی ان آیات میں اس کا بھی ذکر ہے۔

آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب اور ایام تخلیق کی تعیین

بیان القرآن میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا۔ یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔ ایک یہ آیت حٰمٓ سجدہ کی اور دوسری سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت، تیسری سورۂ نازعات کی یہ آیات

ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا

اور سرسری نظر میں ان سب مضامین میں کچھ اختلاف سا بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ سورۂ بقرہ اور سورۂ حٰم سجدہ کی آیت سے زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورۂ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس بظاہر زمین کی تخلیق آسمان کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اوّل زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سیالہ کے سات آسمان بنا دیئے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی۔ آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضؓ سے اسی آیت کے تحت میں چند سوالات وجوابات مذکورہ ہیں۔ ان میں اس آیت کی جو تشریح حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمائی وہ تقریباً یہی ہے۔ جو حضرت رحؒ نے تطبیق آیات کے لیے بیان فرمائی ہے۔ اس کے الفاظ جو ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت میں نقل کئے ہیں یہ ہیں :۔

وخلق الارض فی یومین ثم خلق السماء ثم استوٰی الی السماء فسوّٰھن فی یومین اٰخرین ثم دحی الارض ودحیھا ان اخرج منھا الماء والمرعٰی وخلق الجبال والرمال والجماد والآکام وما بینھما فی یومین اٰخرین فذٰلک قولہ تعالٰی دحاھا۔

اور حافظ ابن کثیرؒ نے بحوالہ ابن جریر حضرت ابن عباس رضؓ سے آیت حٰمٓ سجدہ کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ :۔

یہود مدینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا، اور پہاڑ اور اس میں جو کچھ معدنیات وغیرہ ہیں ان کو منگل کے روز، اور درخت اور پانی کے چشمے اور شہر اور عمارتیں اور ویران میدان بدھ کے روز، یہ کل چار روز ہوگئے، جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

(ءَاِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ

يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ط ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا
وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً
لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝) یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس تخلیق کا سوال کریں
پھر فرمایا اور جمعرات کے روز آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے
اور شمس وقمر اور فرشتے یہ سب کام جمعہ کے دن میں تین ساعت
باقی تھیں جب پورے ہوئے۔ ان میں سے دوسری ساعت میں
آفات ومصائب جو ہر چیز پر آنے والی ہیں وہ پیدا فرمائی ہیں، اور
تیسری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کو جنت میں
ٹھیرایا اور ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا اور سجدہ کرنے سے انکار کرنے
پر جنت سے نکال دیا گیا۔ یہ سب تیسری ساعت کے ختم تک ہوا
(الحدیث بطولہ۔ ابن کثیر)

ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا، هٰذَا الحدیث فیه غرابة۔

اور صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے جس میں تخلیق عالم کی ابتدار یوم السبت یعنی ہفتہ کے روز سے بتلائی گئی ہے اس کے حساب سے آسمان وزمین کی تخلیق کا سات روز میں ہونا معلوم ہوتا ہے مگر عام نصوص قرآن میں یہ تخلیق چھ روز میں ہونا صراحۃً مذکور ہے۔
وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ یعنی ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے اس کو چھ دن میں اور ہمیں کوئی تکان پیش نہیں آیا۔

اس لیے نیز اس کی سند کے اعتبار سے بھی اکابر محدثین نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کو بحوالہ مسلم و نسائی نقل کر کے فرمایا وھو من غرائب الصحیح المسلم فی زاد المسیر لابن جوزی یعنی یہ حدیث صحیح مسلم کے عجائب میں سے ہے اور پھر فرمایا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں اس روایت کو معلول قرار دیا ہے، اور بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے بروایت کعب احبار نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں اور فرمایا کہ یہی اصح ہے" (ابن کثیر ص ۹۴ ج ۴)۔ اسی طرح ابن مدینی اور بیہقی وغیرہ حفاظ حدیث نے بھی اس کو کعب احبار کا قول قرار دیا ہے (حاشیہ زاد المسیر لابن الجوزی ص ۲۷۳ ج ۷)۔

پہلی روایت جو ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے ابن کثیر کے مطابق اس میں بھی غرابت ہے ایک وجہ غرابت کی یہ بھی ہے کہ اس روایت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق کے ساتھ آخری دن جمعہ کی آخری ساعت میں، اور اسی ساعت میں حکم اور ابلیس کا جنت سے اخراج مذکور ہے۔

حالانکہ متعدد آیات قرآنی میں جو قصہ تخلیق آدم علیہ السلام کا اور حکم سجدہ اور اخراج ابلیس مذکور ہے۔ اس کے سیاق سے بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ تخلیق ارض و سماء سے بہت زمانہ بعد ہوا ہے جب کہ زمین میں اس کی تمام ضروریات مکمل ہو چکیں اور جنات و شیاطین یہاں بسنے لگے اس کے بعد فرمایا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔

(کذا قال فی المظہری)

خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق ارض و سماء کے اوقات اور دن اوران میں ترتیب

جن روایاتِ حدیث میں آئی ہے اُن میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کو قرآن کی طرح قطعی یقینی کہا جا سکے، بلکہ یہ احتمال غالب ہے کہ یہ اسرائیلی روایات ہوں مرفوع احادیث نہ ہوں جیسا کہ ابن کثیرؒ نے مسلم، نسائی کی حدیث کے متعلق اس کی تصریح فرمائی ہے اس لیے آیاتِ قرآنی ہی کو اصل قرار دیکر مقصود متعین کرنا چاہیئے۔ اور آیاتِ قرآنی کو جمع کرنے سے ایک بات تو یہ قطعی معلوم ہوئی کہ آسمان و زمین اور ان کے اندر کی تمام چیزیں صرف چھ دن میں پیدا ہوئی ہیں۔ دوسری بات سورۂ حٰمٓ سجدہ کی آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ زمین اور اس کے پہاڑ درخت وغیرہ کی تخلیق میں پورے چار دن لگے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آسمانوں کی تخلیق میں صرف دو دن صرف ہوئے۔ جس میں پورے دو دن ہونے کی تصریح نہیں بلکہ کچھ اشارہ اس طرف ملتا ہے کہ یہ دو دن پورے خرچ نہیں ہوئے۔ آخری دن جمعہ کا کچھ حصہ بچ گیا۔ اِن آیات کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھ دن میں سے پہلے چار دن زمین پر اور باقی دو دن آسمانوں کی تخلیق میں صرف ہوئے اور زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی۔ مگر سورۂ نازعات کی آیت میں زمین کے پھیلانے اور مکمل کرنے کو صراحتہً تخلیق آسمان کے بعد فرمایا ہے۔ اس لیے وہ صورت کچھ بعید نہیں جو اوپر بحوالہ بیان القرآن بیان ہوئی ہے کہ زمین کی تخلیق دو حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے دو دن میں زمین اور اس کے اوپر پہاڑوں وغیرہ کا مادہ تیار کر دیا گیا۔ اس کے بعد دو دن میں سات آسمان بنائے، اس کے بعد دو دن میں زمین کا پھیلاؤ اور اس کے اندر جو کچھ پہاڑ، درخت، نہریں، چشمے وغیرہ بنائے تھے ان کی تکمیل ہوئی۔ اس طرح تخلیق زمین کے چار دن متصل نہیں رہے اور آیت حٰمٓ سجدہ

میں جو ترتیب بیان یہ رکھی گئی کہ پہلے زمین کو دو دن میں پیدا کرنے کا ذکر فرمایا
خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ ۔ اس کے بعد مشرکین کو تنبیہ کی گئی پھر
الگ کر کے فرمایا ۔ (وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ
فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ) اس میں اس
پر تو سبھی مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ اربعۃ ایام اُن پہلے دو دنوں کو شامل کر کے
ہیں ۔ اس سے الگ چار دن نہیں ۔ ورنہ مجموعہ آٹھ دن ہو جائے گا جو تصریح
قرآنی کے خلاف ہے ۔

اب یہاں غور کرنے سے بظاہر مقتضیٰ مقام کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ خَلَقَ
الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ فرمانے کے بعد پہاڑوں وغیرہ کی تخلیق کو بھی فِیْ
یَوْمَیْنِ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تو اس کا مجموعہ چار دن ہونا خود بخود معلوم
ہو جاتا مگر قرآن کریم نے عنوان تعبیر اس کے بجائے یہ رکھا کہ زمین کی تخلیقات
میں سے باقی ماندہ کو ذکر کر کے فرمایا کہ یہ کل چار دن ہوئے ۔ اس سے بظاہر
اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ یہ چار دن متواتر اور مسلسل نہیں تھے بلکہ دو حصوں
میں منقسم تھے ۔ دو دن تخلیق سماوات سے پہلے دو دن اُس کے بعد اور
آیت مذکورہ میں جو خَلَقَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا الخ کا ذکر ہے
یہ آسمانوں کی تخلیق کے بعد کا بیان ہے ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا ۔ زمین میں پہاڑ اس کے
توازن کو درست رکھنے کے لیے پیدا کئے گئے تھے جیسا کہ متعدد آیات قرآن
میں اس کی تصریح آئی ہے ۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ ان پہاڑوں
کو زمین کی سطح کے اوپر بلند و بالا کر کے رکھا جائے زمین کے اندر بھی رکھے
جا سکتے تھے ۔ مگر اوپر رکھنے اور ان کی بلندی کو عام انسانوں، جانوروں کی

رسائی سے دور رکھنے میں زمین کے بسنے والوں کے لیے ہزاروں بلکہ بیشمار فوائد تھے ۔ اس لیے اس آیت میں مِنْ فَوْقِهَا کے لفظ سے اس خاص نعمت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ۔

وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ ۔ اقوات قوت کی جمع ہے جس کے معنی میں رزق اور روزی جس میں عام ضروریات انسانی داخل ہیں ۔ لما قال ابو عبید ؒ (زاد المسیر لابن جوزی)

اور حضرت حسن اور سدی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے زمین کے ہر حصّہ میں اس کے بسنے رہنے والوں کی مصالح کے مناسب رزق اور روزی مقدر فرما دی ۔ مقدر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جاری کر دیا کہ اس حصّہ زمین میں فلاں فلاں چیزیں اتنی اتنی مقدار سے پیدا ہو جائیں ۔ اسی تقدیر الٰہی سے ہر حصّہ زمین کی کچھ خصوصیات ہو گئیں ، ہر جگہ مختلف قسم کی معدنیات اور مختلف اقسام کی نباتات اور درخت اور جانور اس خطّہ کی ضروریات ان کے مزاج و مرغوبات کے مطابق پیدا فرما دیئے ۔

اسی سے ہر خطہ کی مصنوعات و ملبوسات مختلف ہوتی ہیں ، یمن میں عصب سابور میں سابوری ، رے میں طیالسہ ۔ کسی خطہ میں گندم ، کسی میں چاول اور دوسرے غلات ، کسی جگہ میں روئی ، کسی میں جوٹ ، کسی میں سیب انگور اور کسی میں آم ، اس اختلاف اشیاء میں ہر خطہ کے مزاجوں کی مناسبت بھی ہے اور عکرمہ اور ضحاک کے قول کے مطابق یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب خطوں اور ملکوں میں باہمی تجارت اور تعاون کی راہیں کھلیں ۔ کوئی خطہ دوسرے خطہ سے مستغنی نہ ہو ۔ باہمی احتیاج پر باہمی تعاون کی مضبوط تعمیر ہو سکتی ہے ۔

عکرمہ نے فرمایا کہ بعض خطوں میں نمک کو سونے کے برابر تول کر فروخت کیا جاتا ہے۔

گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے تمام انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گدام بنا دیا ہے۔ جس میں قیامت تک آنے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھ دی ہیں، وہ زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسب ضرورت قیامت تک نکلتی رہیں گی۔ انسان کا کام صرف یہ رہ گیا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔ آگے آیت میں فرمایا۔ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ۔ اس جملہ کا تعلق اکثر حضرات مفسرین نے اربعۃ ایّام کے ساتھ قرار دیا ہے۔ معنی یہ ہیں یہ سب تخلیقاتِ عظیمہ ٹھیک چار دن میں ہوئی ہیں۔ اور چونکہ عرف میں جس کو چار کہہ دیا جاتا ہے وہ کبھی چار سے کچھ کم کبھی کچھ زیادہ بھی ہوتا ہے مگر کسر کو حذف کر کے اس کو چار ہی کہہ دیتے ہیں۔ آیت میں اس جگہ لفظ سَوَآءً بڑھا کر اس احتمال کو قطع کر کے یہ بتلا دیا کہ یہ کام پورے چار دن میں ٹھیک ہوا ہے اور لِلسَّآئِلِیْنَ فرمانے کے معنے یہ ہیں کہ جو لوگ آسمان زمین کی تخلیق کے متعلق آپ سے سوالات کر رہے ہیں جیسا کہ یہود کا سوال کرنا تفسیر ابن جریر اور درمنثور میں منقول ہے ان سوالات کرنے والوں کو یہ بتلا دیا گیا ہے کہ یہ سب تخلیق ٹھیک چار دن میں ہوئی ہے۔

(ابن کثیر، قرطبی، روح)

اور بعض مفسرین ابن زید وغیرہ نے لِلسَّآئِلِیْنَ کا تعلق جملہ قَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا کے ساتھ قرار دیا گیا ہے اور سائلین کے معنی طالبین

ومحتاجین کے لیے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ نے جو مختلف اجناس واقسام کی اقوات وضروریات پیدا فرمائی ہیں۔ یہ اُن کے فائدے کے لیے ہیں جو ان کے طالب اور حاجتمند ہیں اور چونکہ طالب و محتاج عادتاً سوال کیا کرتا ہے اس لیے اس کو سائلین کے لفظ سے تعبیر کر دیا۔

(بحر محیط)

اور ابن کثیر نے اس تفسیر کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا۔ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ سب چیزیں عطا فرمائیں جو تم نے مانگیں اور یہاں بھی مانگنے سے مراد اُن کا حاجتمند ہونا ہے۔ سوال کرنا شرط نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ نے یہ چیزیں مانگنے والوں کو بھی عطا فرمائی ہیں۔

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ۔ یہ آسمان و زمین کو خطاب کر کے حکم دینا اور اُن کا اطاعت و فرمانبرداری سے جواب دینا بعض مفسرین کے نزدیک مجاز ہے کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہر کام کے لیے تیار پائے گئے مگر ابن عطیہ اور دوسرے محققین ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس میں کوئی مجاز نہیں۔ سب اپنی حقیقت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین میں شعور و ادراک خطاب کے سمجھنے کا بھی پیدا فرما دیا تھا اور ان کی گویائی کی طاقت بھی جواب دینے کے لیے عطا فرما دی تھی۔ تفسیر بحر محیط میں اس کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہی تفسیر احسن اور بہتر ہے۔

ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے بعض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ زمین کی طرف سے یہ جواب اس حصّہ زمین نے دیا تھا جس پر بیت اللہ کی تعمیر ہوئی

اور آسمان کے اس حصہ نے جو بیت اللہ کے بالمقابل ہے (جس کو بیت المعمور کہا جاتا ہے)

تَبٰرَكَ الَّذِیْ	وہ ذات بابرکت ہے جس
بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ	کے ہاتھ میں سب حکومت
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ	ہے اور وہ ہر چیز پر
قَدِیْرُ ۝ الَّذِیْ	قادر ہے جس نے
خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ	موت اور زندگی کو پیدا
لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ	کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ
عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ	تم میں کس کے کام اچھے
الْغَفُوْرُ ۝	ہیں اور وہ غالب بخشنے
	والا ہے
الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	جس نے سات آسمان اوپر
طِبَاقًا ط مَا تَرٰی	تلے بنائے تو رحمان کی اس
فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ	صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے
تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ	گا تو پھر نگاہ دوڑا کیا تجھے
هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝	کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے۔
ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ	پھر دوبارہ نگاہ کر تیری طرف

كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ	نگاہ ناکام لوٹ آئے گی
الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ	اور وہ تھکی ہوئی ہوگی
حَسِيْرٌ ○ وَلَقَدْ	اور ہم نے
زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا	دنیا کے آسمان کو چراغوں
بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا	سے آراستہ کیا ہے اور ہم
رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ	نے انہیں شیطان کے مارنے
وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ	کے لیے آلہ بنا دیا ہے اور
السَّعِيْرِ ○	ہم نے ان کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے

تحقیق لبعض الفاظ

تَبَارَكَ الَّذِيْ تا عَذَابَ السَّعِيْرِ ○

يَبْلُوَ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے بَلَاءٌ سے بنا ہے بمعنی آزمانا۔ اَحْسَنُ واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے حُسْنٌ سے بنا ہے بمعنی خوبصورت۔ طِبَاقٌ مصدر ہے معنی برابر تہہ بہ تہہ۔ تَفَاوُتٌ مصدر ہے باب تفاعل سے اس کا معنی ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہونا اِرْجِعْ واحد مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے رَجْعٌ سے بنا ہے بمعنی لوٹنا۔ فُطُوْرٌ فَطْرٌ کی جمع ہے بمعنی شگاف۔ كَرَّتَيْنِ، كَرَّةٌ کی تثنیہ ہے بمعنی دوبارہ يَنْقَلِبْ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے انقلاب سے بنا ہے بمعنی لوٹنا۔ بَصَرٌ واحد ہے بمعنی بینائی۔ خَاسِئًا واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ خَسْئًا سے بنا ہے بمعنی تھکی ہوئی اور دھتکاری ہوئی چیز۔ حَسِيْرٌ

حَسْرٌ سے بنا ہے بمعنی عاجز آنے والی چیز اور تھکی ہوئی چیز۔ رُجُوْمٌ رَجْمٌ سے بنا ہے بمعنی آلات سنگساری۔ شَیَاطِیْنَ شَیْطَانٌ کی جمع ہے۔ شَطَنٌ یا شَیْطَنَۃٌ سے بنا ہے بمعنی مخالفت کرنا، سرکشی کرنا۔ اَعْتَدْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے۔ اِعْتِدَادٌ سے بنا ہے بمعنی تیار کرنا۔ سَعِیْرٌ سَعْرٌ سے بنا ہے بمعنی آگ بھڑکانا۔

عقلی دلیل کی تفسیر

یہاں اس بحث میں سورۃ الملک کی آیت ایک سے لے کر پانچ تک نقل کی گئی ہیں۔ ان سب کی تفسیر پہلے تحریر ہو چکی ہے۔ یہاں ایک خاص چیز کا بیان ہے اس کی خاطر یہ مضامین پھر سے نقل کئے گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کا یہ جو نظام قائم فرمایا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انسان کو بار بار غور کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تو خوب غور سے دیکھ۔ کیا تجھے اس نظام میں کوئی فطور اور خلل نظر آتا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ تو غور غور کرتے کرتے تھک جائے گا مگر تجھے اس میں کوئی خامی نظر نہیں آسکے گی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی چیز میں نقص اور خرابی وہ بتا سکتا ہے جو اس کے حقائق، خاصیات اور جزئیات کی تہہ تک پہنچا ہوا ہو اور انسان تو اس اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی ایک چیز کی تہہ تک پہنچنا تو کجا اس کے فوائد کے عشر عشیر تک بھی نہیں پہنچ سکا تو یہ اس کے اندر کے نقائص کیا بتائے گا؟ اور ہر آنے والا نئے سے نیا دور یہ بتا رہا ہے کہ انسان قدرت کے نمونوں کے سامنے عاجز اور بے بس ہے اور بے ساختہ اسے کہنا پڑتا ہے کہ تبارک اللہ رب العٰلمین۔

سوال:

یہاں سے ایک سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ قرآن مجید تو یہ بیانگ دہل بتا رہا ہے کہ قدرت کی پیدا کی ہوئی کسی چیز میں عیب نہیں ہے اسی لیے تو یہاں چیلنج فرمایا ہے حالانکہ بہت سی چیزوں میں عیوب نظر آتے ہیں جیسا کہ بعض آدمی نابینا ہوتے ہیں اور بعض لنگڑے اور اپاہج قسم کے بھی ہوتے ہیں۔ پھر یہ چیلنج کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے اغراض و مقاصد اور اسکی اچھائیاں اور خوبیاں بنانے والا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہر آدمی نہیں جانتا مگر بوقت ضرورت پتہ چلتا ہے کہ اس میں کوئی اچھائی ہے یا نہیں۔ نابینا، لنگڑا، اپاہج اور اسی طرح بعض دیگر چیزوں میں ہمیں جو نقائص نظر آتے ہیں۔ یہ دراصل حکمت خداوندی سے ناواقفی اور بے خبری کی بنا پر نظر آتے ہیں اور وقت آنے پر قدرت اپنے راز جب خود کھولتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ فی الواقع ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ جیسا کہ ایک آدمی اپنے باغ میں پودہ جات لگاتا ہے اور ان کی اچھی طرح خدمت اور آبیاری کرتا ہے۔ اور جب وہ پودے بڑھتے ہیں، جوان ہوتے ہیں تو پھر ان میں سے بعض کو کاٹتا اور تراشتا رہتا ہے اب وہ آدمی جو پورے باغ کی حکمت اور زمینت سے بے خبر ہے وہ تو یہی سمجھے گا کہ یہ مالک کتنا کم عقل اور بیوقوف ہے۔ اس میں کوئی شعور نہیں ہے۔ یہ اتنی محنت کے بعد ان پودوں کو کیوں کاٹتا اور تراشتا رہتا ہے؟ مگر ایک

وہ آدمی جو پورے چمن کی زیب و زینت اور آرائش سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ان پوداجات کو کاٹنا اور تراشنا ہی مناسب ہے۔ اسی طرح چمنستانِ دہر میں جو بعض چیزیں ہمیں ناقص نظر آتی ہیں یہ ہماری کوتاہ فہمی ہے۔ اس خالقِ کائنات کے نزدیک ان کا ایسا ہونا ہی مناسب ہے۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

پس قدرت کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں عیب کا نہ ہونا اس کے تعارف کی بہت بڑی عقلی دلیل ہے اور اس طرح کل پینسٹھ عقلی دلائل ہوجاتے ہیں۔ اور اس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے بنانے میں بہت بڑا ماہر ہے اور ان اشیاء میں سے کوئی چیز از سرِ خود نہیں بنی ورنہ ان میں کوئی نہ کوئی عیب اور نقص ضرور ہوتا۔ اور ان کے بنانے میں جنّات، فرشتوں اور انسانوں میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ ان سب کے بنانے میں وہ اکیلا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ	انسان پر ضرور ایک ایسا زمانہ
حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ	بھی آیا ہے کہ اسکا کہیں
يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝	کچھ بھی ذکر نہ تھا
اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ	بے شک ہم نے انسان
مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ	کو ایک مرکب بوند سے
نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ	پیدا کیا ہم اس کی آزمائش
سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝	کرنا چاہتے تھے پس ہم

نے اسے سُننے دیکھنے والا بنا دیا

اِنَّا هَدَيْنٰهُ	بے شک ہم نے اسے راستہ
السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا	دکھا دیا یا تو وہ شکر گزار
وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝	ہے اور یا ناشکرا (سورۃ الدھر)
يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ	اے انسان تجھے اپنے رب
مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ	کریم کے بارے میں کس
الْكَرِيْمِ الَّذِيْ	چیز نے مغرور کر دیا جس
خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ	نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے
فَعَدَلَكَ فِيْٓ اَيِّ	ٹھیک کیا پھیر تجھے برابر کیا
صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ	جس صورت میں چاہا تیرے
سورۃ انفطار آیت	اعضاء کو جوڑ دیا

تحقیق بعض الفاظ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ تا وَاِمَّا كَفُوْرًا ۝

اَتٰى واحد مذکر ماضی ہے اِتْيَانٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ حِيْنٌ واحد ہے بمعنی زمانہ۔ دَهْرٌ واحد ہے بمعنی زمانہ۔ يَكُنْ واحد مذکر مضارع ہے اصل میں يَكُوْنُ ہے واؤ کو دو ساکن جمع ہونے کی وجہ سے گرایا گیا ہے۔ كَوْنٌ سے بنا ہے بمعنی ہونا۔ مَذْكُوْرًا اسم مفعول کا صیغہ ہے ذکر سے بنا ہے بمعنی یاد کرنا۔ نُطْفَةٌ واحد ہے بمعنی مرد اور عورت کا مادہ منویہ۔ اَمْشَاج، مَشِيْجٌ کی جمع ہے بمعنی مادہ مخلوط نطفہ میں چونکہ مختلف اجزاء ہوتے ہیں اس لیے اس کو جمع لایا گیا ہے نَبْتَلِيْهِ

جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے، اِبْتِلَاءٌ سے بنا ہے بمعنی آزمانا۔ ھَدَیْنَا
جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے۔ ھَدَایَۃٌ سے بنا ہے بمعنی راہ دکھانا یا منزل
مقصود تک پہنچانا۔ شَاکِرًا اسم فاعل کا صیغہ ہے شکر سے بنا ہے۔
کَفُوْرًا واحد مذکر کا صیغہ ہے کُفْرَان سے بنا ہے بمعنی ناشکری کرنا

تفسیر

یہاں سورۃ الدھر کی تین آیات نقل کی گئی ہیں۔ ان میں عقیدہ توحید پر تین عقلی دلائل بیان فرمائے گئے ہیں اور دہریت کی نفی بیان فرمائی ہے دراصل بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دہر یعنی زمانہ ہی خدا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی خدا کا تصور غلط ہے قرآن مجید نے اس نظریہ کی تردید کی ہے پس اس طرح کل اٹھ

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس عقیدہ باطل کی تردید بیان فرمائی ہے اور عقیدہ توحید عقل سے ثابت فرمایا ہے اور وہ اس طرح کہ ان آیات میں انسان پر گزرنے والے چار ادوار کا ذکر ہے۔ دو ادوار کو تو آیت نمبر ایک میں بیان اور یہ دلیل اول ہے کہ انسان پر ایسا دور آیا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہیں تھا یہ سوالیہ جملہ ہے اور یہ استفہام تقریری ہے یعنی فی الواقع انسان پر ایسا دور اور وقت ضرور گزرا ہے کہ اس کا کہیں ذکر تک نہیں تھا۔ یہ دو ادوار ہیں ایک تو وہ ہے کہ جب آدمی مٹی کی منزل میں تھا اور دوسرا وہ ہے کہ جب وہ غذاؤں اور پھلوں کی شکل وصورت میں تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان ادوار میں انسان کی جو بھی ہیئت کذایہ ہوتی ہے اس پر لفظ انسان اور شی کا اطلاق فرمایا ہے البتہ لفظ شی کے ساتھ مذکور کی صفت لگانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کا ذکر انسانوں میں نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔

آیت دو میں انسان کے تیسرے اور چوتھے دور کا بیان ہے اور دلیل دوم ہے تیسرا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو ایک مرکب بوند سے پیدا کیا ہے۔ ہم اس کی آزمائش کرنا چاہتے تھے۔ یعنی غذاؤں اور پھلوں کے دور کو جب عبور کر کے انسان مادہ منویہ کی شکل وصورت اختیار کرتا ہے۔ یہ اس کا تیسرا دور ہوتا ہے اور یہاں نطفہ امشاج فرمایا ہے۔ اس سے مراد مؤنث اور مذکر دونوں کا مادہ ہے اور دراصل یہ دو نظریات کی تردید فرمائی ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں ڈاکٹروں اور اطبا کے دو متضاد نظریات ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بچے کی تولید صرف مذکر کے مادہ سے ہوتی ہے اور مؤنث کا مادہ اس کے لیے صرف معاون اور مددگار ہوتا ہے اور دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بچے کی تولید صرف مؤنث کے مادہ سے ہوتی ہے

قرآن مجید کے اس جملہ میں (کہ ہم نے انسان کو ایک مرکب بوند سے پیدا کیا ہے) ان دونوں نظریات کی تردید آگئی ہے۔ اور قرآن مجید کے اس جملہ میں اتنا تو بتا دیا ہے کہ ہم نے انسان کو ایک مرکب بوند سے بنایا ہے مگر یہاں یہ نہیں بتایا کہ اس مذکر اور مؤنث کے مادہ کا مرکز کون سا ہے۔ مگر قرآن مجید کی سورۃ الطارق میں اس کو واضح کر دیا گیا ہے کہ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ○ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ○ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ۔ انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ اس کو کس سے پیدا کیا گیا ہے؟ اسے اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔ پس یہاں وضاحت آگئی کہ مرد کے مادہ کا مرکز پیٹھ اور عورت کے مادہ کا مرکز سینہ ہے۔

سورۃ الدھر کے جملہ میں امشاج کے ساتھ جو جملہ نبتلیہ لگایا ہے اس سے مراد نطفہ سے لوتھڑا بنانا۔ پھر گوشت کی ہڈی پھر اس پر

گوشت چڑھانا وغیرہ ذالک۔ اور انسان کا چوتھا دور فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی اس دنیا میں آنے کے بعد اس کے اندر سننے کی قوت بھی رکھ دی ہے اور دیکھنے کی بھی رکھ دی ہے۔ اب مقام غور یہ ہے کہ مٹی کے دور سے لے کر سَمِيْعًا بَصِيْرًا کے دور تک انسان یہ جتنی منازل طے کرتا ہے کیا یہ از سر خود کرتا ہے؟ یا کوئی طاقت اس سے یہ منازل طے کرا رہی ہے۔ ہر ذی عقل یہی کہے گا کہ نہیں نہیں انسان از سر خود یہ منازل ہر گز طے نہیں کر سکتا۔ بلکہ کوئی طاقت اس سے یہ منزلیں طے کروا رہی ہے۔ اور اسی کو ہم اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور آیت تین میں تیسری عقلی دلیل بیان فرمائی ہے کہ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ ہم نے اسے راستے کی ہدایت دی ہے۔ راستے سے مراد یہاں خیر اور شر۔ نیکی و بدی، مفید اور غیر مفید کا راستہ دکھانا ہے۔ یعنی انسان کے معرض وجود میں آنے کے بعد بھی اسے اتنی تمیز نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے اچھی اور بری چیز کا امتیاز کر سکے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے دو چیزیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک عقل اور دوسری انبیاء کی تعلیمات۔ اور یہ دو چیزیں اس لیے عطا فرمائی ہیں کہ صرف عقل راہ نمائی کے لیے کفایت نہیں کر سکتی۔ اس سے غلطی ہو سکتی ہے اور صرف انبیاء کی تعلیم بھی راہ نمائی کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ اسے سمجھنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔ ایک پاگل اور بے شعور آدمی انبیاء کی تعلیم کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور کسی چیز کے برحق ہونے کے لیے دو گواہ کافی ہیں۔ اسی لیے انسانی راہ نمائی کے لیے عقل اور انبیاء کی تعلیم پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور یہ راہ نمائی خدائے ذوالجلال کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

پس یہ عقیدہ توحید پر عقلی دلیل ہے۔ کیونکہ عقل دینا بھی خدا کا کام ہے۔ کوئی انسان اپنے لیے عقل و خرد اور شعور پیدا نہیں کر سکتا۔ ورنہ دنیا میں کوئی پاگل نہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے از سر خود کوئی نبی بھی نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ جس کو چاہتا ہے نبی بناتا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اِمَّا شَاكِرًا وَاِمَّا كَفُوْرًا۔ یعنی بعض انسان تو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی اس ہدایت کو مانتے ہیں اور اس کے موافق عمل بھی کرتے ہیں۔ اس کو شَاكِرًا سے تعبیر فرمایا ہے اور بعض اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس کو اِمَّا كَفُوْرًا سے تعبیر فرمایا ہے

يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ	اے انسان تجھے اپنے مہربان
بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِىْ	رب کے ساتھ کس نے
خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ	مغرور بنا دیا ہے۔ جس نے
فَعَدَلَكَ فِىْٓ	تجھے پیدا کیا پھر برابر کیا پھر
اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ	ٹھیک کیا پھر جس صورت
رَكَّبَكَ	میں بنانا چاہا تجھے جوڑا۔

تحقیق بعض الفاظ

يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ تا رَكَّبَكَ

غَرَّ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے غرور سے بنا ہے بمعنی مغرور۔ سَوّٰا واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ تَسْوِيَةٌ سے بنا ہے بمعنی برابری۔ عَدَلَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے عدل سے بنا ہے بمعنی برابری۔ شَآءَ ماضی کا صیغہ ہے شَيْئٌ سے بنا ہے بمعنی چاہنا۔ رَكَّبَكَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے ترکیب سے بنا ہے بمعنی جوڑنا۔

تفسیر

یہاں سورۃ الانفطار کی تین آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت میں تو انسان کو غیرت دلائی گئی ہے کہ تجھے اپنے مہربان رب سے مغرور نہیں ہونا چاہیئے اور دوسری آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے عقلی اور تعارفی نمونوں کا ذکر ہے اور وہ دو ہیں۔ ایک سَوّٰلَکَ ہے اور دوسرا فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ کے پہلے جملے میں تاکید ہے اور یہاں لفظ سَوّٰا اور عَدَلَ دونوں لغت کے لحاظ سے برابر اور ہم معنی ہیں۔ مگر یہاں جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سے مراد الگ الگ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سَوّٰا سے مراد یہ لی جائے کہ انسانی جسم کے لیے جن جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ مہیا کر دینا ہے۔ اور عَدَلَ سے مراد ہر عضو اور جُزْ کو اس کے موزوں مقام پر نصب کر دینا ہے۔ پس یہ کام بھی انسان از سرِ خود نہیں کر سکتا۔ جس ذات نے ایسا کیا ہے وہی خدا وحدہٗ لاشریک ہے یہ اجزاء جمع کرنے میں اور ان کے جوڑنے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

پس اس طرح عقیدہ توحید پر کل ستّر دلائل بن جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات بھی ہیں۔ کیونکہ انسان کی زندگی بھر کی عبادت بھی ان انعامات اور احسانات میں سے کسی نعمت کا معاوضہ اور بدل نہیں بن سکتی۔ لہٰذا انسان کو مناسب ہے کہ ایسے محسن حقیقی سے تعلق جوڑے اور احسان فراموشی نہ کرے۔ یہاں تک تو اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے ستّر دلائل نقل کیے ہیں۔ اگرچہ اس صفت کی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں مگر تکرار والی آیات نقل نہیں کی ہیں۔ صرف جامع قسم کی آیات لکھی گئی ہیں۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت مالکیت کے متعلق آیات پیش کی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہی سارے جہاں کا مالک ہے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ	تو کہہ اے اللہ بادشاہی کے
الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ	مالک جسے تو چاہتا ہے
مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ	سلطنت دیتا ہے اور جس
الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز	سے چاہتا ہے سلطنت چھین
وَتُعِزُّ مَنْ	لیتا ہے جسے تو چاہتا
تَشَآءُ وَتُذِلُّ	ہے عزت دیتا ہے اور
مَنْ تَشَآءُ ط	جسے تو چاہے ذلیل کرتا
بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط	ہے سب خوبی تیرے ہاتھ
اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ	میں ہے بے شک تو
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥	ہر چیز پر قادر ہے
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ	اور آسمانوں اور زمین کی
وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ	بادشاہی اللہ ہی کے
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	واسطے ہے اور اللہ ہر
قَدِيْرٌ ٥ اَمْ	چیز پر قادر ہے کیا
لَهُمْ نَصِيْبٌ	سلطنت میں ان کا بھی کچھ
مِّنَ الْمُلْكِ	حصہ ہے پھر تو یہ
فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ	لوگوں کو ایک تل بھر بھی

النَّاسَ نَقِيرًا ۝	نہیں دیں گے
أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ	کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمانوں
لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ	اور زمین کی سلطنت اللہ ہی
وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ	کے واسطے ہے وہ جسے
مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ	چاہے عذاب دے اور
لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ	جسے چاہے بخش دے اور
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝	اللہ سب چیز پر قادر ہے
قُلْ أَتَعْبُدُوْنَ	کہہ دو تم اللہ کو چھوڑ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	کر ایسی چیز کی بندگی کرتے
مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ	ہو جو تمہارے نقصان اور
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا	نفع کے مالک نہیں اللہ
وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ	وہی ہے سننے والا جاننے
الْعَلِيْمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ	والا آسمانوں اور زمین
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	اور جو کچھ ان کے درمیان
وَمَا فِيْهِنَّ ط وَهُوَ	ہے سب اللہ ہی کی سلطنت
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝	ہے اور وہ ہر چیز پر قادر
قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ	ہے کہہ دو میں اپنی ذات
نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا	کے نفع اور نقصان کا بھی
إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط	مالک نہیں مگر جو اللہ
إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ	چاہے آسمانوں اور زمین
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط	میں اللہ ہی کی سلطنت ہے

سورۃ آل عمران آیت ۲۶ - ۱۸۹
سورۃ النساء آیت ۸۷ - ۱۷۲

يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وہی جلاتا ہے اور مارتا

وَمَا لَكُم مِّن ہے اور اللہ کے سوا

دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ تمہارا کوئی دوست اور

وَلَا نَصِيرٍ ۝ مددگار نہیں

سورۃ المائدہ آیت ۱۲۰ - ۴۰ - ۱۷ - سورۃ الانعام آیت ۱۸۸ - سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸
سورۃ التوبہ آیت ۱۱۶ - سورۃ الملک آیت ۱

تحقیق بعض الفاظ

قُلِ اللّٰهُمَّ تا عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

قُلْ امر کا صیغہ ہے قَوْلٌ سے بنا ہے بمعنی کہنا۔ اَللّٰهُمَّ اصل میں یا اللہ ہے یا کو حذف کر کے اس کے بجائے اللہ کے آخر میں میم مشدّد لگایا گیا ہے اس لیے اللّٰهُمَّ ہو گیا ہے۔ تُؤْتِي واحد مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے اِتْيَانٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ تَشَاءُ واحد مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ شَيْءٌ سے بنا ہے بمعنی چیز یا چاہنا۔ تَنْزِعُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے نَزْعٌ سے بنا ہے بمعنی نکالنا۔ تُعِزُّ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے عِزَّةٌ سے بنا ہے بمعنی عزت۔ تُذِلُّ واحد مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے ذِلَّةٌ سے بنا ہے بمعنی ذلیل کرنا یا کمزور کرنا۔ بِيَدِكَ واحد ہے بمعنی ہاتھ۔ خَيْرٌ مصدر ہے بمعنی بہتر اور کبھی خیر افعل کے معنی میں یعنی اسم تفضیل کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ۔ قَدِيرٌ صیغہ مبالغہ ہے قدرت سے بنا ہے بمعنی طاقت

تفسیر شہادت اول

یہ سورۂ آل عمران کی آیت چھبیس ہے۔ اس میں آٹھ چیزوں کا بیان ہے

پہلی چیز یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات سے مانگنے کا حکم دیا ہے کہ مجھ سے مانگو کسی اور سے نہ مانگو۔ اور پھر دُعا کے یہ الفاظ بھی بتائے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ مانگو۔

اس آیت سے دوسری چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سارے جہاں کا بادشاہ اور مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

تیسری چیز اس آیت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک دے بھی دیتے ہیں۔

اور چوتھی یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک دے کر واپس لے بھی لیتے ہیں۔

اور پانچویں یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزت دیتے ہیں۔

چھٹی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ذلیل بھی کرتے ہیں۔

اور ساتویں چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دستِ پاک میں خیر ہی خیر ہے۔ یعنی اس کی طرف سے جو بھی آئے وہ خیر ہی خیر ہے۔ اگرچہ بعض چیزیں بظاہر شر نظر آتی ہیں مگر درحقیقت ان میں خیر ہے۔ بقول حافظ صدیق صاحب ؎

لطف سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ
ایں بھی سجن واہ واہ اوں بھی سجن واہ واہ

دراصل اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عقیدہ بتایا ہے کہ عقیدہ یہ رکھو کہ سارے جہاں کا مالک اللہ تعالےٰ ہے۔ اس مضمون کو مالک الملک میں بیان فرمایا ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی وہ اس جہاں کو فنا کر کے اور سینکڑوں

بنا سکتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ تصرفاتی اور مالکانہ اختیارات کے نمونے بیان فرماتے ہیں۔ مثلاً ملک کسی کو دینا پھر واپس لے لینا، عزّت دینا، ذلّت دینا وغیرہ ذالک۔

پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ اے نبی جب سارے تصرفات اور اختیارات اسی کے ہیں تو اسی کے ساتھ اپنا تعلق بندگی جوڑو۔ اور جب کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسی سے مانگو۔ کیونکہ کسی دوسرے کی یہ طاقت ہی نہیں کہ وہ تمہیں کچھ دے سکے۔

اس کے بعد سورۃ آل عمران کی آیت ایک سو اناویں ہے۔ اس میں مضمون سابق کی تاکید ہے کہ سارے جہاں کی بادشاہی خداوند پاک کی ہے۔

اس کے بعد سورۃ النساء کی آیت نمبر تریپن ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک مالکانہ نمونے کو بیان فرمایا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے خاندان اسحاقؑ علیہ السلام کو دنیا میں بہت بڑی حکومت عطا فرمائی تھی۔ بالخصوص حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومتیں تو مشہور و معروف ہیں۔ اور ان لوگوں کو حکم یہ تھا کہ ملک میں عدل و انصاف کا نظام قائم کریں تاکہ خلق خدا کو وظیفہ روزی پہنچ سکے۔ مگر ان انبیاء کے بعد بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عدل وانصاف کے اصولوں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اور اس طرح خلق خدا اس وظیفہ روزی سے محروم ہو گئی اور سوائے چند ظالم اور درندہ صفت انسانوں کے باقی روزی کی خاطر اپنے بچے بھی قتل کرنے لگے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے حکومت اور خلافت لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی۔ اور بنی اسرائیل میں سے یہود کے

پاس حکومت کا کوئی حصّہ بھی باقی نہیں تھا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مالکانہ اور حاکمانہ کارروائی تھی۔ اس لیے سورۃ النسار کی اس آیت میں فرمایا ہے کہ کیا ان کے پاس ملک کا کوئی حصہ ہے؟ یعنی ان کے پاس حکومت اور خلافت کا اب کوئی حصّہ بھی باقی نہیں ہے۔ قدرت نے سب کچھ ان سے چھین لیا ہے اور اگر ان کے پاس تھوڑا سا حصّہ بھی ہوتا تو پھر بھی وہ اپنی پرانی روش نہ بدلتے، اور غربار اور مساکین کو ان کا حق نہ دیتے۔

اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت چالیس ہے۔ اس میں فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں صرف ایک اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی بادشاہی ہے نہ اس کی کوئی شوریٰ ہے اور نہ اس پر کوئی حاکم بالا ہے اس لیے جس مجرم کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں ہے کہ تو نے فلاں کو کیوں سزا دی اور فلاں کو کیوں معاف کیا؟ اور آخر میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ بہت بڑی طاقت کا مالک ہے۔ یعنی وہ اکیلا ہے مگر کمزور نہیں ہے تا کہ اس پر کوئی غالب آسکے۔

تحقیق بعض الفاظ

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ تا اَلسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

تَعْبُدُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے عبادت سے بنا ہے بمعنی بندگی۔ يَمْلِكُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے ملک سے بنا ہے ضرًّا مصدر ہے بمعنی ضرر دینا۔ نفعًا مصدر ہے۔ اَلسَّمِيْعُ سَمْعًا سے بنا ہے صیغہ مبالغہ ہے بمعنی سننا۔ اَلْعَلِيْمُ صیغہ مبالغہ ہے

علم سے بنا ہے بمعنی جاننا۔

تفسیر شہادت دوم

یہ سورۃ المائدہ کی آیت چھہتّر ہے۔اس میں اللہ تعالےٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کا حکم دیا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ کو مشرکین کو عقیدہ توحید اپنانے کی دعوت دیں۔ یہ مفہوم لفظ قُلْ سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرا انداز دعوت بھی خود بتایا ہے کہ اے نبی یوں کہو کہ کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا ایسوں کی جو تمہیں نقصان اور نفع دینے کے مالک نہیں ہیں۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسوں کی عبادت نہیں کرنا چاہیئے بلکہ عبادت تو صرف اس ذات کی کرنا چاہیئے جو نفع اور نقصان کا مالک ہے اور وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جسکی طاقت اور تصرّفات کا بیان پہلے آچکا ہے۔ اور آخر میں فرمایا ہے کہ وہی سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔ یعنی تم جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری پکار سن بھی نہیں سکتے۔ اور نہ انہیں تمہارا علم بھی نہیں ہے کہ تم ان کو پکار رہے ہو اللہ تعالیٰ تمہاری پکار سنتا بھی ہے اور تمہیں جانتا بھی ہے۔

دراصل یہ آیت مشرکین کے نظریات کی تردید ہے۔ وہ لوگ اپنے اپنے خود ساختہ اور باطل معبودوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالےٰ صرف خالق ہے اور مالکانہ اختیارات اس نے ہمارے معبودوں کو سونپے ہوئے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس باطل نظریہ کی تردید فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہ اختیارات کسی کو بھی نہیں سونپے۔

اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت ایک سو بیس ہے اس میں بھی

مضمون سابق کی تائید ہے۔ اس کے بعد سورۃ الاعراف کی آیت ایک سو اٹھاسی کا جملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی ذات کے لیے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں دیا۔

اس کے بعد سورۃ توبہ کی آیت ایک سو سولہ ہے۔ اس میں تین مضامین ہیں ایک تو مضمون سابق کا اعادہ ہے کہ زمین و آسمان کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے دوسرا مضمون یُحْیِی وَیُمِیْتُ ہے۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور اختیارات کا نمونہ بیان فرمایا ہے کہ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے اور تیسرا مضمون وما لکم من دون اللہ سے آخر تک بیان فرمایا ہے اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا انسانوں کا کوئی بھی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ لہٰذا انسانوں کو مافوق الاسباب جس چیز کی ضرورت پڑے تو وہ اللہ سے مانگنا چاہیئے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ	کہہ دو انہیں پکارو جنہیں
زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ	تم اس کے سوا سمجھتے ہو
فَلَا يَمْلِكُوْنَ	وہ نہ تمہاری تکلیف دور
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ	کر سکیں گے اور نہ اسے
وَلَا تَحْوِيْلًا ۝	بدلیں گے

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور کہہ دو سب تعریفیں
الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ اللہ کے لیے ہیں جس کی
وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ نہ کوئی اولاد ہے اور
لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی نہ کوئی اس کا سلطنت
الْمُلْكِ وَلَمْ میں شریک ہے اور نہ
یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ کوئی کمزوری کی وجہ سے اس
مِّنَ الذُّلِّ کا مددگار ہے اور اسکی بڑائی
وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝ قُلْ بیان کرتے رہو ان سے
مَنْ بِیَدِهٖ پوچھو کہ ہر چیز کی حکومت
مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ کس کے ہاتھ میں ہے
وَّهُوَ یُجِیْرُ اور وہ بچا لیتا ہے اور
لَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ اس سے کوئی نہیں بچا
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سکتا اگر تم جانتے ہو۔
تَبٰرَكَ الَّذِیْ وہ بڑی برکت والا ہے
نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی جس نے اپنے بندے پر
عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ قرآن نازل کیا تاکہ تمام
نَذِیْرًا ۝ الَّذِیْ جہان کے لیے ڈرانے والا
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ ہو وہ جس کی آسمانوں اور
وَالْاَرْضِ وَلَمْ زمین میں سلطنت ہے اور
یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ اس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا
یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ ہے اور نہ کوئی سلطنت میں

فِی الْمُلْکِ وَ خَلَقَ اس کا شریک ہے اور
کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے
تَقْدِیْرًا ۝ اندازہ پر قائم کر دیا
آیت ۵۶ - ۱۱۱ سورۃ المؤمنون آیت ۸۸
سورۃ الفرقان آیت ۱-۲-۳

تحقیق بعض الفاظ

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ تا تَقْدِیْرًا

اُدْعُوْا جمع مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے دُعَاءٌ سے بنا ہے معنی پکارنا ۔ زَعَمْتُمْ جمع مذکر حاضر ماضی کا صیغہ ہے زَعْمٌ سے بنا ہے معنی گمان کرنا ۔ یَمْلِکُوْنَ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے مِلْکٌ سے بنا ہے ۔ تَحْوِیْلًا مصدر ہے معنی بدلنا ۔ یَتَّخِذْ واحد مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے اِتِّخَاذٌ سے بنا ہے معنی پکڑنا ۔ یَکُنْ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اصل میں یَکُوْنُ ہے ۔ دو ساکن جمع ہونے کی وجہ سے پہلے ساکن واؤ کو حذف کیا تو یَکُنْ ہو گیا ۔ کَبِّرْ واحد مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے تَکْبِیْرٌ سے بنا ہے جو اس کی مصدر ہے معنی بڑائی بیان کرنا ۔ مَلَکُوْتُ مصدر ہے اصل میں مَلَکٌ ہے اس میں واؤ اور تا زیادہ ہیں ۔ یُجِیْرُ واحد مذکر مضارع معروف کا صیغہ ہے اور یُجَارُ مجہول ہے ۔ یہ دونوں اجارہ سے بنے ہیں معنی پناہ دینا مدد کرنا ۔ تَبٰرَکَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے باب تفاعل سے ہے برکت سے بنا ہے ، بمعنی چیز بڑھانا ، اس کے حجم میں اضافہ کرنا ۔ فُرْقَانٌ مصدر ہے بمعنی جدا کرنا ۔

تفسیر شہادت سوم

یہاں پہلے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت چھپن ہے اس میں اللہ تعالےٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت توحید کا ایک طریقہ بتایا ہے کہ اے نبی ان مشرکین سے یوں کہو تم جنہیں اللہ کے سوا نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہو انہیں پکارو مگر وہ تمہاری کوئی تکلیف دور نہیں کر سکیں گے اور اسے تبدیل بھی نہیں کر سکیں گے۔ انہیں یہ اختیار نہیں ہے۔

اس کے بعد سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ایک سو گیارہ ہے۔ اس میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ ایک یہ ہے خدا تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے اور دوسری چیز یہ ہے کہ اس خدا کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کمزور نہیں کہ وہ مجبور ہو کر نظام مملکت چلانے کے لیے اپنے معاون چنے۔ اور چوتھی چیز یہ ہے کہ ایسے خدائے بزرگ و برتر کی عظمت اور بڑائی بیان کرتے رہا کریں۔ اور ان چاروں چیزوں کو الحمد للہ سے شروع کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ جو اتنا بڑا نظام سوائے اولاد۔ بلا شرکت غیرے اور سوائے دوستوں کے تعاون کے چلا رہا ہے وہ یقیناً تعریفوں کے قابل ہے اور اس کی بڑائی اور عظمت سے خلق خدا کو آگاہ کرنا چاہیئے اور اس کا دروازہ ہر ایک کو دکھانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے اور انسانوں سے جو کام لیتے ہیں ان کی حیثیت شریک کار کی نہیں بلکہ آلات کی ہے اور آلات کو کوئی شریک نہیں کہتا۔ شریک وہ ہوتا ہے جس کا چیز کے بنانے میں حصہ ہو اور پہلے ہم ثابت کر آئے ہیں کہ کسی بھی شئے کو معرض وجود میں لانے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت

ہے مادہ اور صورت - اور یہ بھی ہم ثابت کر آئے ہیں کہ ہر چیز کا مادہ بھی اللہ تعالےٰ ہی بناتا ہے اور اس کی صورت بھی اللہ تعالیٰ ہی بناتا ہے اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے -

اس کے بعد سورۃ المؤمنون کی آیت اٹھاسی ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیدہ توحید بیان کرنے کا طریقہ بتایا ہے - کہ اے نبی ان سے پوچھو کہ ہر چیز پر کس کی حکومت ہے ؟ یہ اصل میں سوالیہ جملہ ہے اور یہ استفہام تقریری ہے - یعنی ہر چیز پر اللہ تعالےٰ ہی کی حکومت ہے - اور یہاں حکومت سے مراد قدرت کا نظام تکوینی ہے مثلاً کسی کو موت آجائے تو اسے کون بچا سکتا ہے ؟ اور اسی طرح اس نے بعض کو کالا بنایا ہے اور بعض کو گورا - کیا کسی کی طاقت ہے کہ کالے کو گورا بنادے اور گورے کو کالا بنادے ؟

اسی طرح اس نے بعض کو مذکر بنایا ہے اور بعض کو مؤنث بنایا ہے کیا ہے کسی کی طاقت کہ مذکر کو مؤنث بنادے اور مؤنث کو مذکر بنادے ؟ یقیناً نہیں - اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ وہ پناہ دیتا ہے یعنی آدمیوں کو تحفظ دیتا ہے - اور اگر وہ کسی کو سزا دینا چاہے تو اس سے کوئی بچا بھی نہیں سکتا - اور آخر میں فرمایا ہے کہ اگر تم جانتے یعنی سمجھداروں کے لیے عقیدۂ توحید کے اتنے نمونے کافی ہیں - اگر عقل ہی نہ ہو تو وہ الگ بات ہے -

وَاتَّخَذُوْا مِنْ	اور انہوں نے اللہ کے سوا
دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا	ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو
يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا	کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے
وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ	حالانکہ وہ خود پیدا کیے گئے
وَلَا يَمْلِكُوْنَ	ہیں اور وہ اپنی ذات کے
لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ	لیے نقصان اور نفع کے
لَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ	مالک نہیں اور موت اور
مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً	زندگی اور دوبارہ اٹھنے کے
وَّلَا نُشُوْرًا ۝	بھی مالک نہیں اس
اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ	کی تو شان ہے کہ جب
اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ	وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے
يَّقُوْلَ لَهٗ	تو اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ
كُنْ فَيَكُوْنُ ۝	ہو سو وہ ہو جاتی ہے
فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ	پس وہ ذات پاک ہے
بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ	جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا
كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ	کامل اختیار ہے اور اسی کی
تُرْجَعُوْنَ ۝	طرف تم لوٹائے جاؤ گے
لِمَنِ الْمُلْكُ	آج کس کی حکومت ہے
الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ	اللہ ہی کی جو ایک ہے
الْقَهَّارِ ۝ وَتَبٰرَكَ	بڑا غالب اور وہ
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ	بڑا بابرکت ہے جس کی

سورۃ یٰس آیت ۸۳-۸۲، سورۃ مومن آیت ۱۲

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ؀

حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو ان کے درمیان موجود ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے اور جنہیں وہ اس کے سوا پکارتے ہیں انہیں تو شفاعت کا بھی اختیار نہیں ہاں جن لوگوں نے حق بات کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کرتے تھے۔

سورۃ الزخرف آیت ۸۵-۸۶

اس کے بعد سورۃ الفرقان کی آیت ایک ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف کرانے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن مجید نازل کیا ہے تاکہ آپ پوری دنیا کو آگاہ فرمادیں کہ سارے جہان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جو آدمی اس کی بادشاہی سے بغاوت کرے گا وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل فرمائی ہے اس کا نام یہاں فرقان رکھا ہے۔ یعنی اس کتاب کے پڑھنے سے انسان کو خدا تعالیٰ کا پورا تعارف ہوجاتا ہے اور جھوٹے خداؤں کا بھی پتہ چل جاتا ہے اس لیے اس کا نام فرقان رکھا ہے۔

اس کے بعد آیت نمبر دو ہے۔ اس میں مضمون سابق کی تائید ہے اور تاکید ہے۔ اس کے بعد سورۃ الفرقان کی آیت تین ہے اس میں جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنانے اور آپ پر قرآن مجید نازل کرنے کا مقصد بیان فرمایا ہے کہ لوگوں نے اپنے طور پر باطل اور جھوٹے خدا بنا رکھے ہیں۔ وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود مخلوق ہیں وہ لوگوں کو نفع بھی نہیں دے سکتے اور نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے۔ وہ موت وحیات اور مرنے کے بعد پیدا کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتے، انہیں معبود مان رہے ہیں اور خدائے وحدہٗ لاشریک کو بھولے ہوئے ہیں۔ اس لیے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ آپ انہیں آگاہ فرمائیں اور عقیدۂ توحید سے انہیں روشناس کرائیں۔

تحقیق بعض الفاظ

اِنَّمَا اَمْرُہٗ تا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○

اَرَادَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ اِرَادَۃٌ سے بنا ہے بمعنی ارادہ کرنا۔ یَقُوْلُ مضارع کا صیغہ ہے قَوْلٌ سے بنا ہے بمعنی کہنا۔ کُنْ اَمر کا صیغہ ہے کَوْنٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہونا ہے۔ سُبْحَانَ مصدر ہے اس کا معنی پاک ہونا۔ تُرْجَعُوْنَ جمع حاضر مضارع مجہول کا صیغہ ہے رجوع سے بنا ہے بمعنی لوٹنا۔ قَھَّار مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی سب پر غالب ہونا۔ یَدْعُوْنَ جمع غائب مضارع معروف کا صیغہ ہے دُعَاءٌ سے بنا ہے معنی پکارنا۔ شَفَاعَۃٌ مصدر ہے اس کا معنی سفارش کرنا۔ شَھِدَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے شہادۃ سے بنا ہے اس کا معنی گواہی دینا۔ حَقٌّ مصدر ہے باطل کا مقابل ہے۔

تفسیر شہادت چہارم

یہاں پہلے سورۃ یونس کی آیت بیاسی ہے ۔ اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک تو اللہ تعالیٰ کی طاقت کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ جب کوئی چیز بنانا چاہے تو اسے فرماتا ہے کہ ہو جا ۔ پس وہ چیز معرض وجود میں آجاتی ہے ۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ چیز پیدا نہ ہو اور خدا اس کے بنانے سے عاجز آجائے ۔

دوسری چیز یہ ہے کہ خدا اگر کوئی چیز بنانا چاہے تو وہ بنا لیتا ہے اللہ تعالیٰ پر کوئی سپر طاقت نہیں ہے یا اس کی کوئی شوریٰ نہیں ہے یا اس کا کوئی مقابل ایسا نہیں ہے جو اسے وہ چیز بنانے سے روک دے ۔

اس کے بعد سورۃ یونس کی آیت تریاسی ہے اس میں مضمون سابق کا اعادہ بطور تائید و تاکید نقل کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد سورۃ مومن کی آیت سولہ ہے ۔ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی دنیاوی بادشاہت کے نمونے بیان فرمائے گئے ہیں ۔ اور اس آیت میں اخروی نمونے کا بیان ہے ۔ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہو گا کہ آج کس کی بادشاہی ہے ۔ کوئی نہیں بولے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہو گا کہ آج صرف ایک اللہ ہی کی بادشاہی ہے اور اسی کو سب پر غلبہ حاصل ہے ۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا کے اندر بھی اصلی اور حقیقی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے ۔ اور آخرت کے اندر بھی اسی کی ہی بادشاہی ہو گی ۔

اس کے بعد سورۃ الزخرف کی آیت پچاسی ہے اس کے اندر بھی مضمون سابق کی تائید و تاکید ہے ۔ اس کے بعد سورۃ الزخرف کی آیت چھیاسی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کافر جن کو مالک و مختار اور معبود مانتے ہیں

ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں شفاعت کا اختیار بھی نہیں دیا تاکہ وہ انہیں سفارش کے ذریعہ عذاب الہٰی سے چھڑا سکیں۔ مومنوں کے حق میں انہیں سفارش کا حق ہوگا۔ اس سلسلہ میں احادیث بہت ہیں۔ ہم طوالت سے بچنے کے لیے انہیں یہیں چھوڑتے ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز بحث قیامت میں ان کی تفصیل آئے گی۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي	اور آسمانوں اور زمین میں اسی
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ	کی عزت ہے اور وہی زبردست
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝	حکمت والا ہے اور اللہ
وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ	ہی کے سب لشکر آسمانوں
وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ	اور زمین میں ہیں اور اللہ
اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝	بڑا غالب حکمت والا ہے
قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ	کہہ دو وہ کون ہے جو اللہ کے
مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا	سامنے تمہارے لیے کسی
إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا	چیز کا (کچھ بھی) اختیار رکھتا
أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ	ہو اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان
بَلْ كَانَ اللّٰهُ	یا نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝	تمہارے سب اعمال پر خبردار ہے
قُلْ إِنِّي لَا	کہہ دو میں نہ تمہارے کسی ضرر
أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَ	کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ
لَا رَشَدًا ۝ يَوْمَ	کسی بھلے کا جس دن

لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ | کوئی کسی کے لیے کچھ بھی
لِّنَفْسٍ شَيْئًا ط وَالْاَمْرُ | نہ کر سکے گا اور اس دن
يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ○ | اللہ ہی کا حکم ہو گا۔
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ | کیا اللہ سب حاکموں سے
الْحٰكِمِيْنَ ○ | بڑا حاکم نہیں (ضرور ہے)

سورۃ الجاثیہ آیت ۳۷، سورۃ الفتح آیت ۷-۱۱، سورۃ جن آیت ۲۱، سورۃ الانفطار آیت ۱۹، سورۃ التین آیت ۸

تحقیق بعض الفاظ

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ تا بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ○

کِبْرِیَاءَ مصدر ہے۔ اصل میں کِبْرٌ ہے یا اور ہمزہ زیادہ ہیں۔ جو کسی کے طفیل اور وسیلہ کے سوا اپنی خوبیوں کی بنا پر خود بخود بڑا ہو۔ جُنُودٌ جُنْدٌ کی جمع ہے معنی لشکر۔ اَحْكَمَ واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے معنی سب سے بڑا حاکم۔ حاکمین جمع اسم فاعل کا صیغہ ہے حاکم اس کا واحد ہے حُکم سے بنا ہے معنی فیصلہ کرنا یا آرڈر دینا۔

تفسیر شہادت پنجم

یہاں پہلے سورۃ الجاثیہ کی آیت سینتیس ہے۔ اس آیت میں ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے۔ شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو اللہ تعالےٰ کی صفت مالکیت کے نمونے بیان ہوئے ہیں اور اس کی بادشاہت کی تفصیل آئی ہے۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ از سر خود بادشاہ ہے یا کسی نے اس کو منتخب کیا ہے؟ پس اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ اسی کے لیے کبریائی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور کبریائی کی تشریح لغت کے لحاظ سے یہ نقل کی گئی ہے کہ

کسی کے طفیل اور وسیلہ کے سوا ان خوبیوں کی بنا پر خود بخود بڑا مُسلّم ہو چکا ہو۔ پس مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے بادشاہ نہیں بنایا بلکہ اس کی خوبیوں اور کمالات کی بنا پر دنیا اسے بادشاہ مان چکی ہے۔

اس کے بعد سورۃ الفتح کی آیت سات ہے اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے۔ اس کی فوج بھی ہے اور آسمانوں اور زمین تلے سب اس کا لشکر ہے۔ بڑی عزّت کا مالک ہے۔ زبردست ہے دانا ہے اسی لیے اس نے اتنے بڑے لشکروں پر کنٹرول کیا ہوا ہے۔ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے تعاون کے سوا ہی پورے عالم کا بادشاہ ہے۔ اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین والے سارے اس کی فوج ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی یہ بادشاہی فوج کے تعاون سے ہے۔

اس کا جواب اس آیت کے شروع میں جو لفظ لِلّٰہ میں لام زیر والا ہے اس میں موجود ہے کیونکہ یہ لام تملیک ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ان لشکروں کا مالک ہے یعنی جس طرح مملوک مالک کا طفیلی ہوتا ہے اسی طرح آسمانوں اور زمین کا یہ لشکر خدا کا طفیلی ہے نہ کہ خدا ان کا طفیلی ہے۔ یہاں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کافر بھی خدا کا لشکر ہے کیونکہ زمین اور آسمانوں میں رہنے والے تو کافر بھی ہیں۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ کافر بھی اللہ تعالیٰ کا طفیلی ہی تو ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ظالموں کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالےٰ کبھی کافروں سے بھی کام لیتا ہے۔ اور ان کے ذریعہ ان ظالموں کا سر کچلتے ہیں۔

اس کے بعد سورہ فتح کی آیت گیارہ کے دو جملے ہیں۔ پہلے جملے کا مقصد

یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ اتنا بڑا بادشاہ ہے اور اس کے بے شمار لشکر ہیں۔ تو پھر وہ جب کافروں کو عذاب دینا چاہے تو کون انہیں بچا سکتا ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی پھر ایسی طاقت سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ اس کے بعد والا جملہ ایک شبہ کا جواب ہے۔ شبہ یہ ہے کہ اس خدا کو کیا پتہ ہے کہ کون تابعدار ہے اور کون نافرمان ہے۔ تو اس کا جواب دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اس کے بعد سورۃ جن کی آیت اکیس ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اعلان فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی تمہارے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں دیا۔

اس کے بعد سورۃ انفطار کی آیت ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں مالک و مختار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ آخرت میں بھی وہ ہی مالک و مختار ہو گا۔ کسی بھی نفس کا کسی قسم کا اختیار نہیں ہو گا۔

اس کے بعد سورۃ والتین کا ایک جملہ ہے۔ یہ اس ساری بحث کا خلاصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا حاکم ہے وہی سب کا مالک و مختار ہے۔

ہست سلطانی مسلّم مرا ورا
نیست کس را زہرۂ چون و چرا

فریدالدین عطارؔ

سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا	جب زکریا اس کے پاس
زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ	حجرہ میں آتے تو اس کے
وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ	پاس کچھ کھانے کی چیز پاتے
قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ	کہتے اے مریم تیرے پاس
لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ	یہ چیز کہاں سے آئی ہے
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ	وہ کہتی یہ اللہ کے ہاں
إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ	سے آئی ہے اور جسے
مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ	چاہے بے قیاس رزق دیتا
حِسَابٍ ۝ قُلْ مَنْ	ہے کہو تمہیں
يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ	آسمان اور زمین سے کون
وَالْأَرْضِ أَمَّنْ	روزی دیتا ہے یا کانوں
يَمْلِكُ السَّمْعَ	اور آنکھوں کا کون مالک
وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ	ہے اور کون نکالتا ہے
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ	زندہ کو اور مُردہ کو زندہ
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ	سے کون نکالتا ہے اور
الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ	سب کاموں کا کون انتظام
الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ	کرتا ہے سو کہیں گے

اللّٰہُ ج فَقُلْ — کہ اللہ تو تو کہہ دو کہ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ — پھر (اللہ) سے کیوں نہیں ڈرتے
وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ — اور زمین پر کوئی چلنے
فِی الْاَرْضِ اِلَّا — والا نہیں مگر اس کی
عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا — روزی اللہ پر ہے اور
وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا — جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے
وَمُسْتَوْدَعَهَا ط كُلٌّ فِیْ — اور جہاں وہ سونپا جاتا ہے
كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ — سب کچھ واضح کتاب میں
اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ — ہے اللہ ہی جس
لِمَنْ يَّشَآءُ — کے لیے چاہتا ہے روزی
وَيَقْدِرُ ط وَفَرِحُوْا — فراخ اور تنگ کرتا ہے
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط — اور دنیا کی زندگی پر خوش
وَمَا الْحَيٰوةُ — ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت
الدُّنْيَا فِی الْاٰخِرَةِ — کے مقابلہ میں کچھ نہیں
اِلَّا مَتَاعٌ ۝ — مگر تھوڑا سا اسباب
اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ — بے شک تیرا رب جس
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ — کے لیے چاہے رزق کشادہ
وَيَقْدِرُ ط اِنَّهٗ — کرتا ہے اور تنگ بھی کرتا
كَانَ بِعِبَادِهٖ — ہے بے شک وہ اپنے
خَبِيْرًا م بَصِيْرًا ۝ — بندوں کو جاننے والا دیکھنے
وَلَا تَقْتُلُوْٓا — والا ہے اور اپنی

اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ	اولاد کو تنگدستی کے ڈر
اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ	سے قتل نہ کرو ہم انہیں
نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ	بھی رزق دیتے ہیں اور
اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ	تمہیں بھی بے شک ان
خِطْاً كَبِيْرًا ۝	کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے
وَاْمُرْ اَهْلَكَ	اور اپنے گھروالوں کو نماز
بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ	کا حکم کر اور خود بھی اس
عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ	پر قائم رہ ہم تجھ سے
رِزْقًا ؕ نَحْنُ	روزی نہیں مانگتے ہم تجھے
نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ	روزی دیتے ہیں اور پرہیزگاری
لِلتَّقْوٰى ۝ اَمَّنْ	کا انجام اچھا ہے بھلا
يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ	کون ہے جو از سر نو خلقت
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ	کو پیدا کرتا ہے پھر اسے
يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ	دوبارہ بنائے گا اور کون
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	ہے جو تمہیں آسمان اور
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ	زمین سے روزی دیتا ہے
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ	کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور
اِنْ كُنْتُمْ	بھی معبود ہے کہدے اپنی
صٰدِقِيْنَ ۝	دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو
وَقَالُوْٓا اِنْ	اور کہتے ہیں اگر ہم تیرے
نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ	ساتھ ہدایت پر چلیں تو

نُتَخَطَّفْ مِنْ	اپنے ملک سے اچک لیے
اَرْضِنَا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ	جائیں کیا ہم نے انہیں حرم
لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا	میں جگہ نہیں دی جو امن
يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ	کا مقام ہے جہاں ہر قسم
كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا	کے میووں کا رزق ہماری طرف
مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ	سے پہنچایا جاتا ہے لیکن
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	اکثر ان میں سے نہیں جانتے
اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ	تم اللہ کے سوا بتوں ہی
دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا	کی عبادت کرتے اور جھوٹ
وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا	بناتے ہو جنہیں تم اللہ
اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ	کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	روزی کے مالک نہیں سو
لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ	تم اللہ ہی سے روزی مانگو
رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ	اور اسی کی عبادت کرو اور
الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا	اسی کا شکر کرو اسی کے
لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝	پاس لوٹائے جاؤ گے
وَكَاَيِّنْ مِّنْ	اور بہت سے جانور ہیں
دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ	جو اپنا رزق اٹھائے نہیں
رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا	پھرتے اللہ ہی انہیں اور
وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ	تمہیں رزق دیتا ہے اور
الْعَلِيْمُ ۝	وہ سننے والا جاننے والا ہے

اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ — اللہ ہی اپنے بندوں میں
لِمَنۡ یَّشَآءُ — سے جس کے لیے چاہتا ہے
مِنۡ عِبَادِہٖ — رزق کشادہ کر دیتا ہے اور
وَ یَقۡدِرُ لَہٗ ؕ اِنَّ — تنگ کر دیتا ہے بے شک
اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ — اللہ ہر چیز کا جاننے والا
عَلِیۡمٌ ۝ اَوَلَمۡ — ہے کیا وہ نہیں
یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ — دیکھتے کہ اللہ جس کے
یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ — لیے چاہتا ہے رزق کشادہ
لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ — کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے
اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ — بے شک اس میں ایمان
لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ — والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔
اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ — کیا تم نے نہیں دیکھا کہ
اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ — جو کچھ آسمانوں میں اور
مَّا فِی السَّمٰوٰتِ — جو کچھ زمین میں ہے سب
وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ — کو اللہ نے تمہارے کام
وَ اَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ — پر لگا رکھا ہے اور تم
نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً — پر اپنی ظاہری اور باطنی
وَّ بَاطِنَۃً ؕ وَ مِنَ — نعمتیں پوری کر دی ہیں اور
النَّاسِ مَنۡ — لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو
یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ — اللہ کے معاملے میں جھگڑتے
بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ — ہیں نہ انہیں علم ہے اور

لَا هُدًى وَّلَا نہ ہدایت ہے اور نہ روشنی
كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ٥ بخشنے والی کتاب
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم
نَسُوْقُ الْمَآءَ پانی کو خشک زمین کی
اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ طرف رواں کر کے اس
فَنُخْرِجُ بِهٖ سے کھیتی نکالتے ہیں جس
زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ سے ان کے چار پائے اور
اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ط وہ خود بھی کھاتے ہیں
اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ٥ پھر کیا وہ دیکھتے نہیں
قُلْ اِنَّ رَبِّيْ کہہ دو میرا رب جس
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ کے لیے چاہتا ہے روزی
يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط کشادہ کر دیتا ہے اور کم
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ کر دیتا ہے لیکن اکثر آدمی
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ نہیں جانتے ہیں انکی روزی
نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ تو ہم نے ان کے درمیان
مَّعِيْشَتَهُمْ فِي دنیا کی زندگی میں تقسیم کی
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ہے اور ہم نے بعض کے
وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بعض پر بلند کیے درجے
بَعْضٍ دَرَجٰتٍ تاکہ ایک دوسرے کو محکوم
لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بنا کر رکھے اور آپ کے
بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رب کی رحمت اس سے

رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا	کہیں بہتر ہے جو وہ
يَجْمَعُوْنَ ۝	جمع کرتے ہیں
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ	اور میں نے جن اور انسان
وَالْاِنْسَ اِلَّا	کو جو بنایا ہے تو صرف
لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَا	اپنی بندگی کے لیے میں
اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ	ان سے کوئی روزی نہیں
وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ	چاہتا کہ وہ مجھے کھلائیں
يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ	بے شک
اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ	اللہ ہی بڑا روزی دینے والا
ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝	زبردست طاقت والا ہے
وَمَنْ يَّتَّقِ	اور جو اللہ سے ڈرتا ہے
اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ	اللہ اس کے لیے نجات کی
مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ	صورت نکال دیتا ہے اور
مِنْ حَيْثُ لَا	اسے رزق دیتا ہے جہاں سے
يَحْتَسِبُ ۝ وَمَنْ	اسے گمان بھی نہ ہو اور جو
يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	اللہ پہ بھروسہ کرتا ہے
فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اِنَّ	سو وہی اس کو کافی ہے
اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط	بے شک اللہ اپنا حکم پورا
قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ	کرنے والا ہے اللہ نے ہر
لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝	چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر
	کر دیا ہے

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝

وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس پھر کر جانا ہے۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو روزی دے گا اگر وہ اپنی روزی بند کر لے کچھ نہیں بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں اڑے بیٹھے ہیں

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

کہہ دو بے شک میرا رب ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ کر دیتا ہے اور جو کوئی چیز بھی تم خرچ کرتے ہو سو وہی اس کا عوض دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا	اور کیا انہیں معلوم نہیں
اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ	کہ بیشک اللہ ہی روزی
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ	کشادہ کرتا ہے جس کی چاہے
وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ	اور تنگ کرتا ہے بے شک
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	اس میں ان لوگوں کے لیے
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝	نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے
هُوَ الَّذِيْ	ہیں وہی ہے جو
يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ	تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے
وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ	اور تمہارے لیے آسمان سے
السَّمَاۗءِ رِزْقًا	رزق نازل کرتا ہے اور سمجھتا
وَمَا يَتَذَكَّرُ	وہی ہے جو (اللہ کی طرف)
اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ	رجوع کرتا ہے اس کے
لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ	ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی
وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ	کنجیاں ہیں روزی کشادہ کرتا
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ	ہے جس کی چاہے اور تنگ
وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ	کر دیتا ہے بیشک وہ ہر
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝	چیز کو جاننے والا ہے
اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ	اللہ اپنے بندوں پر بڑا
يَرْزُقُ مَنْ	مہربان ہے جسے (جس قدر)
يَّشَاۗءُ وَهُوَ	چاہے روزی دیتا ہے اور
الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝	وہ بڑا طاقتور زبردست ہے

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ — اور اگر اللہ اپنے بندوں کی
الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ — روزی کشادہ کر دے تو
لَبَغَوْا فِی — زمین پر سرکشی کرنے لگیں
الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ — لیکن وہ ایک اندازے سے
بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ — اتارتا ہے جتنی چاہتا ہے
اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ — بیشک وہ اپنے بندوں سے
خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝ — خوب خبردار دیکھنے والا ہے
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا — اور ہم نے آدم کی اولاد کو
بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ — عزت دی ہے اور خشکی
فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ — اور دریا میں اسے سوار کیا
وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ — اور ہم نے انہیں ستھری
الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ — چیزوں سے رزق دیا اور
عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ — اپنی بہت سی مخلوقات پر
خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ — انہیں فضیلت عطا کی
فَاَمَّا الْاِنْسَانُ — لیکن انسان تو ایسا ہے کہ
اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ — جب اسے اس کا رب
رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ — آزماتا ہے پھر اسے عزت
وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ — اور نعمت دیتا ہے تو کہتا
رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ ۝ — ہے کہ میرے رب نے مجھے
عزت بخشی ہے
وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ — لیکن جب اسے آزماتا ہے

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۵ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۵ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۵ۙ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۵ۙ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۵

پھر اس پر اس کی روزی تنگ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو اور میت کا ترکہ سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو

بحث صفت ربوبیت کا خلاصہ

اس باب میں جو سب سے زیادہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں سے ایک لفظ رزق ہے، دوسرا لفظ رب ہے اور تیسرا لفظ رحمت اور چوتھا لفظ نعمت ہے۔ یہ سارے الفاظ مترادف ہیں۔ معنی سب کا ایک ہے۔ ان سب کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح سارے جہان کا خالق و مالک ہے، مربّی بھی ہے اور اس نے اپنی ساری مخلوق کے لیے ترزیق و تربیت کا انتظام و انصرام فرمایا ہے اور ہر ایک کو اس کے مزاج کے موافق روزی دیتا ہے۔ مثلاً مچھلیوں کو ان کے مزاج کے موافق چرند و پرند کو ان کے مزاج کے موافق اور حیوانوں اور انسانوں کو اپنی اپنی طبیعت کے موافق

دیتا ہے۔ اسی طرح نباتات وجمادات کو بھی اپنی اپنی نشوونما اور بقا کے لیے جس کی انہیں ضرورت ہے فراہم کرتا ہے۔ یہ روزی کا مسئلہ کسی کی عقل و دانش پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اپنی صوابدید اور مرضی پر موقوف ہے
حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے

اگر روزی بدانش بر فزودے ز ناداں تنگ تر روزی نہ بودے
بناداں آں چناں روزی رساند کہ دانا اندراں حیران بماند

عارف رومی کا شعر ہے ؎

اگر خواہی بمشرق رو و گر خواہی بمغرب رو
نیفزاید نہ کم گردد ز تقسیم ازل یک جو

اب ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وعدۂ روزی ہے اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان ایسے ہیں جو ایک نان جویں کو ترس رہے ہیں اور دوسری جانب ایسے ہیں جو روزی سنبھال بھی نہیں سکتے اتنے وافر ان کے پاس ذخائر موجود ہیں اتنی ناانصافی کیوں ہے۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز تقسیم کرنے کے اصول ہوتے ہیں کہ ان کے تحت، اگر چیز تقسیم ہو تو آسانی سے سب کو پہنچ جاتی ہے اگرچہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو اور اگر چیز کتنی ہی زیادہ ہو مگر نظام کے تحت تقسیم نہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ کسی کو ملے گی اور کسی کو نہیں ملے گی۔ اس طرح اللہ رب العزت نے تقسیم روزی کے اصول رکھے ہیں جن کی تفصیل اس باب میں مذکور ہے۔ اگر ان زریں اصولوں کے تحت روزی تقسیم ہو تو اتنی روزی ملتی کہ انسان سنبھال بھی نہ سکتا۔ اور اگر ان اصولوں کو نظر انداز کر دے تو کسی کو ملے گی اور کسی کو نہیں ملے گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بظاہر تو یہ نظر آتا ہے کہ امیر کو روزی زیادہ ملتی ہے اور غریب کو کم ملتی ہے۔ اور حقیقت اس کے برعکس ہے کہ غریب کو زیادہ ملتی ہے اور امیر کو کم ملتی ہے۔ کیونکہ زیادہ یا کم کا دارومدار روزی کے ذخائر پر نہیں بلکہ پیٹ میں جانے پر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ غریب زیادہ کھاتا ہے اور امیر کم کھاتا ہے کیونکہ غریب ایک ٹائم پر جو ناشتہ کرتا ہے اور بڑی خوشی اور آرام کے ساتھ اسے ہضم کرتا ہے اور خوب خراٹے مار مار کر سوتا ہے۔ امیر تین ٹائم پر بھی اتنا نہیں کھا سکتا اور جو کھالے اسے بڑی مشکل سے ہضم کرتا ہے اور آرام کی نیند کو شب و روز ترستا ہے مگر میسّر نہیں ہے۔ ؎

قسمت کیا قسّام ازل نے　　دیا ہر ایک کو جو اس کے قابل نظر آیا
بُلبل کو دیا نالہ اور پروانے کو دیا جلنا　　غم ہم کو دیا جو سب سے مشکل نظر آیا

غرضیکہ یہ تقسیم روزی اس لیے ہے تاکہ غریب محنت کرے اور سب تک روزی پہنچے اور اگر اس کو بھی امیر کی طرح بنا دیا جائے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ چنانچہ آج دنیا میں جو جنگ جاری ہے اور ایٹمی جنگ کی تیاریاں ہیں یہ اسی فکر اور سوچ کا نتیجہ ہے اور یہ اگر انسان اسلامی نظام حیات اپنالیں تو سارے آپس میں بھائی بھائی بن سکتے ہیں۔ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظام پر عمل کرا کر انسانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ یہاں ذیل میں دی ہوئی آیات سے رب العالمین کی رحیمانہ تقسیم کی حکمت معلوم ہوتی ہے اس مسئلہ کی پوری تفسیر و تفصیل اسلامی معیشت جلد سادس اور سابع میں ہے یہاں صرف اجمال نقل کیا گیا ہے تفصیل وہاں دیکھی جائے۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے

شہادت اوّل

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ	انہوں نے کہا تو پاک ہے
لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا	ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں
مَا عَلَّمْتَنَا	جتنا تو نے ہمیں بتایا ہے
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ	بے شک تو بڑے علم والا
الْحَكِيْمُ ○ قَالَ	حکمت والا ہے فرمایا
يٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ	اے آدم ان چیزوں کے نام
بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ	بتا دو پھر جب آدم نے
اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ	انہیں ان کے نام بتا دیے
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ	فرمایا کیا میں نے تمہیں
لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ	نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں
غَيْبَ السَّمٰوٰتِ	اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں
وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ	جانتا ہوں اور جو تم ظاہر
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا	کرتے ہو اور چھپاتے ہو

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (سورۃ البقرۃ آیت ۳۲، ۳۳) اسے بھی جانتا ہوں۔

تحقیق بعض الفاظ

قَالُوْا سُبْحَانَكَ تا تَكْتُمُوْنَ ○

عَلَّمْتَ صیغہ واحد مذکر ماضی ہے تَعْلِیْمٌ سے بنا ہے اس کا معنی سکھانا۔ آدَمُ سب آدمیوں کے باپ کا نام ہے۔ آدم کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں۔ یا اس کی پیدائش زمین سے ہے یا اس کا رنگ گندمی ہے یا اس کی تخلیق مختلف عناصر سے ہے یا اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی روح ڈالی ہے جس کی وجہ سے اس میں عقل وفراست اور شعور آیا ہے۔ اَنْبِئْ واحد مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے۔ اِنْبَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی خبر دینا۔ اَسْمَآءٌ اسم کی جمع ہے اصل میں سِمْوٌ واؤ کو حذف کر کے شروع میں ہمزہ لگایا گیا ہے۔ اَنْبَاَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے اِنْبَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی خبر دینا ہے۔ اَقُلْ واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے اصل میں اَقُوْلُ ہے۔ لام۔ لَمْ کی وجہ سے ساکن ہوا۔ اور پھر دو ساکن جمع ہونے کی وجہ سے پہلے کو حذف کر دیا گیا ہے تب اَقُلْ بنا اسکا معنی ہیں کہا اَعْلَمُ واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے عِلْمٌ سے بنا ہے اس کا معنی جاننا۔ تُبْدُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِبْدَآءٌ سے بنا ہے باب افعال سے ہے اس کا معنی ظاہر کرنا۔ كُنْتُمْ جمع حاضر ماضی ہے۔ كَوْنٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہونا۔ تَكْتُمُوْنَ جمع مضارع کا صیغہ ہے كِتْمَانٌ سے بنا ہے اس کا معنی چھپانا۔

تفسیر

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تین صفات مذکور ہوئی ہیں۔ صفت خالقیت، مالکیت اور ربوبیت۔

اور اب اس بحث میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا بیان ہے اور دراصل یہاں ایک شبہ کا ازالہ کرنا مقصود ہے۔ شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو مان لیا کہ ہر چیز کا خالق و مالک اور مربّی اللہ تعالیٰ ہے مگر اسے کیا پتہ ہے کہ اسکی مخلوق کہاں کہاں بستی ہے اور اسے کس طرح کی روزی کی ضرورت ہے۔ اس بحث میں اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے جس کا خلاصہ مقصد یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اور اس کا مزاج اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے آج سے پہلے یہ مسئلہ سمجھنا دشوار تھا کہ ایک خدا تعالیٰ کائنات کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو کس طرح جانتا ہے؟ اور اسے کس طرح دیکھ سکتا ہے؟ مگر سائنس جدید سے اس کی تصدیق ہو گئی ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ مثلاً ریڈیو اور ٹیلیویژن پر جو دنیا بھر کی خبریں نشر ہو رہی ہیں اور ٹیلیویژن پر تو تصاویر بھی نظر آتی ہیں اور یہ خبریں نشر کنندگان کی حرکات و سکنات کا بھی پتہ دیتی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مرد ہے یا عورت اور اسی طرح سیّارات کے ذریعہ زمین کے اندر کی چیزیں اور سمندر کی تہہ میں بھی جو چیزیں ہیں وہ بھی انسان دیکھ سکتا ہے۔ اور اسی طرح خلائی سیّارات کا دوربینوں کے ذریعہ مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا جو ان اسباب کا خالق ہے اس کے علم کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ انسان ان اسباب کا خالق نہیں ہے۔ یہ تو صرف ان کا موجد ہے۔ انکا خالق و مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس اس باب میں اللہ تعالیٰ کی اس صفتِ علمِ غیب کو ثابت کیا جائے گا کہ کائنات کا کوئی ذرّہ اس سے مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل واقعہ اس کی ایک کڑی ہے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام

کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار فرمایا کہ میں نے زمین میں اپنا خلیفہ بنانا ہے ۔ فرشتوں نے کہا کہ یہ زمین میں فساد کریگا اور خون ریزی کرے گا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا اور فرشتوں کا امتحان لیا اور چند چیزوں کے نام پہلے فرشتوں سے پوچھے تو وہ نہ بتا سکے اور کہا اے اللہ آپ کی ذات پاک ہے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہے ۔ آپ علیم و حکیم ہیں ۔ پھر اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھے تو انہوں نے فوراً وہ نام بتا دیئے ۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے ملکہ میں وہ قوت تھی اور فرشتوں کے ملکہ میں وہ قوت نہ تھی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ جو میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے اور میں آسمانوں اور زمین میں چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں ۔ اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو ۔

پس ان آیات سے ایک تو فرشتوں کا عقیدہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ سب کچھ جانتے ہیں ۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو جواب میں عرض کیا تھا کہ آپ علیم و حکیم ہیں اور علیم صیغہ مبالغہ ہے علم سے بنا ہے ۔ علم کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد اور اس کا اطلاق اشیاء کے حقائق جاننے پر ہوتا ہے اور حکیم بھی صیغہ مبالغہ ہے ۔ اس کی نسبت بھی جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد ان اشیاء کا استحکام ہوتا ہے ۔ پس فرشتوں کے مقولے کا مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کے حقائق اور ماہیت کو جاننے والا ہے اور ان میں استحکام پیدا کرنے والا ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جواب میں فرمایا کہ میں آسمانوں اور زمین

تمام چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں - اس سے مراد تمام کثیف چیزیں ہیں - اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو - اس سے مراد الفاظ اقوال اور تصورات ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تمام کثیف چیزیں بھی جانتے ہیں اور لطیف بھی جانتے ہیں - خلاصئہ کلام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی انتہاء نہیں ہے تو وہ اپنی روزی کھانے والی مخلوق اور اس کے مزاج کو بھی جانتا ہے

شہادت دوم

اللہ تعالیٰ ہر ظاہری اور مخفی چیز کو جانتے ہیں

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ سورۃ المائدہ آیت ۹۹

ترجمہ :- رسول پر صرف پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو -

تحقیق بعض الفاظ

رَسُوْلٌ واحد ہے اس کا معنی پیغام لیجانے والا - بَلَاغٌ مصدر

ہے اس کا معنی پہنچانا۔ یَعْلَمُ مضارع کا صیغہ ہے علم سے بنا ہے معنی جاننا۔ تُبْدُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِبْدَا سے بنا ہے معنی ظاہر کرنا۔ تَکْتُمُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے تِمَانٌ سے بنا ہے معنی چھپانا۔

اس آیت میں دو مضمون ہیں۔ ایک ہے کہ رسول پر صرف پیغام پہنچانا لازم ہے اور دوسرا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری اور باطنی باتیں جانتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے۔

شہادت سوم

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ (سورۃ المائدہ آیت ۱۰۹)

ترجمہ:۔ جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر کہے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ کہیں گے ہمیں کچھ خبر نہیں ہے۔ تو ہی چھپی باتوں کو جاننے والا ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

یَجْمَعُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے جمع سے بنا ہے۔ رُسُلَ رسول کی جمع ہے۔ اس کا معنی پیغام لے جانے والا۔ یَقُوْلُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ قَوْلٌ سے بنا ہے اس کا معنی کہنا۔ اُجِبْتُمْ

جمع حاضر ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اجابۃ سے بنا ہے اس کا معنی ماننا۔ علّام مبالغہ کا صیغہ ہے علم سے بنا ہے۔ اس کا معنی بہت جاننے والا۔ غُیُوب غیب کی جمع ہے اس کا معنی پوشیدہ چیزیں۔

تفسیر

یہ سورۃ المائدہ کی آیت ایک سونو ہے۔ اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ نقل فرمایا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب مانتے تھے۔ یہ واقعہ اصل میں قیامت کے دن میدانِ محشر کا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے انبیاء کو جمع فرمائیں گے اور ان سے دریافت فرمائیں گے کہ تمہیں جو فریضہ رسالت سونپا گیا تھا۔ اس کے کیا نتائج نکلے۔ کس نے مانا اور کس نے نہ مانا تو انبیاء علیہم السلام فرمائیں گے کہ اے اللہ آپ خود ہی جاننے والے ہیں آپ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

سوال:

یہ تو انبیاءؑ کی شان اور منصب کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے عہدۂ رسالت کی کارکردگی اور فریضۂ رسالت ادا کرنے کا احتساب فرمائیں اور وہ جواب میں کہیں کہ ہمیں کوئی پتہ نہیں ہے۔ آپ کو تو پتہ ہے آپ ہم سے کیوں پوچھتے ہیں؟ اس سے تو وہ سزا کے مستحق ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فریضۂ رسالت میں کوتاہی کی ہوگی۔ اور وہ ایسا جواب دے کر جان چھڑانا چاہیں گے۔

جواب:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس مقام پر لکھا ہے کہ علم دو قسم کا ہے۔ ظنِّ غالب اور یقین کامل۔ اور یہاں اس مقام پر جو انبیاءؑ کا جواب مذکور ہے کہ لَا عِلْمَ لَنَا۔ اس سے مراد یقین کامل ہے۔ اور ایمان ایک قلبی کیفیت ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں انبیاء کا یہی جواب دینا مناسب ہے کہ لَا عِلْمَ لَنَا کہ کس کس نے صدق دل سے ایمان قبول کیا اور کس نے نہ کیا۔ اس کا ہمیں علم نہیں ہے آپ ہی جانتے ہیں۔ بہرحال انبیاء علیہم السلام کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ کوئی بھی چھوٹی اور بڑی چیز اس کے علم لازوال سے باہر نہیں ہے۔

شہادت چہارم

اللہ تعالیٰ سینوں کے سربستہ راز جانتے ہیں

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِىْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِىْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ

وَلَآ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ۝ (سورۃ المائدہ آیت ۱۱۶)

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بناؤ وہ کہے گا تیری ذات پاک ہے کہ ایسی باتیں کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو ضرور معلوم ہوگا جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے اور جو تیرے دل میں ہے وہ میں نہیں جانتا۔ بے شک تو ہی چھپی باتیں جاننے والا ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

قَالَ ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ قَوۡلٌ سے بنا ہے لیکن یہاں ماضی مستقبل کے معنی میں ہے کیونکہ اِذۡ کے بعد آئی ہے۔ عِیۡسیٰ عیسٌ سے بنا ہے۔ سرخ بالوں والے سفید اونٹ کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبر تھے۔ مَرۡیَمُ ہر اس عورت کو کہتے ہیں جو پارسا ہو۔ اسے شوہر کی خواہش نہ ہو۔ یہاں مریم سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ قُلۡتَ واحد مذکر حاضر ماضی کا صیغہ ہے۔ قَوۡلٌ سے بنا ہے معنی کہنا۔ اِتَّخِذُوۡنِیۡ جمع حاضر امر کا صیغہ ہے۔ اِتِّخَاذٌ سے بنا ہے معنی پکڑنا۔ اِلٰهَیۡنِ اِلٰهٌ کی تثنیہ ہے اس کا معنی ہے معبود۔ سُبۡحٰنَ مصدر ہے بمعنی پاک۔ یَکُوۡنُ واحد مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے کَوۡنٌ

سے بنا ہے بمعنی ہونا ۔ اَقُوْلُ واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے قَوْلٌ سے
سے بنا ہے اس کا معنی کہنا ۔ لَيْسَ ماضی معروف کا صیغہ ہے مگر اس
کی صرف ماضی ہی مستعمل ہے اس کے مضارع وغیرہ کا استعمال نہیں ہے
اس کا معنی نہیں ۔ کُنْتُ واحد متکلم ماضی کا صیغہ ہے کَوْنٌ سے بنا
ہے اس کا معنی ہونا ۔ قُلْتُ واحد متکلم ماضی معروف کا صیغہ ہے قَوْلٌ
سے بنا ہے ۔ عَلِمْتَ واحد مذکر حاضر ماضی معروف کا صیغہ ہے علم سے
بنا ہے بمعنی جاننا ۔ تَعْلَمُ واحد مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے علم
سے بنا ہے جاننا ۔ اَعْلَمُ واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے علم سے بنا
ہے ۔ نَفْسٌ واحد ہے بمعنی جان ۔ عَلَّامٌ مبالغہ کا صیغہ ہے علم
سے بنا ہے ۔ غُیُوْبٌ غَیْبٌ کی جمع ہے معنی پوشیدہ ۔

تفسیر

یہ سورۃ المائدہ کی آیت ایک سو سولہ ہے ۔ اس میں علم الٰہی کے ہر چیز کے
محیط ہونے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت منقول ہے ۔ اور یہ واقعہ
بھی میدانِ محشر کا ہے چونکہ بعض لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ
حضرت مریم کو معبود مانتے ہیں ۔ اس لیے قیامت کے دن ان سے بھی حساب
لیں گے کہ اے عیسیٰ یہ دو خدا ماننے کا عقیدہ تو نے لوگوں کو سکھایا تو حضرت
عیسیٰ علیہ السلام جواب عرض کریں گے کہ اے اللہ آپ کی ذات تو شرک
سے پاک ہے ۔ جس بات کا مجھے حق نہیں وہ بات میں کیسے کہہ سکتا تھا ۔ اگر
میں نے ایسا کیا ہوگا تو وہ آپ کے علم میں ہوگا ۔ آپ میرے دل کی باتیں جانتے
ہیں ۔ میں آپ کے دل کی باتیں نہیں جانتا ۔ آپ تو ہر چھپی ہوئی چیز کو جانتے ہیں

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

شہادت پنجم

اللہ تعالیٰ انسان کے کسب جانتے ہیں

وَ هُوَ اللّٰهُ فِی	اور آسمانوں اور زمین میں
السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ	وہی اللہ ہے وہ تمہاری
یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ	مخفی اور ظاہری باتیں جانتا
وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝	ہے اور تم جو کرتے ہو
(سورۃ الانعام آیت ۳)	وہ بھی جانتا ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

اللہ اصل میں اِلٰہٌ ہے۔ اس کے شروع میں اَلْ لگایا اور ہمزہ کو حذف کیا اور لام کو لام میں ادغام کیا تو اللہ ہوگیا۔ اس کا معنی ہے معبود برحق۔ تَكْسِبُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے کسب سے بنا ہے معنی کام کرنا۔

تفسیر

یہ سورہ الانعام کی آیت تین ہے۔ اس میں بھی علم الٰہی کے ہر چیز کو محیط ہونے پر ثبوت ہے اس میں تین مضامین ہیں۔

پہلا یہ ہے کہ آسمان اور زمین میں معبود ہونے کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے ——— دوسرا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی مخفی اور ظاہری باتیں جانتا ہے یعنی تمام لطائف بھی اس کے علم میں ہیں۔
اور تیسرا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے کسب اور اعمال کو بھی جانتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کوئی بھی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں اس کا علم سب کو محیط ہے۔

شہادت ششم

تمام علوم کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں

وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ	اور اسی کے پاس غیب
لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا	کی کنجیاں ہیں جنہیں اس
هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ	کے سوا کوئی نہیں جانتا جو
مَا فِي الْبَرِّ	کچھ خشکی اور سمندر میں ہے
وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا	وہ سب کو جانتا ہے
تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ	اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر
إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ	وہ اسے بھی جانتا ہے
فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ	اور کوئی دانہ زمین کے تاریک
وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ	حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ
إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝	کوئی تر اور خشک چیز ہے
(سورۃ الانعام آیت ۵۹)	مگر یہ سب کتاب روشن میں ہے

تحقیق بعض الفاظ

مَفَاتِحُ جمع اسم آلہ کا صیغہ ہے مِفْتَحٌ سے بنا ہے اس کا معنی چابی ہے۔ تَسْقُطُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے۔ سُقُوْطٌ سے بنا ہے معنی گرنا۔ ظُلُمَاتٌ ظُلْمَۃٌ کی جمع ہے اس کا معنی تاریکی یَابِسٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے یَبْسٌ سے بنا ہے معنی خشک۔ مُبِیْنٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اِبَانَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی بات کھول کر بیان کرنا۔

تفسیر

یہ سورۃ الانعام کی آیت انسٹھ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم پر چھٹی شہادت ہے اس میں چار چیزوں کا بیان ہے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ غیب کی چابیاں اسی اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ یعنی علم غیب کا مالک وہی ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ اس سے مراد کلیّات ہیں۔

تیسری چیز یہ ہے کہ درخت سے گرنے والے ہر پتّے کو اور زمین کی تہوں میں پوشیدہ ہر دانے کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس سے مراد جزئیات ہیں علم

اور چوتھی چیز یہ ہے کہ ہر خشک و تر چیز لوح محفوظ میں ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علمی خزانہ ہے جو کبھی اس سے بھولتا نہیں ہے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ تمام کلیات و جزئیات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اسے وہ

کبھی بھولتا نہیں ہے۔

شہادت ہفتم

اللہ تعالیٰ انسان کے دن کے اعمال جانتے ہیں

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ	اور وہ وہی ہے جو رات
بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ	کو تمہیں اپنے قبضہ میں
مَا جَرَحْتُمْ	لے لیتا ہے۔ اور جو کچھ
بِالنَّهَارِ ثُمَّ	تم دن میں کر چکے ہو وہ
يَبْعَثُكُمْ فِيهِ	جانتا ہے پھر تمہیں دن میں
لِيُقْضٰى اَجَلٌ	اٹھا دیتا ہے تاکہ وہ وعدہ
مُّسَمًّى ط ثُمَّ	پورا ہو جو مقرر ہو چکا ہے
اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ	پھر اسی کیطرف تم لوٹائے
يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ	جاؤ گے۔ پھر تمہیں خبر
تَعْمَلُوْنَ ٥	دے گا اس کی جو کچھ تم
(سورۃ الانعام آیت ۶۰)	کرتے تھے۔

تحقیق بعض الفاظ

يَتَوَفّٰى واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ باب تَفَعُّلْ سے ہے۔ وَفَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی پورا کرنا۔ جَرَحْتُمْ جمع حاضر ماضی کا صیغہ ہے۔ جَرْحٌ سے بنا ہے اس کا معنی زخمی کرنا۔

کمانا۔ یَبْعَثُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ بَعْثٌ سے بنا ہے اس کا معنی اٹھانا۔ یُقْضٰی واحد مذکر مضارع مجہول کا صیغہ ہے قضاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی فیصلہ کرنا۔ مُسَمًّی واحد مذکر اسم مفعول کا صیغہ ہے باب تفصیل سے ہے تسمیہ سے بنا ہے نام رکھا ہوا، مقرر کیا ہوا۔ مَرْجِعٌ مصدر میمی ہے اس کا معنی لوٹنا۔ یُنَبِّئُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے نَبَأٌ سے بنا ہے اس کا معنی خبر دینا۔

تفسیر

یہ سورۃ الانعام کی آیت ساٹھ ہے اس میں بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اس میں پانچ چیزوں کا بیان ہے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو رات کے وقت اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اس سے مراد نیند ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ انسان دن میں جو کام کرتا ہے اللہ تعالےٰ اسے جانتے ہیں۔

تیسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو دن میں اٹھاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ زندگی کا جو وعدہ کیا ہوا ہے وہ پورا کرے۔

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد پھر خدا کے دربار میں حساب وکتاب کے لیے لوٹنا ہے۔

اور پانچواں مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان جو بھی عمل دنیا میں کرتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا برا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بتا دیں گے جو بھی اس نے عمل کیا ہوگا۔

پس اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے تب ہی تو اللہ تعالیٰ انسان کے دنیاوی کسب کو جانتے ہیں اور تب ہی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے نیک یا بُرے اعمال اس کے سامنے کھول کر بیان فرمائیں گے۔

شہادت ہشتم

وقوع قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ	وہ آپ سے قیامت
السَّاعَةِ اَيَّانَ	کے متعلق پوچھتے ہیں کہ
مُرْسٰهَا ؕ قُلْ	اس کی آمد کا کونسا وقت
اِنَّمَا عِلْمُهَا	ہے کہہ دو اس کی خبر تو
عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا	میرے رب ہی کے ہاں
يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا	ہے وہی اسے اس کے
اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ	وقت پر ظاہر کر دکھائے گا
فِی السَّمٰوٰتِ	وہ آسمانوں اور زمین میں
وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ	بھاری بات ہے وہ تم
اِلَّا بَغْتَةً ؕ	پر محض اچانک آئے گی۔
يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ	وہ تجھ سے پوچھتے ہیں گویا
حَفِیٌّ عَنْهَا	کہ تو اس کی تلاش میں لگا
قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا	ہوا ہے۔ کہہ دو اس

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ	کی خبر خاص اللہ کے ہاں
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	ہے لیکن اکثر لوگ نہیں
(سورۃ الاعراف آیت ۱۸۷)	جانتے ۔

تحقیق بعض الفاظ

یَسْئَلُوْنَ جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے سوال سے بنا ہے اس کا معنی پوچھنا ۔ سَاعَةٌ اوقات کے اجزاء میں سے ایک جزء کا نام ہے ۔ قیامت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ اس دن حساب ہوگا ۔ مُرْسَا اسم ظرف کا بھی ہو سکتا ہے اور مصدر بھی ہو سکتا ہے ۔ اَسَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی واقعہ ہونا ۔ یُجَلِّیْ واحد مذکر غائب مضارع معروف کا صیغہ ہے باب تفصیل سے بنا ہے جَلْوٌ یا جَلَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی ظاہر کرنا ۔ ثَقُلَتْ واحد مؤنث غائب ماضی معروف کا صیغہ ہے ۔ ثِقْلٌ سے بنا ہے اس کا معنی بوجھ ۔ بَغْتَةً واحد ہے اس کا معنی اچانک ۔ حَفِیٌّ واحد مذکر صفت مشبہ کا صیغہ ہے حَفْوٌ سے بنا ہے اس کا معنی مہربان ۔ اَكْثَرَ واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے کثرۃ سے بنا ہے اس کا معنی زیادہ ۔ یَعْلَمُوْنَ جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے علم سے بنا ہے اس کا معنی جاننا ۔

تفسیر

یہ سورۃ الاعراف کی آیت ایک سو ستاسی ہے ۔ اس میں بھی علم الٰہی کے

محیط ہونے کا ثبوت اور شہادت ہے کیونکہ کفار نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ قیامت کب آئے گی ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ رب العزت نے یہ آیت اتاری ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کفار کا سوال نقل فرمایا ہے کہ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی ۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ۔ ایک یہ ہے کہ اے نبی آپ کہہ دیں کہ قیامت کا علم میرے رب کے پاس ہے ۔ میرے پاس نہیں ہے اور وہی اس کو ظاہر کرے گا ۔ وہ قیامت جب برپا ہوگی تو وہ بہت بھاری ہوگی اور اچانک برپا ہوگی ۔ پہلے یہ بتایا نہیں جائے گا کہ وہ کونسی تاریخ کو ہوگی ۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ وہ کفار آپ سے یہ مسئلہ قیامت اس لیے دریافت کر رہے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ علم کے حاصل کرنے کے سلسلہ میں درپے ہیں ۔ آپ یہ کہہ دیں کہ اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور

اور آخر میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو علم قیامت ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا اس لیے آپ سے سوال کر رہے ہیں لہذا آپ انہیں سمجھائیں کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے ۔

شہادت نہم

اللہ تعالیٰ انسان کے مشورے اور حرکات جانتا ہے

اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ	کیا انہیں پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا بھید اور مشورہ جانتا ہے اور کہ اللہ چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہے۔
(سورہ التوبہ آیت ۷۸)	
اَلَاۤ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝	خبردار بے شک وہ اپنے سینے دہرے کر رہے ہیں تاکہ اس سے چھپ جائیں خبردار جس وقت وہ کپڑے ڈھانکتے ہیں وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا کر اور ظاہر کر کے کرتے ہیں بیشک وہ دلوں کی باتیں جاننے والا ہے
(سورۃ ہود آیت ۵)	

تحقیق بعض الفاظ

سِرٌّ مصدر ہے اس کا معنی بھید ہے۔ نَجْوٰی مصدر ہے اس کا معنی سرگوشی ہے۔ اَلَا حرف تنبیہ ہے سامع کی غفلت دور کرنے

کے لیے آتا ہے۔ یَثْنُوْنَ جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے ثَنْیٌ سے بنا ہے اس کا معنی دُہرانا۔ صُدُوْر، صَدْرٌ کی جمع ہے اس کا معنی ہے سینہ۔ یَسْتَخْفُوْا جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے اِسْتِخْفَاءٌ سے بنا ہے چھپانے کی کوشش کرنا۔ یَسْتَغْشُوْنَ جمع غائب مضارع کا صیغہ ہے غِشَاوَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی پردہ۔ ثِیَابٌ، ثوب کی جمع ہے اس کا معنی کپڑا۔ یُسِرُّوْنَ جمع غائب مضارع کا صیغہ ہے اِسْرَارٌ سے بنا ہے اس کا معنی بھید۔ یُعْلِنُوْنَ جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے۔ اعلان سے بنا ہے۔ اس کا معنی ظاہر کرنا۔ ذَاتُ ذُوْ کی مؤنث ہے اس کا معنی جو۔

تفسیر

یہاں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ التوبہ کی آیت اٹھترّ ہے اور دوسری سورۃ ھود کی آیت پانچ ہے۔ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا بیان ہے۔ پہلی میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دلوں کے بھید اور اُن کی آپس کی سرگوشیاں جانتا ہے اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ انسان جس وقت اپنے اوپر کپڑا اوڑھتا ہے اس حالت کو بھی وہ جانتا ہے۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر کثیف اور لطیف چیز کو حاوی ہے اس کے علم سے کوئی بھی چیز باہر نہیں ہے۔ پس اس کی روزی کھانے والی مخلوق جہاں بھی رہتی ہو وہ اسے جانتا ہے اور اس کے مزاج کو بھی جانتا ہے اور اسی کے موافق وہ اسے روزی مہیّا کرتا ہے۔

شہادت دہم

حضرت نوحؑ کا اعلان کہ اللہ عالم الغیب ہے

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ؕ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ (سورۃ ہود آیت ۳۱)

میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اس اللہ کے خزائے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب دان ہوں اور میں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ یہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں اللہ ان کو بھلائی نہ دے گا اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے ایسا کہوں تو میں بے انصاف ہوں۔

تحقیق بعض الفاظ

خَزَائِنَ، خزانۃ کی جمع ہے اس کا معنی خزانہ۔ مَلَكٌ بفتح لام فرشتہ بکسرہ لام بادشاہ۔ تَزْدَرِي واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے باب افتعال سے ہے زَدْیٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہے

کسی کا عیب بیان کرنا ۔ اَعْیُنٌ، عَیْنٌ کی جمع ہے اس کا معنی آنکھ۔ یُؤْتِیْ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اِیْتَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی دینا ۔ اَعْلَمُ واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے عِلْمٌ سے بنا ہے اس کا معنی جاننا۔ اِذًا یہ لفظ حِیْنَ اِذْ کَانَ کَذَا کا مخفف ہے۔ کَانَ کَذَا کو حذف کر کے اس کے عوض اِذَا پر تنوین لگا دی گئی ہے اس کا معنی ہے اس وقت

تفسیر

یہ سورۂ ھود کی آیت اکتیس ہے۔اس میں علمِ الٰہی کے محیط ہونے پر حضرت نوح علیہ السلام نے جو شہادت دی ہے اس کا بیان ہے درحصل حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفین نے آپؑ پر چار سوالات کیے تھے ۔

پہلا سوال یہ تھا کہ اے نوح اگر تو خدا کا پیغمبر ہوتا تو تیرے پاس خزانے ہوتے ۔ حالانکہ تو ایک غریب آدمی ہے اس لیے تو خدا کا پیغمبر نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر تو خدا کا پیغمبر ہوتا تو غیب دان ہوتا حالانکہ تجھے کل کی باتوں کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تو خدا کا پیغمبر نہیں ہے۔

ان کا تیسرا سوال یہ تھا کہ پیغمبر کوئی فرشتہ ہونا چاہیئے تھا حالانکہ تُو تو ایک انسان ہے اس لیے تو پیغمبر نہیں ہے۔

ان کا چوتھا سوال یہ تھا کہ تیرا یہ دین بے وقوف لوگوں نے قبول کیا ہے کسی عقل مند اور دانشور نے نہیں قبول کیا۔ اس لیے وہ دین بھی سچا نہیں ہے —— اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے

ذریعہ ان چاروں سوالات کے جوابات سکھائے تھے۔ اور آپ کو حکم دیا تھا کہ ان کافروں کو یہ جوابات پڑھ کر سنا دو۔ اور وہی جوابات اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل فرمائے تھے جو اس قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ میرے پاس اللہ تعالےٰ کے خزانے نہیں ہیں۔ خزانے صرف اللہ تعالےٰ کے پاس ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے خزانے تقسیم کرنے نہیں آیا بلکہ یہ بتانے آیا ہوں کہ خزانے اس کے پاس ہیں۔ اس سے تعلق جوڑو تاکہ تمہیں خزانے عطا کرے۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ میں علمِ غیب بھی نہیں جانتا۔ علمِ غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ میں تو یہی بتانے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اسے تمہاری ضروریات کا پتہ ہے۔ وہ تمہاری ہر ضرورت کی چیز مہیا کرے گا۔

تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ میں فرشتہ نہیں ہوں انسان ہوں کیونکہ تم زمین کے رہنے والے انسان ہو۔ اور تمہارے سمجھانے کے لیے انسان ہی رسول بنانا مناسب تھا۔

اور چوتھے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ دین قبول کر لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور اس کا صلہ عطا فرمائیں گے۔ چنانچہ یہ قرآن مجید اور تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان سائلین کفار کو غرق کیا اور حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو روئے زمین کا مالک بنا دیا اور آج کی یہ نسلِ انسانی انہیں کی اولاد ہے۔

شہادت یازدہم

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں جانتے ہیں

وَ لِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ	اور اللہ ہی جانتا ہے
وَالْاَرْضِ وَاِلَیْہِ	آسمانوں اور زمین کی چھپی
یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ	ہوئی چیزیں۔ اور سب
فَاعْبُدْہُ وَ تَوَکَّلْ	کاموں کا رجوع اسکی طرف
عَلَیْہِ وَمَا رَبُّکَ	ہے۔ اسی کی عبادت کرو
بِغَافِلٍ عَمَّا	اور اسی پر بھروسہ کر اور
تَعْمَلُوْنَ ۝	تمہارا رب تمہارے کاموں
(سورۃ ھود آیت ۱۲۳)	سے بے خبر نہیں ہے

تحقیق بعض الفاظ

یُرْجَعُ واحد مذکر مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ رجوع سے بنا ہے اس کا معنی لوٹنا۔ فَاعْبُدْ واحد مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے عبادت سے بنا ہے اس کا معنی بندگی کرنا۔ تَوَکَّلْ واحد مذکر امر حاضر معروف کا صیغہ ہے باب تَفَعُّلْ سے ہے وکالت سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی اپنا کام دوسرے کو سونپ دینا۔

تفسیر

یہ سورۃ ھود کی آیت ایک سو تیئس ہے۔ اس میں ایک اللہ تعالےٰ

کی صفتِ علمی کے احاطے کا بیان ہے اور یہ مضمون لِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ سے لیا ہوا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ یہ مضمون الیہ مرجع الامر کلہ سے لیا ہوا ہے۔ اور تیسرا حکم ہے کہ عبادت بھی اسی اللہ تعالیٰ کی کرو اور بھروسہ بھی اسی پر کرو۔ اور اس آیت سے واضح ہو گیا ہے کہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں۔

شہادت دوازدہم

اللہ تعالیٰ رحم مادر میں حمل کی ہر حالت جانتے ہیں

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا	اللہ کو معلوم ہے کہ جو
تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى	کچھ ہر مادہ اپنے پیٹ میں
وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ	لیے ہوتے ہے اور جو
وَمَا تَزْدَادُ وَ	کچھ پیٹ میں سکڑتا اور
كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ	بڑھتا ہے اور اس کے ہاں
بِمِقْدَارٍ ۝	ہر چیز کا اندازہ ہے پوشیدہ
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	اور ظاہر کا جاننے والا ہے
الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝	سب سے بڑا بلند مرتبہ ہے
سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ	تم میں سے جو شخص کوئی
اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ	بات چپکے سے کہے یا پکار
جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ	کر کہے اور جو شخص

هُوَ مُسْتَخْفٍ رات میں کہیں چھپ جائے
بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ یا دن میں چلے پھرے یہ
بِالنَّهَارِ ۝ وَلِلّٰهِ سب برابر ہیں اور
غَيْبُ السَّمٰوٰتِ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ
وَالْاَرْضِ ط وَمَا باتیں تو اللہ ہی کو معلوم
اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا ہیں اور قیامت کا معاملہ
كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ تو ایسا ہے جیسا آنکھ کا
هُوَ اَقْرَبُ ط جھپکنا یا اس سے بھی قریب
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ بے شک اللہ ہر چیز پر
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ قُلْ قادر ہے کہہ دو
كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا کہ اللہ میرے اور تمہارے
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ط درمیان گواہ کافی ہے
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ بیشک وہ اپنے بندوں سے
خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۔ خبردار دیکھنے والا ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

تَحْمِلُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے حَمْلٌ سے بنا ہے اس کا معنی اٹھانا ۔ اُنْثٰی واحد ہے ہر مادہ کو کہتے ہیں ۔ تَغِيْضُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے ۔ غَيْضٌ سے بنا ہے اس کا معنی سکڑنا ۔ اَرْحَامٌ، رَحِمٌ کی جمع ہے اس کا معنی رشتہ داری، شفقت، بچہ دانی ۔ تَزْدَادُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے ـــ

اِزْدِیَادٌ سے بنا ہے زیادۃ سے ماخوذ ہے۔ وِمِقْدَارٌ واحد اسم آلہ کا صیغہ ہے۔ قَدْرٌ سے بنا ہے اس کا معنی اندازہ کرنا۔ کَبِیْرٌ واحد مذکر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ کِبْرٌ سے بنا ہے اس کا معنی بڑا ہونا مُتَعَالٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ مُتَعَالِوٌ سے بنا ہے عُلُوٌّ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی بلندی۔ سَوَاءٌ مصدر ہے۔ اصل میں سواوٌ ہے۔ واؤ ثانی کو ہمزہ سے بدلا گیا ہے اس کا معنی برابر۔ اَسَرَّ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ اِسْرَارٌ سے بنا ہے اس کا معنی چھپانا۔ مُسْتَخْفٍ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے اِسْتِخْفَاءٌ سے بنا ہے۔ خِفَاء سے ماخوذ ہے اس کا معنی چھپانا۔ سَارِبٌ واحد مذکر اسم فاعل ہے سَرَبٌ سے بنا ہے اس کا معنی رات کے وقت چھپ جانا یا سرنگ

تفسیر

یہاں اس بحث میں مختلف سورتوں کی آیات نقل کی گئی ہیں۔ ان سب میں علمِ الٰہی کے محیط ہونے کا ثبوت اور وضاحت ہے۔ سب سے پہلے سورہ الرعد کی آیت آٹھ ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ ہر مادہ کے رحم میں جو ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور اسی طرح اس کے رحم میں جو حمل بڑھتا اور گھٹتا ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ہر چیز کا اللہ تعالیٰ نے اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔

اس کے بعد سورۃ الرعد کی آیت نو ہے۔ اس میں پہلی آیت کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت اونچی ذات ہے۔ جو چیزیں انسانوں سے مخفی ہیں

انہیں بھی جانتا ہے۔ اور جو چیزیں انسانوں کے سامنے ہیں انہیں بھی وہ جانتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ الرعد کی آیت دس ہے اس میں بھی پہلی آیت کی تفصیل ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ انسان جو ظاہری طور پہ بات کرے یا مخفی کرے اسے بھی وہ جانتا ہے۔ اور اسی طرح جو چیز رات کو چھپ جاتی ہے یا دن کو چھپ جاتی ہے ان سب کو وہ جانتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ النحل کی آیت ستتر ہے۔ اس میں بھی پہلے مضمون کی تائید اور وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہے۔ مگر اس آیت میں دو باتوں کا اضافہ ہے۔ ایک یہ ہے کہ قیامت آنکھ کے جھپکنے کی مقدار میں یا اس سے بھی قریب تر وقت میں واقع ہو جائے گی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قادر ہے۔ یعنی اس جہان کو اتنے قلیل وقت میں فنا کرنے پر قادر ہے۔ اسی طرح اس جیسے سینکڑوں اور جہاں بنانے پر بھی قادر ہے۔

اس کے بعد سورۃ بنی اسرائیل کی آیت چھیانویں ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت عملی پر خود گواہی دے رہے ہیں اور وہ گواہ کافی ہے اور اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے کے ساتھ ساتھ اس کی خبر بھی رکھتے ہیں اور اسے دیکھتے بھی ہیں۔

پس خلاصہ اور لبّ لباب یہ نکلا کہ ان آیات میں اس بات کی شہادت اور ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ہر لطیف چیز کو بھی جانتا ہے اور کثیف کو بھی جانتا ہے اور اشیاء کے حقائق اس کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ کچھ بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔

شہادت سیزدہم

اللہ تعالیٰ انسان کے منہ سے نکلنے والی ہر بات جانتے ہیں

وَ اِنْ تَجْهَرْ	اور اگر تو پکار کر بات
بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ	کہے وہ تو پوشیدہ اور اس
يَعْلَمُ السِّرَّ	سے بھی زیادہ پوشیدہ کو
وَاَخْفٰى ٥ يَعْلَمُ	جانتا ہے وہ جانتا
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	ہے جو کچھ ان کے آگے
وَ مَا خَلْفَهُمْ وَلَا	اور پیچھے ہے اور ان
يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ٥	کا علم اسے احاطہ نہیں
قٰلَ رَبِّيْ	کر سکتا رسول نے
يَعْلَمُ الْقَوْلَ	کہا کہ میرا رب آسمان اور
فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	زمین کی سب باتیں جانتا
وَ هُوَ السَّمِيْعُ	ہے اور وہ سننے والا
الْعَلِيْمُ ٥ اِنَّهٗ	جاننے والا ہے بے شک
يَعْلَمُ الْجَهْرَ	وہ جانتا ہے جو بات پکار
مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ	کر کہو اور جانتا ہے جو
مَا تَكْتُمُوْنَ	تم چھپاتے ہو اور اگر
وَاِنْ جٰدَلُوْكَ	تجھ سے جھگڑا کریں تو
فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ	کہہ دے اللہ بہتر جانتا ہے

بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ○	جو تم کرتے ہو
اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ	کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ
یَعۡلَمُ مَا فِی	جانتا ہے جو کچھ آسمان اور
السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ	زمین میں ہے یہ سب
ذٰلِكَ فِیۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ	کتاب میں لکھا ہوا ہے
ذٰلِكَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ○	یہ اللہ پر آسان ہے
اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ	فرشتوں اور آدمیوں میں سے
الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا	اللہ ہی پیغام پہنچانے کے
وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ	لیے چن لیتا ہے بے شک
اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ	اللہ سننے والا دیکھنے والا
بَصِیۡرٌ ○	ہے

تحقیق بعض الفاظ

اَخۡفٰی واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ خَفَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی پوشیدہ چیز۔ اَیۡدِیۡ، یَدٌ کی جمع ہے اس کا معنی ہاتھ۔ یُحِیۡطُوۡنَ جمع غائب مضارع کا صیغہ ہے احاطہ سے بنا ہے اس کا معنی گھیرنا جٰدَلُوۡا جمع غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ جَدۡلٌ سے بنا ہے اس کا معنی جھگڑا کرنا۔ یَصۡطَفِیۡ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِصۡطِفَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی پسند کرنا، چننا۔ رُسُلًا رسول کی جمع ہے۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں مختلف سورتوں کی آیات جمع کی گئی ہیں۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ اگرچہ اس مضمون کی آیات پہلے بھی گزر گئی ہیں مگر یہاں بعض چیزوں کا اضافہ ہے اس لیے مستقل دلیل کے طور پر انہیں یہاں نقل کیا گیا ہے۔

ان میں سے پہلی آیت سورۃ طٰہٰ کی آیت سات ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی چھپی ہوئی اور سب سے زیادہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ ان آیتوں سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔ اس میں ایک شبہ باقی تھا کہ شاید خدا تعالیٰ صرف اوپر کی سطح کی چیزیں جانتے ہوں گے اور تہہ بہ تہہ والی چیزیں نہیں جانتے ہوں گے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہاں سورۃ طٰہٰ کی آیت سات میں پہلے السِّرَّ اور پھر اس کے بعد اَخْفٰی لگا کر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ مخفی اور سب سے زیادہ تہہ بہ تہہ اشیاء کو بھی جانتے ہیں کیونکہ اخفٰی اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اور اس میں تناسب درجہ بدرجہ کا لحاظ ہوتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ طٰہٰ کی آیت ایک سو دس ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے سامنے کی چیزیں بھی جانتے ہیں اور قیامت کے بعد جو کچھ بھی ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد سورۃ انبیاء کی آیت چار ہے۔ اس میں باقی مضمون تو وہی ہے جو پہلے گزر گیا ہے مگر یہاں السمیع کا اضافہ ہے اس کا مقصد

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی باتیں سنتے بھی ہیں۔

اس کے بعد سورۃ انبیاء کی آیت ایک سو دس اور سورۃ حج کی آیت اڑسٹھ ہے۔ ان دونوں میں مضمون سابق کی تائید ہے۔ اس کے بعد سورۃ حج کی آیت ستر ہے۔ اس میں بھی مضمون سابق کی تائید ہے مگر یہاں ایک اضافہ ہے کہ یہ تمام علوم اللہ تعالیٰ کے علمی خزانے میں ہیں۔ اس کو لوح محفوظ کہتے ہیں۔ مگر یہاں ایک شبہ پڑتا ہے کہ اتنے سارے علوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح منضبط کر سکتے ہیں۔ پس آخری جملہ میں جواب دیا ہے کہ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

اس کے بعد سورۃ الحج کی آیت پچھتر ہے۔ اس میں دو مضمون ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ تعارف کرانے کے لیے اور اپنی صفات خالقیت و مالکیت و ربوبیت اور عالم الغیب بنانے کے لیے اپنی ہی طرف سے رسول منتخب کیے ہیں۔ یہ رسول انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور فرشتوں میں سے بھی ہوتے ہیں۔ فرشتہ رسول کا کام اللہ تعالیٰ سے پیغام وحی لے کر انسانی رسول تک پہنچانا ہوتا ہے اور انسانی رسول کا کام فرشتے سے وحی لے کر عام انسانوں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اور دوسرا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان رسولوں کی باتوں کو، اقوال اور الفاظ کو بھی جانتا ہے اور ان کی کارکردگی کو دیکھتا بھی ہے اور نگرانی بھی کرتا ہے کہ کون ان میں سے یہ فریضۂ رسالت ادا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے

شہادت چہاردہم

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تہوں میں رہنے والوں کو جانتے ہیں

قُلْ لَا یَعْلَمُ	کہہ دے اللہ کے سوا
مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں اور زمین میں کوئی
وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا	بھی غیب کی باتیں نہیں
اللّٰہُ ط وَمَا یَشْعُرُوْنَ	جانتا۔ اور انہیں اسکی بھی
اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝	خبر نہیں کہ کب اٹھائے
(سورۃ النمل آیت ۶۵)	جائیں گے۔

تحقیق بعض الفاظ

قُلْ امر کا صیغہ ہے۔ قَوْلٌ سے بنا ہے اس کا معنی کہنا۔ لَا یَعْلَمُ مضارع منفی کا صیغہ ہے علم سے بنا ہے اس کا معنی جاننا۔ مَا یَشْعُرُوْنَ جمع مضارع منفی کا صیغہ ہے۔ شُعُوْرٌ سے بنا ہے اس کا معنی سمجھنا۔ یُبْعَثُوْنَ مضارع مجہول جمع کا صیغہ ہے۔ بَعْثٌ سے بنا ہے اس کا معنی اٹھنا۔

تفسیر

یہ سورۃ النمل کی آیت پینسٹھ ہے۔ اس میں علمِ الٰہی کے محیط ہونے کا اثبات اور غیر اللہ سے اس کا نفی کا بیان ہے۔ اس سے پہلے علمِ الٰہی کے محیط

ہونے کا بھی بیان گزرا ہے۔ غیر اللہ سے اس کی نفی بیان نہیں کی۔ اور اب اس آیت میں غیر اللہ سے بھی علمِ غیب کی نفی بیان فرمادی ہے۔

سوال:

قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا علمِ غیب کوئی نہیں جانتا۔ حالانکہ ہر ایک نبی نے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ ماضی کی خبریں اور قیامت کے متعلق پیش گوئیاں فرمائی ہیں۔ جنت اور دوزخ کے واقعات بھی بتاتے ہیں اور نیز نجومی لوگ بھی اور سائنس دان بھی مستقبل کی خبر بتاتے رہتے ہیں۔ کیا یہ علمِ غیب نہیں ہے

جواب:

لفظ غیب کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی اور دوسرا شرعی۔ لغوی معنی کے لحاظ سے غیب ہر پوشیدہ چیز کو کہتے ہیں اور اس کا جاننے والا غیب دان بنتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی ایک بات جانتا ہے اور دوسرا اسے نہیں جانتا۔ پس اسے جاننے والا غیب دان متصور ہو گا اور اسے نہ جاننے والا غیر غیب دان ہو گا۔ اور شرعی معنی یعنی قرآنی اصطلاح میں علمِ غیب وہ ہے جو سوائے کسی کے بتلائے کے آئے۔ یہ علمِ غیب خاصۂ خدا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا علم حاصل کرنے کے میں کسی ذریعہ کا محتاج نہیں ہے۔ اسے وحی الہام یا القاء کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے قویٰ خمسہ (باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ، مُدرکہ) کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اکیلا از سرِ خود ہر چیز کا ایک خزانہ مخفی ہے۔ اور مخلوق میں سے ہر ایک

ان حواسس کا محتاج ہے۔ اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام ان حواس خمسہ کے علاوہ الہام، القاء اور وحی کے بھی محتاج ہوتے ہیں۔ پس قرآن مجید کی اصطلاح میں ان حواس خمسہ کے ذریعہ جو علوم آتے ہیں یا الہام و القاء اور وحی سے جو علوم آتے ہیں انہیں اخبار غیب کہتے ہیں۔

پس جو علم سوائے کسی ذریعہ کے آئے وہ علم غیب ہے اور وہ خاصۂ خدا ہے اور جو علم کسی ذریعہ سے آئے وہ خبر غیب ہے

قرآن مجید کی اس آیت ما نحن فیہ میں جو فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اس سے مراد اللہ تعالےٰ کا وہ خصوصی علم ہے۔ اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ ان کو تو یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ اپنا تعلق اس کے ساتھ جوڑے اور جس چیز کی ضرورت ہو تو اس سے مانگے۔ اور عاجز مخلوق جس کو اتنا پتہ نہیں کہ مرنے کے بعد کب اٹھائے جائیں گے ان سے نہ مانگے۔

شہادت پانزدھم

اللہ تعالیٰ سخت پتھر کے اندر کی چیز جانتے ہیں

یٰبُنَیَّ اِنَّھَا اِنْ — اے بیٹا اگر کوئی عمل رائی

تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ — کے دانہ کے برابر ہو پھر

مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ	یا وہ آسمان کے اندر ہو یا
فِیْ صَخْرَۃٍ اَوْ	وہ زمین کے اندر ہو تب
فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی	بھی اللہ اس کو حاضر کر
الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ	دے گا - بے شک اللہ
اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝	بڑا باریک بین اور باخبر ہے

(سورۃ لقمان آیت ۱۶)

تحقیق بعض الفاظ

بُنَیَّ اسمِ تصغیر ہے عربی میں یہ دستور ہے کہ کسی چیز کی جب چھوٹائی یا حقارت بیان کرنا مقصود ہو تو اس کے لیے جو لفظ آتا ہے اس کو اسمِ تصغیر کہتے ہیں اور یہ اسمِ تصغیر کبھی شفقت کے لیے بھی آتی ہے ۔ یہاں یہی مراد ہے تَكُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے ۔ اصل میں تَكُوْنُ ہے ۔ حرف ان کی وجہ سے نون ساکن ہوا پھر پہلے ساکن واؤ کو حذف کیا اور تخفیف کے طور پر نون کو بھی حذف کر دیا پھر تَكُ رہ گیا ۔ اس کا معنی ہو گی ۔ حَبَّةٍ واحد ہے ۔ اس کا معنی دانہ ۔ خَرْدَلٍ جنس ہے اس کا معنی رائی کا دانہ یَاْتِ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے ۔ اِتْیَانٌ سے بنا ہے اس کا معنی آنا ۔ لَطِيْفٌ مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ لُطْفٌ سے بنا ہے اس کا معنی نرمی کرنا ، باریک بینی ۔

تفسیر

یہ سورۃ لقمان کی آیت سولہ ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علمی احاطہ کا

ثبوت ہے - یہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے نصائح میں سے ایک نصیحت ہے - حضرت لقمان ایک مفتی، عالم دین اور ولی اللہ تھے - آپ حضرت داود علیہ السلام سے پہلے لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے اور حضرت داودؑ کے آنے کے بعد انہوں نے فتویٰ دینا ترک کر دیا تھا - اور آپ لوگوں کو فرماتے تھے کہ اب مسائل حضرت داود علیہ السلام سے پوچھو - وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں - آپ نے بیٹے کو بہت سی نصائح فرمائی تھیں جو قرآن مجید کی سورۃ لقمان (جو آپ کے نام سے ہی موسوم ہے) میں موجود ہیں - ان میں ایک نصیحت اس کی آیت سولہ میں موجود ہے -

فرمایا بیٹا - اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی سخت پتھر میں ہو یا آسمان میں ہو یا زمین میں ہو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن حاضر کر دیں گے - کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین ہے - پس حضرت لقمان کے اس انداز نصیحت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے -

شہادت شانزدہم

کل ہونیوالے واقعات کا علم اللہ کے پاس ہے

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ	بے شک اللہ ہی کو
عِلْمُ السَّاعَۃِ	قیامت کی خبر ہے اور
وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ج	وہی مینہ برساتا ہے اور
وَیَعْلَمُ مَا فِی	وہی جانتا ہے جو ماؤں

الْاَرْحَامِ ط وَمَا تَدْرِیْ	کے پیٹوں میں ہوتا ہے اور
نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ	کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا
غَدًا ط وما تدری نَفْسٌ	کرے گا ۔ اور کوئی نہیں
بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ط	جانتا کہ کس زمین میں
اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ○	مرے گا بے شک اللہ
(سورۃ لقمان آیت ۳۴)	ہی جاننے والا خبردار ہے

تحقیق بعض الفاظ

یُنَزِّلُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے ۔ تنزیل سے بنا ہے اس کا معنی ہے اتارنا ۔ غَیْث واحد ہے اس کا معنی بارش ہے اَرْحَام رِحْمُ کی جمع ہے معنی شفقت، بچہ دانی ۔ تَدْرِیْ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے ۔ دِرَایَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی سمجھنا ہے ۔ تَکْسِبُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے ۔ کَسْبٌ سے بنا ہے اس کا معنی کمانا ۔ غَدًا آنے والا کل ۔ قیامت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔ تَمُوْتُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے ۔ مَوْت سے بنا ہے اس کا معنی مرنا ۔ اِنَّ حرف تحقیق ہے ۔ سامع کا شک دور کرنے کے لیے لایا جاتا ہے اس کا معنی بے شک ۔ عَلِیْم خَبِیْر دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں ۔ معنی بے حد جاننے والا ۔ بے حد خبر رکھنے والا ۔

تفسیر

یہ سورۃ لقمان کی آیت چونتیس ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی

پرسولہویں شہادت ہے - اس میں بتایا ہے کہ پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے - ایک وقوع قیامت کا وقت - دوسرا نزولِ بارانِ رحمت کا وقت - تیسرا مادہ کے رحم میں کیا ہے - چوتھا کل آدمی کیا کریگا - اور پانچویں چیز یہ ہے کہ کسی کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا - آخر میں فرمایا کہ اللہ ہی یہ سب چیزیں جاننے والا باخبر ہے -

سوال:

حدیث میں فرمان نبویؐ ہے کہ قیامت ماہِ محرّم میں اور جمعہ کے دن واقع ہوگی - اور اسی طرح موسمیات والے بتلاتے رہتے ہیں کہ کل بارش کا امکان ہے اور اکثر اوقات بارش ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتی - اور اسی طرح آج کل ڈاکٹر بتا دیتے کہ ماں کے رحم میں بچہ ہے یا بچی ہے - اور اسی طرح نجومی یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ اس سال میں فلاں فلاں کام ہوں گے - چنانچہ اکثر وہ کام ہو جاتے ہیں اور کبھی نہیں بھی ہوتے - اور اسی طرح ڈاکٹر اور حکیم یہ بھی بتا دیتے ہیں - فلاں مریض اتنے وقت میں مرجائے گا - چنانچہ فی الواقع وہ مرجاتا ہے -

مگر قرآن مجید کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا - اب دونوں باتوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

جواب:

دراصل اس کا جواب پہلے آچکا ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں علمِ غیب وہ ہے جو سوائے کسی کے بتلانے کے آئے - یہ علم خاصۂ خداوند تعالیٰ

ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ علوم حاصل کرنے کے سلسلہ میں کسی بھی ذریعہ کا محتاج نہیں ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کے پاس جو علوم آتے تھے وہ وحی، الہام یا القاء کے ذریعہ آتے تھے ۔ ان کو قرآن میں غیب کی خبر فرمایا ہے ۔ اور اسی طرح ڈاکٹروں نجومیوں کے پاس جو علوم ہیں یہ سب علوم ذرائع اور آلات سے آتے ہیں یہ اخبار غیب ہیں علوم غیب نہیں ہے ۔

شہادت ہفدہم

زمین میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے والی اور آسمان سے اترنے اور چڑھنے والی چیزیں بھی وہ جانتا ہے،

يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ فِيۡهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيۡمُ الۡغَفُوۡرُ ○	وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس میں سے جو نکلتا ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ بے حد رحم والا بخشنے والا ہے ۔

(سورۃ السبا آیت ۲)

تحقیق بعض الفاظ

یَلِجُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ دُلُوْجٌ سے بنا ہے اس کا معنی داخل ہونا۔ یَعْرُجُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ عُرُوْجٌ سے بنا ہے اس کا معنی چڑھنا، بلند ہونا۔ لنگڑے کو بھی کہتے ہیں۔ رحیم اور غفورٌ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ رحیمٌ رِحْمٌ سے بنا ہے اس کا معنی شفقت غفورٌ غِفْرَۃٌ یا غُفُوْرٌ سے بنا ہے اس کا معنی بخشنا۔ اور بھی اس کے کئی معنی آتے ہیں۔

تفسیر

یہ سورۃ السبا کی آیت دو ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت علمی کا بیان ہے اس میں چار چیزیں ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ اب زمین کا طول و عرض کتنا ہے اور اس میں کیا کیا چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ اس کا صحیح اور پورا علم اور اندازہ وہ رب العلمین ہی جانتا ہے۔ انسان اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا ہے۔ صرف نمونے کے طور پر پانی، مردہ جانور اور انسان۔ حشرات الارض، سبزیات اور نباتات کا تخم وغیرھا۔ ان سب کو اس اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ اس کے علم سے کوئی بھی چیز باہر نہیں ہے اور دوسری چیز یہ ہے کہ جو چیز اس زمین سے نکلتی ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور اب وہ نکلنے والی چیزیں بھی بے شمار ہیں جن کی صحیح تعداد وہی جانتا ہے۔ البتہ مشت از نمونہ خروار کے طور پر پانی کا نکلنا۔ سبزیات کا پیدا ہونا۔ اور حشرات الارض کا ظاہر ہونا۔ اور سونے

اور چاندی کی کانیں اور دھاتیں بے شمار ہیں۔ ان کی صحیح تعداد بھی اسی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور تیسری آسمان سے جو چیز اترتی ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور وہ اترنے والی چیزیں ملائکہ، احکامات الٰہی، بارانِ رحمت وغیرہ ذالک بیشمار چیزیں ہیں۔ اور چوتھی جو چیز آسمان میں چڑھتی ہے اسے بھی وہی اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ اور یہ اشیاء لطیف بھی ہیں اور کثیفہ بھی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ اس کے علم سے کوئی بھی چیز باہر نہیں ہے۔

اور آخر میں وھو الرّحیم الغفورُ کا جملہ ازالۂ وہم کے لیے ہے، وہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علمی کمالات ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے اس کا جواب دیا ہے کہ وھُوَ الرَّحِیمُ الْغَفُوْرُ وہ نہایت مہربان بخشنے والا ہے یعنی اس کی شانِ رحمی کا یہ تقاضا ہے کہ اپنا دربار انہیں دکھائے اپنا تعارف کرائے اور اس کا اپنے بندوں سے جو تعلق اور واسطہ ہے اس سے انہیں آگاہ کرے۔ کہ وہی ان کا خالق و مالک ہے۔ وہی ان کا مربّی و محسن ہے اور وہ ان کی ہر حالت کو جانتا ہے۔ اور جب وہ لوگ اس سے اپنا تعلق جوڑیں گے تو وہ ان کے گناہ بھی معاف کردیگا۔ اور ان کا اس کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے لہٰذا انہیں چاہیئے کہ اسی کے ساتھ اپنا تعلق بندگی جوڑلیں۔

شہادت ہیژدہم

اللہ تعالےٰ سے کوئی کچھ بھی مخفی نہیں اور ہر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے،

وَ قَالَ الَّذِيْنَ	کافر کہتے ہیں کہ ہمارے
كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا	پاس قیامت نہیں آئے گی
السَّاعَةُ ط قُلْ بَلٰى	کہہ دو ہاں (آئے گی)
وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ	قسم ہے میرے رب
عٰلِمِ الْغَيْبِ ج لَا	غائب کے جاننے والے کی
يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ	وہ ضرور تم پر آئے گی۔
ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں اور زمین میں ذرّہ
وَلَا فِي الْاَرْضِ	برابر کوئی چیز اس سے
وَ لَا اَصْغَرُ مِنْ	مخفی نہیں اور نہ ذرہ سے
ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ	چھوٹی اور نہ بڑی کوئی
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ٥	بھی ایسی چیز نہیں جو
(سورۃ السبا آیت ۳)	لوح محفوظ میں نہ ہو

تحقیق بعض الفاظ

بَلٰى حرف ایجاب ہے اس کا معنی ہاں آتا ہے۔ واو یہاں ساتھ معنی قسم کے ہے۔ يَعْزُبُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے عُزُوْبٌ

سے بنا ہے ۔ معنی اس کا پوشیدہ ہونا ہے ۔ اَصۡغَرَ واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے ۔ صِغَرٌ سے بنا ہے اس کا معنی چھوٹا ۔ اَکۡبَرُ واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے ۔ کِبَرٌ سے بنا ہے اس کا معنی بڑا ۔ مُبِیۡنٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے ۔ تَبۡیِیۡنٌ سے بنا ہے اس کا معنی بیان کرنا ۔ ظاہر کرنا آتا ہے ۔

تفسیر

یہ سورۃ السباء کی آیت تین ہے ۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے علمی احاطہ کا بیان ہے ۔ اس میں دو مضمون ہیں ۔ ایک اللہ تعالیٰ کا کافروں پر شکوہ ہے ۔ اور دوسرا اس کا جواب ہے ۔ شکوہ وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَۃُ تک ہے ۔ یعنی کافر کہتے ہیں کہ قیامت ہمارے پاس نہیں آئے گی ۔ اور یہ جملہ شکوہ اس اعتبار سے ہے کہ شروع اور ابتداء قرآن مجید سے لے کر یہاں سورۃ السباء تک بار بار عقیدہ قیامت سمجھایا گیا ہے ۔ اور اس پر عقلی اور نقلی دلائل قائم کئے ہیں ۔ اور عبرتی نمونے بھی بیان فرمائے گئے ہیں ۔ مگر پھر بھی یہ مسئلہ انکی سمجھ میں نہیں آیا ۔ اور وہ کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی مگر اللہ تعالیٰ بہت بڑا مہربان ہے ۔ بجائے اس کے کہ ان کی ناسمجھی پر انہیں سزا دینا ۔ اس نے پھر بھی ان کے سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے اور اپنے حبیب اور رؤف رحیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ انہیں سمجھائیں ۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے الفاظ بھی آپ کو بتائے ہیں تو ان الفاظ سے انہیں تبلیغ حق فرمائیں کہ ہاں وہ آئے گی ۔ قسم ہے میرے

رب کی وہ قیامت ضرور، ضرور تمہارے پاس آئے گی اور چونکہ منکرین قیامت کو شبہ تھا کہ جب یہ موجودہ نظام سارا درہم برہم ہو جائے گا اور انسانی جسم کے اجزا دوسرے اجزا سے خلط ملط ہو جائیں گے۔ تو پھر دوبارہ ان اجزاء کو کیسے جمع کیا جا سکتا ہے؟ اس کو وہ کافر ناممکن سمجھتے تھے۔

پس اللہ تعالیٰ نے عربی اصول کے تحت اپنے کلام کو واء حرف قسم کے ساتھ موکد کر کے فرمایا کہ وہ قیامت آئے گی اور عالم الغیب سے لے کر آیت کے آخر تک جواب دیا ہے کہ ان اجزاء کو وہ جمع نہیں کر سکتا جو انہیں جانتا نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور اس نے ہر شئے کو لوح محفوظ میں جمع کیا ہوا ہے۔ اور لوح محفوظ سے مراد یا تو علم الٰہی ہے اور یا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کو محفوظ کرنے کے لیے کوئی فائل یا رجسٹر ہے جس میں سب چیزیں لکھی ہیں۔

شہادت نوزدھم

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی عمر کا علم ہے

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ	اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا
تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ	کیا پھر نطفہ سے پھر تمہیں
نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ	جوڑے بنایا اور کوئی مادہ
اَزْوَاجًا ط وَمَا تَحْمِلُ	حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ
مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ	جنتی ہے مگر اس کے علم
اِلَّا بِعِلْمِهٖ ط وَمَا	سے اور نہ کوئی بڑی عمر والا

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ	عمر دیا جاتا ہے اور نہ
وَلَا يُنْقَصُ مِنْ	اس کی عمر کم کی جاتی ہے
عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ	مگر وہ کتاب میں درج
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ	ہے بے شک یہ بات
يَسِيْرٌ ۝	اللہ پر آسان ہے

(سورۃ الفاطر آیت ۱۱)

تحقیق بعض الفاظ

خَلَقَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے خِلْقَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی پیدا کرنا۔ تُرَابٌ واحد ہے اس کا معنی مٹی۔ نطفہ واحد ہے اس کا معنی مرد اور عورت کا مادہ۔ جَعَلَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے جَعْلٌ سے بنا ہے اس کا معنی بنانا۔ اَزْوَاجٌ زَوْجٌ کی جمع ہے اس کا معنی جوڑا۔ تَحْمِلُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے۔ حَمْلٌ سے بنا ہے اس کا معنی اٹھانا۔ اُنْثٰی واحد ہے اس کا معنی مادہ۔ تَضَعُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے۔ وَضْعٌ سے بنا ہے اس کا معنی رکھنا۔ یُعَمَّرُ واحد مذکر مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب تفعیل سے ہے تعمیر سے بنا ہے اس کا معنی کوئی چیز تعمیر کرنا۔ مُعَمَّرٌ اسم مفعول کا صیغہ ہے باب تفعیل سے ہے تعمیر سے بنا ہے اس کا معنی کوئی چیز تعمیر کرنا۔ یُنْقَصُ واحد مذکر مضارع مجہول کا صیغہ ہے نَقْصٌ سے بنا ہے اس کا معنی کمی کرنا۔ یَسِیْرًا واحد مذکر صفت مشبہ کا صیغہ ہے یُسْرًا سے بنا ہے اس کا معنی آسانی پیدا کرنا۔

تفسیر

یہ سورۃ فاطر کی آیت گیارہ ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے علمی احاطہ کا بیان ہے ۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ سے لے کر ازواجًا تک کی تفسیر پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس کے بعد والی آیت کی تفسیر عرض کرنا ہے۔ اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ۔ ایک یہ ہے کہ ہر مادہ کے رحم میں جو ہوتا ہے یا وہ جنتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ کسی کی عمر جو بڑھتی یا کم ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور لوحِ محفوظ میں درج بھی ہے اور اتنے علوم کا اندراج اللہ تعالیٰ پہ آسان ہے مشکل کام نہیں ہے۔

شہادت بستم

اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت بھی جانتا ہے

یَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ	اور وہ آنکھوں کی خیانت
وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ہ	اور دل کے بھید جانتا
(سورۃ المؤمن آیت ۱۹)	ہے۔

تحقیق لبعض الفاظ

یَعْلَمُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے علم سے بنا ہے اس کا معنی جاننا خَآئِنَۃَ واحد مؤنث اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ خِیَانَۃٌ سے

بنا ہے اس کا معنی بد دیانتی کرنا۔ اَعۡیُنٌ عَیۡنٌ کی جمع ہے اس کا معنی آنکھ۔ تخفی واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے اِخۡفَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی پوشیدہ کرنا۔ صُدُوۡرٌ صَدۡرٌ کی جمع ہے اس کا معنی سینہ۔

تفسیر

یہ سورۃ المؤمن کی آیت انیس ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علمی احاطہ کا بیان ہے مگر یہاں علوم سے مراد لطیف اشیاء کے علوم ہیں۔ کیونکہ یہاں فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت جانتا ہے۔ اب وہ آنکھیں کتنی ہیں اور پھر وہ آنکھیں دوسرے کو کس خیال سے دیکھتی ہیں۔ اس کا علم صرف اس خداوند پاک کو ہے۔ یہاں منظور کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ناظر مجھے کس خیال سے دیکھ رہا ہے۔ اور اسی طرح سینوں کے سربستہ راز اور خیالات لطیف ہوتے ہیں۔ یہ بھی اس خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم سب کو محیط ہے اس کے علم سے کوئی بھی چیز باہر نہیں۔

شہادت بست ویکم

کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہے ہیں

اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا

اور قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور

تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ	کوئی پھل اپنے غلافوں سے نہیں نکلتا ۔ اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ وضع حمل کرتی ہے مگر اسی کے علم سے ہے کیا ان کے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز
سورہ حٰمٓ السجدۃ آیت ۵۳/۴۷	کو دیکھ رہا ہے۔
اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝	خبردار انہیں اپنے رب کے پاس حاضر ہونے میں شک ہے خبردار بے شک وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے
سورہ حٰمٓ السجدہ آیت ۵۴)	ہے۔

تحقیق بعض الفاظ

یُرَدُّ واحد مذکر مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ رَدٌّ سے بنا ہے اس کا معنی لوٹنا۔ ثَمَرَاتٌ، ثَمَرَۃٌ کی جمع ہے اس کا معنی پھل۔ اَکْمَامٌ، کِمٌّ کی جمع ہے گودے پر چڑھی ہوئی۔ کلی۔ یَکْفِ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ کفایت سے بنا ہے اس کا معنی کافی ہونا۔ شَهِیْدٌ واحد مذکر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ شہادت سے بنا ہے گواہی دینا۔ مِرْیَۃٌ مصدر ہے اس کا معنی شک۔ لِقَاءٌ مصدر

ہے ۔ اس کا معنی ملاقات کرنا ۔ مُحِیطٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے احاط سے بنا ہے باب افعال سے ہے ۔ اس کا معنی گھیر لینا ۔ اَلَا حرف تنبیہ ہے ۔ یہ سامع کی غفلت دور کرنے کے لیے لگایا جاتا ہے ۔

تفسیر

یہاں حٰمٓ السجدہ کی آیت سینتالیس، ترپن اور چون کا ایک ایک جملہ جمع کیا گیا ہے ۔ ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت علمی کے احاطہ کا بیان ہے ۔ پہلے جملہ میں فرمایا ہے کہ علم قیامت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور دوسرے جملہ میں فرمایا ہے کہ پھل جب اپنے غلافوں سے نکلتے ہیں اس وقت کا اور ان کے نکلنے کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے ۔ اور مادہ جب حاملہ ہوتی ہے اور جب وہ جنتی ہے اس وقت کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور اللہ تعالیٰ ہر وقت بچشم خود ان سب چیزوں کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے گھیرا ہوا ہے ۔

شہادت بست دوم

فنا شدہ چیزوں کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے

قَدْ عَلِمْنَا مَا	ہمیں معلوم ہے جو زمین
تَنْقُصُ الْاَرْضُ	ان میں سے کم کرتی ہے
مِنْهُمْ ج وَعِنْدَنَا	اور ہمارے پاس ایک
كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝	کتاب ہے جس میں سب

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ	کچھ محفوظ ہے اور وہی
وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ	سب سے پہلا اور سب
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ	سے پچھلا اور ظاہر اور
عَلِيْمٌ ۝	پوشیدہ ہے اور وہی ہر
(سورۃ ق آیت ۴ سورۃ حدید آیت ۳)	چیز کو جاننے والا ہے

تحقیق بعض الفاظ

عَلِمْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے۔ عِلْمٌ سے بنا ہے اس کا معنی جاننا
تَنْقُصُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے۔ نَقْصٌ سے بنا ہے اس کا معنی
کمی کرنا۔ حَفِيْظٌ واحد مذکر کا صیغہ ہے حافظ کے معنی میں ہے۔ اَوَّلُ
واحد مذکر اسم صفت ہے اصل میں اَأْوَلُ ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ
سے ہمزہ کو واؤ میں ادغام کر دیا گیا ہے تب اَوَّل پڑھا جاتا ہے۔ آخر
اصل میں اَأْخِرُ ہے۔ ہمزہ کو الف سے بدلا تو اٰخِرُ بن گیا۔ یہ اَوَّلَ
کا مقابل ہے۔ اول سب سے پہلا اور آخر سب سے پچھلا۔ اور اٰخَرُ
احد کا مقابل ہے۔ یعنی ایک اور دوسرا۔ ظَاهِرُ واحد مذکر اسم فاعل کا
صیغہ ہے اس کا معنی خود ظاہر ہونے۔ یا دوسرے کو ظاہر کرنے والا۔
بَاطِنٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا معنی پوشیدہ۔

تفسیر

یہاں دو آیتیں ہیں ایک سورۃ قٓ کی آیت چار ہے اور دوسری سورۃ
حدید کی آیت تین ہے۔ سورۃ قٓ والی آیت میں تو اتنا فرمایا ہے کہ زمین

ان میں سے جو کم کرتی ہے ہم اس کو جانتے ہیں۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب بھی ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔

اس کے بعد سورۃ الحدید کی آیت تلاوت کی ہے۔ اس میں ایک شبہ دور کرنا مقصود ہے۔ شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ قٓ والی آیت میں فرمایا ہے کہ ہم جانتے ہیں زمین جو ان میں سے کم کرتی ہے۔ یہاں نَنقُصُ مضارع کا صیغہ ہے اس میں زمانہ حال ہوتا ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ حال میں جو چیزیں زمین کم کرتی ہے ایسے تو اللہ تعالیٰ ضرور جانتے ہوں گے مگر زمانہ ماضی میں جو چیزیں زمین نے کم کی ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں؟ یا زمانہ مستقبل میں زمین جو چیزیں کم کرے گی کیا انہیں بھی وہ جانتے ہوں گے؟ تو اس کے جواب میں آیت حدید میں اللہ تعالیٰ کی چار صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

پہلی صفت ھوالاوّل وہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے تھا۔ اس سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ لہٰذا زمانہ ماضی میں جو چیزیں اب تک پیدا ہوئیں اور وہ فنا ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔

دوسری اس کی صفت یہ بیان فرمائی کہ اَلْاٰخِر وہ سب سے آخر بھی ہوگیا۔ یعنی جب یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا تو اس وقت بھی وہ ہوگا لہٰذا وہ فنا ہونے والوں کو بھی جانتا ہوگا۔

اور تیسری صفت بیان فرمائی ہے اَلظَّاهِرُ، اس کے دو معنی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ خود بخود ظاہر ہے اسے کوئی معرضِ وجود میں لانے والا نہیں ہے۔ اور دوسرا معنی وہ سب کو ظاہر کرنے والا ہے۔ یعنی ہر چیز کو وہی معرض وجود میں لانے والا ہے۔ لہٰذا وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

اور چوتھی صفت بیان فرمائی ہے الباطن پوشیدہ بھی وہی ہے۔ یعنی ہر چیز کے اندر اور تہہ میں وہی کام کر رہا ہے۔ لہٰذا وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جو چیزیں فنا ہو کر زمین میں چلی جاتی ہیں۔ اور وہ دوسرے اجزاء سے مل جاتی ہیں اور وہ آپس میں خلط ملط ہو جاتی ہیں اوہ کتنی ہی لطیف کیوں نہ ہو جائیں اور ان پہ کتنے ہی کروڑوں سال کیوں نہ گزر جائیں، اللہ تعالیٰ ان اجزاء کو اور ان کے خواص اور فوائد کو وہ جانتا ہے اور ان کے اچھے یا برے اعمال کو بھی وہ جانتا ہے۔ لہٰذا قیامت کے دن انہی خواص اور فوائد کے ساتھ۔ اور انہی اچھے یا برے اعمال کے ساتھ انہیں اٹھائے گا اور انہیں اپنے اپنے اعمال کا بدلہ دے گا۔

شہادت بست وسوم

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ	بے شک اللہ نے اس
قَوْلَ الَّتِيْ	عورت کی بات سن لی ہے
تُجَادِلُكَ فِيْ	جو آپ سے اپنے خاوند
زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ	کے بارے میں جھگڑتی تھی
اِلَى اللّٰهِ صلے وَاللّٰهُ	اور اللہ کی جناب میں شکایت
يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا	کرتی تھی اور اللہ تم دونوں
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ	کی گفتگو سن رہا تھا بیشک

بَصِيْرٌ ٥	اللہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے
يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ	جس دن ان سب کو
اللّٰهُ جَمِيْعًا	اللہ قبروں سے اٹھائے گا
فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا	پھر ان کو بتائے گا کہ
عَمِلُوْا اَحْصٰهُ	وہ کیا کرتے تھے جس کو
اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ	اللہ نے یاد رکھا ہے اور
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ	وہ اسے بھولے ہوئے ہیں، اور اللہ کے سامنے
شَيْءٍ شَهِيْدٌ ٥ اَلَمْ	ہر چیز موجود ہے کیا
تَرَ اَنَّ اللّٰهَ	آپ نے نہیں دیکھا کہ
يَعْلَمُ مَا فِي	اللہ جانتا ہے جو کچھ
السَّمٰوٰتِ وَمَا	آسمانوں اور زمین میں ہے
فِي الْاَرْضِ	(یہاں تک) کہ جو کوئی مشورہ
مَا يَكُوْنُ مِنْ	تین آدمیوں میں ہوتا ہے
نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ	تو وہ چوتھا ہوتا ہے اور
اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ	جو پانچ میں ہوتا ہے تو
وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا	وہ چھٹا ہوتا ہے اور خواہ
هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ	اس سے کم کی سرگوشی ہو
اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ	یا زیادہ کی مگر وہ ہر جگہ
وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا	ان کے ساتھ ہوتا ہے
هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ	پھر انہیں قیامت کے دن

مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝
تو بتائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (سورۃ المجادلہ آیت ۱-۶)

تحقیق لبعض الفاظ

سَمِعَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ سَمْعٌ یا سَمَاعَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی سُننا۔ تُجَادِلُ واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے باب مفاعلہ سے ہے۔ مُجَادِلَہ سے بنا ہے۔ اس کا معنی باہم جھگڑا کرنا۔ تَشْتَكِي واحد مؤنث مضارع کا صیغہ ہے۔ شَكْوٰی یا شِكَايَتٌ سے بنا ہے اس کا معنی گلہ کرنا۔ يَسْمَعُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے سَمْعٌ یا سَمَاعَۃٌ سے بنا ہے معنی سننا ہے۔ تَحَاوُرُ مصدر ہے باب تفاعل سے ہے حَوْرٌ سے بنا ہے اس کا معنی پریشانی۔ اس کے علاوہ اور بھی معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بَصِيْرٌ اور سَمِيْعٌ دونوں صیغے مبالغہ کے ہیں۔ بَصِيْرٌ بصارۃ سے بنا ہے اس کا معنی آنکھ سے دیکھنا بھی ہے اور اس کا معنی سمجھ رکھنا بھی ہے۔ سَمِيْعٌ سَمْعٌ سے بنا ہے اس کا معنی سننا۔ يَبْعَثُ فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ بَعْثٌ سے بنا ہے اس کا معنی اٹھانا۔ يُنَبِّئُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے تَنْبِیْہٌ سے بنا ہے اس کا معنی خبر دینا۔ اَحْصٰی واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ باب افعال سے ہے اِحْصَآءٌ سے بنا ہے اس کا معنی شمار کرنا۔ نَسُوْ جمع مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ نَسْیٌ یا نِسْیَانٌ

سے بنا ہے اس کا معنی بھولنا۔ تَرَ واحد مذکر مضارع ہے۔ نَجْویٰ
نَجْوٌ سے بنا ہے اس کا معنی بھید۔ رَابِعٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے
رَبْعٌ سے بنا ہے۔ اس کے مختلف معنی آتے ہیں۔ یہاں مراد چاریں سے
چوتھا۔ سَادِسٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ سُدْسٌ سے بنا ہے
اس کا معنی چھ میں سے چھٹا۔ اَدْنیٰ واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے
دُنُوٌّ سے بنا ہے اس کا معنی قریب ہونا یا کم ہونا۔ اَکْثَرُ واحد مذکر
اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ کَثْرَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی زیادہ ہونا۔

تفسیر

یہاں سورۃ المجادلہ کی تین آیات جمع کی گئی ہیں۔ آیت ایک، چھ اور سات
ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی خاص واقعہ سے متعلق ہے۔ چنانچہ تفاسیر
میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خولہ بنت زمعہ
نامی ایک عورت آئی۔ اور اس نے اپنے شوہر اوس بن صامت کے بارے
میں شکایت کی کہ اس نے مجھے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ کہا ہے۔ اس
کا لفظی معنی ہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے۔ اور آپ صلی اللہ
علیہ وسلم سے پہلے بیوی کو ایسا کہنے سے خاوند پر (وہ ہمیشہ کے لیے حرام سمجھی
جاتی تھی۔ اس لیے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئی تھی تاکہ
مسئلہ معلوم کرے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے متعلق کوئی آیت اتری
ہوئی نہیں تھی تاکہ آپ اسے بتانے کہ تو اپنے شوہر پر حرام ہے یا حلال ہے
پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر سورۃ مجادلہ کی پہلی آیات اتاریں۔ ان میں یہ بتایا ہے
کہ ایسا کہنے سے عورت اپنے خاوند پر ہمیشہ حرام نہیں ہوتی مگر اس خاوند کو

کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے اور اللہ پاک نے جو یہ آیات اتاری ہیں اور ان میں اپنا قانون اور ضابطہ اس نے بیان فرمایا ہے اسے اس کا پتہ کس طرح چل گیا تھا۔

تو آیت نمبر ایک میں بتایا ہے کہ اے نبی جب وہ عورت تیرے ساتھ اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے تمہاری باہم گفتگو سن لی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے۔ پس اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کی گفتگو بھی سنتے ہیں۔ اور آیت چھ میں بتایا ہے کہ اسی علم کی بنا پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب انسان کو اٹھائیں گے تو اس اس کے اچھے یا برے اعمال کی تفصیل بتا دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ لوگوں کے اعمال کو یاد رکھتے ہیں اور ان کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ اور لوگ اپنے اعمال کو بھول جاتے ہیں۔ اس لیے اس سے کوئی چیز قیامت کے دن بھی مخفی نہیں ہو گی۔

آیت سات میں اس کی مزید تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی ہوئی چیزوں کو جانتے ہیں۔ دو آدمی باہم مل کر کوئی مشورہ کریں تو چوتھا ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ پانچ ہوں تو چھٹا اللہ تعالےٰ ہوتا ہے۔ اور اسی طرح تین سے کم ہوں یا چھ سے زیادہ ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور انہیں جانتا ہے۔

پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے

شہادت بست وچہارم

اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز کا خالق ہے اسلیے اسے جانتا بھی ہے

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ	اور تم اپنی بات کو چھپاؤ
اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ ؕ	یا ظاہر کرو بے شک وہ
اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ	سینوں کے بھید جانتا ہے
الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا يَعْلَمُ	کیا وہ آگاہ نہ ہوگا جس
مَنْ خَلَقَ وَهُوَ	نے سب کو پیدا کیا ہے؟
اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝	اور وہ تو بڑا باریک بین
(سورۃ الملک آیت ۱۳-۱۴)	خبردار ہے

تحقیق بعض الفاظ

اَسِرُّوْا جمع مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے۔ باب افعال سے ہے۔ اِسْرَارٌ سے بنا ہے اس کا معنی چھپانا۔ اِجْهَرُوْا جمع حاضر امر کا صیغہ ہے جَهْرٌ سے بنا ہے اس کا معنی ظاہر کرنا۔

تفسیر

یہ سورۃ الملک کی آیت تیرہ اور چودہ ہیں۔ ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے علمی احاطہ کا بیان ہے۔ پہلی آیت میں بتایا ہے کہ اگر تم دل میں بات چھپائے رکھو یا اسے اپنے منہ سے ظاہر کرو ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے

اور دوسری آیت میں اس پر ایک دلیل پیش کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ چونکہ سب چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے اس لیے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے کیونکہ دنیا میں یہ مانی ہوئی حقیقت ہے کہ چیز کا بنانے والا اپنی بنائی ہوئی چیز کی پوری حقیقت، فوائد اور اس کے سارے پرزہ جات کو جانتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ تو سارے جہان کا خالق ومالک ہے اس لیے وہ اپنی بنائی ہوئی ہر چیز کی حقیقت اور اجزاء کو جانتا ہے۔ عام ہے کہ وہ اجزا خواہ کثیف ہوں یا لطیف ہوں۔ دلوں کے سربستہ راز ہوں یا وہ باتیں کسی کے منہ سے نکل رہی ہوں وہ سب اس کے علم میں ہیں۔

اور آخر میں فرمایا ہے وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ یعنی وہ اللہ تعالیٰ باریک سے باریک چیز کو دیکھتا ہے۔ اور وہ ہر چیز کی خبر گیری بھی کرتا ہے وہ اپنی بنی ہوئی چیز کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ ان کی حفاظت کرتا ہے اور جو چیزیں فنا ہو رہی ہیں وہ اپنا وقت پورا ہونے کی وجہ سے ختم ہو رہی ہیں۔

شہادت بست وپنجم

اللہ تعالیٰ خلائی مخلوق کو بھی جانتے ہیں

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى	اور کیا انہوں نے اپنے
الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ	اوپر پرندوں کو پر کھولتے
صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ	اور سکیڑتے ہوئے نہیں دیکھا
مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا	جنہیں رحمان کے سوا کوئی
الرَّحْمَٰنُ إِنَّهُ بِكُلِّ	نہیں تھام رہا۔ بے شک

شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ؁ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے

تحقیق بعض الفاظ

یَرَوۡ جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ رُؤیتہٗ سے بنا ہے یہ لفظ رُؤیت بصری اور قلبی دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ صافّات جمع مؤنث اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا واحد صَافَّۃٌ ہے۔ صَفٌّ سے بنا ہے۔ یہ لفظ صف باندھنے اور اکھاڑنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے کہ فرشتے اپنے بندھے ہوئے پروں کو کھولتے ہیں۔ یَقۡبِضۡنَ جمع مؤنث مضارع کا صیغہ ہے۔ قَبۡضٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہے سکڑنا۔ یُمۡسِكُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ باب افعال سے ہے اِمۡسَاکٌ سے بنا ہے اس کا معنی روکنا۔

تفسیر

یہ سورۃ الملک کی آیت انیس ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے علمی احاطہ کا بیان ہے۔ اس میں بظاہر ذکر صرف پرندوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پر کھولنے اور سکیڑنے کو بھی جانتے ہیں مگر مراد پوری خلائی مخلوق ہے۔ کیونکہ ذکر جزء مراد کل عربی کا مشہور محاورہ ہے اور یہاں ایک جنس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور مراد تمام خلائی اجناس ہیں جیسا کہ آج کل جدید محاورہ میں ہوائی جہازوں کو بھی طیارہ کہتے ہیں۔

پس خلاصہ کلام یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ تمام خلائی مخلوقات کو اور اسکی ہر کیفیت اور ہر حالت کو بھی جانتے ہیں۔

شہادت بست و ششم

اللہ تعالیٰ نے اپنے بے بہا خزانۂ علمی میں سے رسولوں کو بھی کچھ عطا فرمایا ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا — وہ غیب جاننے والا ہے
يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ — اپنے غیب کی باتوں پر
اَحَدًا اِلَّا مَنِ — کسی کو واقف نہیں کرتا
ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ — مگر اپنے پسندیدہ رسولوں
فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ — کو۔ پھر اس کے آگے
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ — اور پیچھے محافظ مقرر کر
وَمِنْ خَلْفِهٖ — دیتا ہے تاکہ وہ بظاہر جان
رَصَدًا ۝ لِيَعْلَمَ — لے کہ انہوں نے اپنے
اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا — رب کے پیغامات پہنچا دیئے
رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ — اور اللہ نے تمام کاموں کو
وَاَحَاطَ بِمَا — اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے
لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى — اور اس نے ہر چیز کی گنتی
كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا — کر رکھی ہے۔

(سورۃ الجن آیت ۲۶-۲۷-۲۸)

تحقیق بعض الفاظ

يُظْهِرُ واحد مذکر فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ باب افعال سے ہے اِظْهَارٌ سے بنا ہے اس کا معنی واقف کرنا۔ اِرْتَضٰى واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ باب افتعال سے ہے۔ اِرْتِضَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی پسند کرنا۔ يَسْلُكُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ سَلْكٌ سے بنا ہے اس کا معنی چلنا یا چلانا۔ رَصَدًا مصدر ہے اس کا معنی پہریدار اَبْلَغُوْا جمع غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ اِبْلَاغٌ سے بنا ہے۔ اس کا معنی پہنچانا۔ رِسَالَاتٌ، رِسَالَةٌ کی جمع ہے اس کا معنی پیغام۔ اَحَاطَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے اِحاطہ سے بنا ہے۔ باب افعال سے ہے اس کا معنی احاطہ کرنا۔ اَحْصٰى واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے۔ اِحْصَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی شمار کرنا۔

تفسیر

یہاں سورۃ الجن کی آیت چھبیس، ستائیس اور اٹھائیس نقل کی گئی ہیں۔ ان میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور وہ اپنا غیب کسی کو بتاتا نہیں ہے۔ ہاں البتہ اپنے رسولوں میں سے جسے وہ پسند کرے اسے وہ بتا دیتا ہے۔

دوسری چیز یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان رسولوں کے پہریدار مقرر کئے ہوئے تھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی باتیں لوگوں تک پہنچاتے۔

تیسری چیز یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی ہر چیز کو شمار کیا ہے۔

ہے اور اس کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

شہادت بست وهفتم

اللہ تعالیٰ رات و دن کے اوقات اور لمحات کو بھی جانتے ہیں

اِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ	بے شک آپ کا رب
اَنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰى	جانتا ہے کہ آپ اور جو
مِنۡ ثُلُثَىِ الَّيۡلِ	لوگ آپ کے ساتھ ہیں
وَ نِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ	(کبھی) دو تہائی رات کے
وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ	قریب اور (کبھی) آدھی رات
الَّذِيۡنَ مَعَكَ	اور کبھی تہائی رات (نماز تہجد
وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ	میں) کھڑے ہوتے ہیں اور
وَالنَّهَارَ	اللہ ہی رات اور دن کا
(سورۃ المزمل آیت ۲۰)	اندازہ کرتا ہے۔
فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ	پس پڑھو جتنا قرآن میں
مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ عَلِمَ	سے آسان ہو اسے علم
اَنۡ سَيَكُوۡنُ	ہے کہ تم میں سے کچھ
مِنۡكُمۡ مَّرۡضٰى ۙ وَاٰخَرُوۡنَ	بیمار ہوں گے اور کچھ اور
يَضۡرِبُوۡنَ فِى	لوگ بھی جو اللہ کا فضل
الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ	تلاش کرتے ہوئے زمین پر
مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ	سفر کریں گے اور کچھ اور

وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ لوگ ہوں گے جو اللہ کی
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا راہ میں جہاد کریں گے پس
مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۔ پڑھو جو اس میں سے آسان ہو

تحقیق بعض الفاظ

یَعْلَمُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ عِلم سے بنا ہے اس کا معنی جاننا۔ تَقُوْمُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ قیام سے بنا ہے اس کا معنی کھڑا ہونا۔ اَدْنٰی واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے، دُنُوٌّ سے بنا ہے۔ اسی کا معنی قریب ہونا۔ ثُلُثَیِ اصل میں ثُلُثَیْنِ ہے اضافت سے نون گرا ہوا ہے اس کا معنی دو تہائی۔ یُقَدِّرُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ باب تفعیل سے ہے۔ تَقْدِیْرٌ سے بنا ہے اس کا معنی اندازہ لگانا

تفسیر

یہاں سورۃ المزمّل کی آیت بیس کو نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی کا بیان ہے۔ اصل میں یہ آیت ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ شروع اور آغازِ اسلام میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمّت پر نماز تہجد فرض تھا۔ اور آپ کا اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر عمل تھا۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے یہاں اعتراف فرمایا ہے کہ تیرا رب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی کبھی رات کی دو تہائی کے قریب اور کبھی آدھی رات۔ اور کبھی تہائی رات اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہو اور رات اور دن کا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی لگا سکتا ہے۔ تم نہیں لگا سکتے۔

بعد میں شب معراج میں جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی اُمت پر پانچ نمازیں فرض کیں تو نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی تھی۔ اب صرف تہجد کا نفلی درجہ باقی ہے۔ اور یہ نماز تہجد منسوخ کرنے کی علت آیت کے آخر میں بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم اس کو نباہ نہیں سکتے ہو کیونکہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کچھ چل پھر کر کاروبار بھی کریں گے اور کچھ اللہ کے راستے میں جہاد بھی کریں گے۔ اس لیے تہجد کی فرضیت منسوخ کردی گئی ہے

پس خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ رات اور دن کے اوقات و لمحات بھی جانتے ہیں اور تا قیامت انسانوں پر آنے والی کاروباری پریشانیاں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی ذمہ داریاں اور فرائض کو بھی جانتے ہیں کہ ان اللہ کے بندوں نے ان کو ادا کرنا ہے اس لیے نماز تہجد کی فرضیت منسوخ فرمائی ہے تاکہ ان پر آسانی ہو۔

دلائل نقلیہ کا بیان :- یہاں تک عقیدہ توحید پر عقلی دلائل کا بیان گزرا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تعارفی نمونے بیان ہوئے ہیں جن میں غور و فکر کرنے سے خود بخود اللہ تعالیٰ پر انسان کا یقین اور ایمان کامل پیدا ہوتا ہے مگر تاہم عقل چونکہ یہ آدمی کی عقل سلیم اور طبع مستقیم نہیں ہوتی۔ اسے ٹھوکر بھی لگ سکتی ہے۔ اور وہ صراطِ مستقیم اور جادۂ حق سے بھٹک سکتی ہے اسی لیے بہت سے لوگ دنیا میں یا عقیدہ توحید ہی کے منکر ہیں یا اس کا وجود ہی نہیں مانتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عقل کی تائید کے لیے عقیدہ توحید پر نقلی دلائل بھی دیئے ہیں تاکہ انسان اِن میں بھی غور و فکر اور تدبّر کر کے راہ نمائی حاصل کرے اور عقیدۂ توحید کا قائل بن جائے۔ اور دنیا میں یہ مانا ہوا اصول ہے۔ کہ ایک مفکّر اور

دانشور کی بات قابلِ حجت ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ایک یا چند جج مل کر جو فیصلہ کریں وہ قانون بن جاتا ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی کرنے کو تصور کیا جاتا ہے۔ اور ایسے مجرم کو سزا دی جاتی ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے تو بڑھ کر دنیا میں کوئی بھی انسانوں کا خیر خواہ اور ہمدرد نہیں گزرا لہٰذا ان کے اقوال و ارشادات اور فرامین اور ان کے اپنے عقائد یقیناً نسل انسانی کے لیے راہ ہدایت اور مشعل راہ ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف انبیاء علیہم الصلوٰۃ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور ان کے عقائد اور فرامین بھی نقل فرمائے ہیں۔ اور ان کے ساتھ جنات، ملائکہ اور پرندوں کے اقوال بھی نقل فرماتے ہیں۔ چنانچہ یہاں سب سے پہلے نبی ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کا عقیدہ نقل کیا جاتا ہے۔

دلیل نقلی اوّل

عقیدہ توحید حضرت آدم علیہ السّلام

وَ قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ	اور ہم نے کہا اے آدم
اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ	تم اور تمہاری بیوی جنت
وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا	میں جا کر رہو۔ اور اس
حَيْثُ شِئْتُمَا	میں سے جو چاہو اور جہاں
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ	سے چاہو کھاؤ اور اس
الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا	درخت کے نزدیک نہ جاؤ
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝	پھر ظالموں میں سے ہو جاؤ گے

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

(سورۃ البقرہ آیت ۳۵ تا ۳۷)

پھر شیطان نے انکو وہاں سے ڈگمگایا پھر انہیں اس عزت اور راحت سے نکالا کہ جس میں تھے۔ اور ہم نے کہا۔ تم سب اترو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے۔ اور سامان ایک وقت معین تک۔ پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کیے پھر اس نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

(سورۃ الاعراف آیت ۲۳)

ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔

تحقیق بعض الفاظ

اُسۡکُنۡ واحد مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے سکون سے بنا ہے اس کا معنی آرام کرنا۔ کُلَا تثنیہ مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے۔ اَکۡلٌ سے بنا ہے اس کا معنی کھانا۔ شِئۡتُمَا تثنیہ مذکر ماضی حاضر کا صیغہ ہے۔ شَیۡءٌ سے بنا ہے اس کا معنی چیز۔ چاہنا اور وہ کرنا۔ وَلَا تَقۡرَبَا تثنیہ حاضر نہی کا صیغہ ہے۔ قُرۡبٌ سے بنا ہے۔ اس کا معنی قریب ہونا۔ فَتَکُوۡنَا تثنیہ مذکر مضارع حاضر کا صیغہ ہے۔ اصل میں تَکُوۡنَانِ ہے۔ جواب نہی کی وجہ سے نون تثنیہ گر گیا ہے۔ کَوۡنٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہونا۔ اَزَلَّ واحد مذکر ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ زِلَّۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی پھسلنا۔ اِھۡبِطُوۡا جمع حاضر امر کا صیغہ ہے ھَبۡطٌ یا ھُبُوۡطٌ سے بنا ہے معنی اترنا، اتارنا۔ عَدُوٌّ واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ عداوۃ سے بنا ہے بمعنی دشمنی کرنا۔ فَتَلَقّٰی واحد مذکر ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ باب تَفَعُّل سے ہے۔ تَلَقُّوٌ سے بنا ہے۔ پہلے واو کو یا سے بدلا اور پھر یا کو الف سے بدلا گیا ہے تب تَلَقّٰی ہوا بمعنی حاصل کرنا۔ فَتَابَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے توبۃ سے بنا ہے بمعنی رجوع کرنا۔ تَوَّابٌ صیغہ مبالغہ ہے توبہ سے بنا ہے۔

تفسیر

ان آیات میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ تھے اور انہیں بطور امتحان جنّت

میں ٹھہرایا گیا تھا۔ اوران پر ہر قسم کی کھانے پینے کی چیزوں کی وسعت اور فراوانی تھی۔ اور انہیں بلا روک ٹوک ہر چیز کھانے کی اجازت تھی۔ مگر ایک قسم شجرہ کا پھل کھانے کی ممانعت تھی اور اس کا نقصان بھی انہیں بتا دیا گیا تھا کہ اگر تم اس کا پھل کھاؤ گے تو تم ظالموں میں سے شمار ہو گے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ شیطان نے بوجہ عداوت سازش کر کے آدم کو اس درخت کا پھل کھلا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بطور سزا آدم کو جنّت سے نکالا اور زمین میں رہنے کو کہا۔

تیسری چیز یہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں آدم نے معافی مانگی اور توبہ کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔ اوران کا منصب خلافت بھی بحال ہو گیا۔ اور دوبارہ جنّت میں داخلہ کے لیے مرنے کے بعد پھر زندگی سے مشروط کر دیا گیا۔ ہمارا مقصد یہاں یہ ہے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔ تب ہی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں توبہ کی تھی جیسا کہ ان کے معافی نامہ کے الفاظ بھی یہاں موجود ہیں۔

دلیل نقلی دوم

حضرت نوحؑ کا عقیدۂ توحید

لَقَدْ اَرْسَلْنَا	البتہ تحقیق بھیجا ہم نے
نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ	نوح کو طرف قوم اس
فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا	کی کے۔ پس کہا اے قوم

اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ	میری عبادت کرو اللہ کی
اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط	نہیں واسطے تمہارے کوئی
اِنِّیْٓ اَخَافُ	معبود سوائے اس کے تحقیق
عَلَیْکُمْ عَذَابَ	میں ڈرتا ہوں اوپر تمہارے
یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○	عذاب دن بڑے کے سے
قَالَ الْمَلَاُ مِنْ	کہا سرداروں نے قوم اس
قَوْمِہٖٓ اِنَّا لَنَرٰکَ	کی سے تحقیق ہم دیکھتے ہیں
فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○	تجھ کو بیچ گمراہی ظاہر کے
قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ	کہا اے قوم میری نہیں مجھ
بِیْ ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ	کو گمراہی ولیکن میں بھیجا ہوا
رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ	ہوں پروردگار عالموں کی طرف
الْعٰلَمِیْنَ ○ اُبَلِّغُکُمْ	سے پہنچاتا ہوں
رِسٰلٰتِ رَبِّیْ	تم کو پیغام پروردگار اپنے
وَاَنْصَحُ لَکُمْ	کے اور خیر خواہی کرتا ہوں
وَاَعْلَمُ مِنَ	تمہاری اور جانتا ہوں اللہ
اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○	کی باتوں سے جو کچھ کہ نہیں
اَوَعَجِبْتُمْ	جانتے تم کیا تعجب
اَنْ جَآءَکُمْ	کرتے ہو تم یہ کہ آئی
ذِکْرٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ	تمہارے پاس نصیحت رب
عَلٰی رَجُلٍ	تمہارے کی طرف سے اوپر ایک
مِّنْکُمْ لِیُنْذِرَکُمْ	مرد کے تم میں سے تاکہ

وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ ڈرا دے تم کو اور تو کہ
تُرْحَمُوْنَ ۝ بچو تم اور تاکہ تم رحم کئے
فَكَذَّبُوْهُ جاؤ پس جھٹلایا
فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ اس کو پس نجات دی ہم
مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ نے اس کو اور جو لوگ کہ
وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ ساتھ اس کے تھے بیچ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا کشتی کے اور ڈبو دیا ہم
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا نے ان لوگوں کو کہ جھٹلاتے
عَمِيْنَ ۝ تھے نشانیوں ہماری کو تحقیق
(سورۃ الاعراف آیت ۵۹ تا ۶۴) وہ تھی قوم اندھی۔

تحقیق بعض الفاظ

اُعْبُدُوْ جمع حاضر امر کا صیغہ ہے۔ عبادت سے بنا ہے بمعنی پرستش کرنا۔ اَخَافُ واحد متکلم مضارع معروف کا صیغہ ہے خوف سے بنا ہے بمعنی ڈرنا۔ نَرٰی جمع متکلم مضارع معروف کا صیغہ ہے رُاْیَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی دیکھنا۔ ضَلٰلٌ مصدر ہے بمعنی گمراہی یا راہ بھولنا۔ مُبِیْنٌ واحد مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افعال ہے۔ اِبَانَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی کھول کر بیان کرنا۔ اُبَلِّغُ واحد متکلم مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ تبلیغ سے بنا ہے اس کا معنی پہنچانا۔ رِسٰلٰتِ، رِسَالَۃٌ کی جمع ہے بمعنی پیغام۔ اَنْصَحُ واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے نصیحت سے بنا ہے اس کا معنی خیر خواہی

کرنا۔ عَجِبْتُمْ جمع حاضر ماضی ہے عَجَبٌ سے بنا ہے بمعنی تعجب کرنا۔ جَآءَ واحد مذکر ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ جَیْئَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی آنا۔ یُنْذِرُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے باب افعال ہے۔ اِنْذَارٌ سے بنا ہے اس کا معنی ڈرانا۔ تَتَّقُوْا جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ تَقْوٰی سے بنا ہے اور تَقْوٰی اصل میں وَقْیٌ سے بنا ہے واو کو تا سے بدلا اور کلمہ یا کو واو سے بدلا گیا ہے اور آخر میں یا زیادہ ہے۔ لَعَلَّ حرف ترجّی ہے (امید کرنا) مگر قرآن مجید میں اکثر تعلیلیہ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ تُرْحَمُوْنَ جمع مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ رِحْمٌ سے بنا ہے بمعنی شفقت کرنا۔ کَذَّبُوْا جمع مذکر ماضی کا صیغہ ہے تکذیب سے بنا ہے معنی جھٹلانا۔ اَنْجَیْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے۔ اِنْجَاءٌ سے بنا ہے بمعنی نجات دینا۔ اَغْرَقْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے۔ اِغْرَاقٌ سے بنا ہے بمعنی ڈبو دینا۔ عَمِیْنَ، عُمْیٌ سے بنا ہے اس کا معنی اندھا ہونا۔

تفسیر

ان آیات میں عقیدہ توحید پر دوسری نقلی دلیل کا بیان ہے۔ حضرت نوح علیہ السّلام نے اپنی قوم کو جو توحید کی دعوت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہاں قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ توحید کے قائل تھے۔ اور اس دعوت کے سلسلہ میں انہیں بڑی زحمت بھی اٹھانی پڑی تھی۔ اور جن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا اللہ

تعالیٰ نے انہیں نجات عطا فرمائی۔ اور جنہوں نے اس دعوت کو مسترد کیا وہ غرق کر دیئے گئے۔ مزید تفصیل مندرجہ ذیل ہے ملاحظہ فرمائیں۔

سلسلۂ انبیاء میں سب سے پہلے نبی اگرچہ آدم علیہ السّلام تھے۔ لیکن اُن کے زمانہ میں کُفر و ضلالت کا مقابلہ نہ تھا۔ ان کی شریعت میں زیادہ تر احکام بھی زمین کی آبادکاری اور انسانی ضروریات کے متعلق تھے۔ کفر اور کافر کہیں موجود نہ تھے۔ کفر و شرک کا مقابلہ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوا۔ اور رسالت و شریعت کی حیثیت سے دنیا میں وہ سب سے پہلے رسول تھے۔ اس کے علاوہ طُوفان میں پوری دنیا غرق ہو جانے کے بعد جو لوگ باقی رہے وہ حضرت نوح علیہ السّلام اور اُن کے رُفقاء سفینہ تھے۔ انہیں سے نئی دنیا آباد ہوئی اسی لیے اُن کو آدم اصغر کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قصص انبیاء کا آغاز بھی انہیں سے کیا گیا جس میں ساڑھے نوسو برس کی طویل عمر میں ان کی پیغمبرانہ جد و جہد اور اس پر اکثر اُمت کی کجروی اور اُس کے نتیجہ میں بجز تھوڑے سے مؤمنین کے باقی سب کا غرق ہونا بیان ہوا ہے تفصیل اس کی یہ ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ

نوح علیہ السلام آدم علیہ السلام کی آٹھویں پشت میں ہیں۔ مستدرک حاکم میں بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن گزرے ہیں۔ اور یہی مضمون طبرانی نے بروایت ابی ذرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے (تفسیر مظہری)۔ قرن عام طور پر ایک سو سال کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے ان دونوں کے درمیان اس روایت کے مطابق ایک ہزار سال کا عرصہ ہو گیا۔ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ حضرت

نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات سے آٹھ سو چھبیس سال بعد ہوئی ہے اور بتصریح قرآن ان کی عمر نو سو پچاس سال ہوئی، اور آدم علیہ السلام کی عمر کے متعلق ایک حدیث میں ہے کہ چالیس کم ایک ہزار سال ہے۔ اس طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش سے نوح علیہ السلام کی وفات تک کل دو ہزار آٹھ سو چھپن سال ہو جاتے ہیں (مظہری)۔ نوح علیہ السلام کا اصلی نام شاکر ہے اور بعض روایات میں سکن اور بعض میں عبدالغفار آیا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ ان کا زمانہ حضرت ادریس علیہ السلام سے پہلے ہے یا بعد میں۔ اکثر صحابہؓ کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام سے پہلے ہیں۔ (بحر محیط)

مستدرک حاکم میں بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوّت عطا ہوئی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے۔

آیت قرآن وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ سے ثابت ہے کہ نوح علیہ السلام کی بعثت و نبوت صرف اپنی قوم کے لیے تھی۔ ساری دنیا کے لیے عام نہ تھی اور ان کی قوم عراق میں آباد بظاہر مہذب مگر شرک میں مبتلا تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی وہ یہ تھی ——

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۔

یعنی اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

اس کے پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت ہے جو اصل اصول ہے۔ دوسرے جملہ میں شرک و کفر سے پرہیز کرنے کی تلقین ہے جو اس قوم میں وبا کی طرح پھیل گیا تھا۔ تیسرے جملہ میں اُس عذاب عظیم کے خطرہ سے آگاہ کرنا ہے جو خلاف ورزی کی صورت میں ان کو پیش آنے والا ہے۔ اس عذابِ عظیم سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے اور دنیا میں طوفان کا عذاب بھی۔ (کبیر)

ان کی قوم نے اس کے جواب میں کہا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

لفظ ملاء قوم کے سرداروں اور برادریوں کے چودھریوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعوت کے جواب میں قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کے دین سے ہم کو نکالنا چاہتے ہیں اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور جزا و سزا پانے کے خیالات یہ سب اوہام ہیں۔

اس دل آزار و دلخراش گفتگو کے جواب میں حضرت نوح علیہ السّلام نے پیغمبرانہ لہجہ میں جو جواب دیا وہ مُبلّغین اور مصلحین کے لیے ایک اہم تعلیم اور ہدایت ہے کہ اشتعال کی بات پر مشتعل اور غضب ناک ہونے کے بجائے سادہ لفظوں میں ان کے شبہات کا ازالہ فرما رہے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

یعنی اے میری قوم مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ۔ مگر بات یہ ہے کہ میں تمہاری طرح آبائی رسومِ جہالت کا پابند نہیں بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں جو کچھ کہتا ہوں ہدایاتِ ربّی سے کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام تم کو پہنچاتا ہوں جس میں تمہارا ہی بھلا ہے نہ اس میں اللہ تعالےٰ کا کوئی فائدہ اور نہ میری کوئی غرض ——— اس میں رب العالمین کا لفظ عقیدۂ شرک پر ضرب کاری ہے کہ اس میں غور کرنے کے بعد نہ کوئی دیوی اور دیوتا ٹھہر سکتا ہے نہ کوئی یزدان واہرمن ۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم کو جو قیامت کے عذاب میں شبہات ہیں اُس کی وجہ تمہاری بے خبری اور ناواقفیت ہے مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کا علمِ یقین دیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان کے دوسرے شبہ کا جواب ہے جو سورۂ مؤمنون میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً الخ یعنی ان کی قوم نے نوح علیہ السلام کی دعوت پر ایک شبہ یہ بھی کیا کہ یہ تو ہماری ہی طرح ایک بشر اور انسان ہیں ، ہماری ہی طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے ہیں ان کو ہم کیسے اپنا مقتدا مان لیں ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارے لیے کوئی پیغام بھیجنا تھا تو وہ فرشتوں کو بھیجتے جن کا امتیاز اور بڑائی ہم سب پر واضح ہوتی ۔ اب تو اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ہماری قوم اور نسل کا ایک آدمی ہم پر اپنا تفوق اور بڑائی قائم کرنا چاہتا ہے۔

اس کے جواب میں فرمایا اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ

تُرْحَمُوْنَ ○ یعنی کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے رب کا پیغام تمہاری طرف ایک ایسے شخص کی معرفت آیا جو تمہاری ہی جنس کا ہے تاکہ وہ تمہیں ڈراوے اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یعنی اس کے ڈرانے سے تم متنبہ ہو کر مخالفت چھوڑ دو جس کے نتیجہ میں تم پر رحمت نازل ہو۔

مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بشر کو رسول بنایا جاتے اوّل تو حق تعالیٰ مختارِ مطلق ہیں جس کو چاہیں اپنی نبوت و رسالت عطا فرمائیں اس میں کسی کو چوں چرا کی مجال نہیں۔ اس کے علاوہ اصل معاملہ پر غور کرو تو واضح ہو جائے کہ عام انسانوں کی طرف رسالت و نبوّت کا مقصد بشر ہی کے ذریعہ پورا ہو سکتا ہے فرشتوں سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ اصل مقصدِ رسالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت اور عبادت پر لوگوں کو قائم کر دیا جائے اور اس کے احکام کی مخالفت سے بچایا جائے۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان کی جنس بشر کا کوئی شخص نمونۂ عمل بن کر انکو دکھائے کہ بشری تقاضوں اور خواہشوں کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔ عذاب اُس وقت بھیجتے ہیں جب وہ اپنی کثرت، قوت اور دولت میں انتہا کو پہنچ جائیں اور اس میں بدمست ہو جائیں (ابن کثیر)

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں کتنے آدمی تھے اس میں روایات مختلف ہیں۔ ابن کثیرؒ نے بروایت ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اسیؔ آدمی تھے۔ جن میں ایک کا نام جرہم تھا یہ عربی زبان بولتا تھا۔ (ابن کثیر)

بعض روایات میں یہ تفصیل بھی آئی ہے کہ اسّی کے عدد میں چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ طوفان کے بعد یہ سب حضرات موصل میں

جس جگہ مقیم ہوئے اس بستی کا نام ثمانون مشہور ہو گیا۔

غرض اس جگہ نوح علیہ السلام کا مختصر قصّہ بیان فرما کر ایک تو یہ بتلا دیا کہ تمام انبیاء قدیم کی دعوت اور اصولِ عقائد ایک ہی تھے۔ دوسرے یہ بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی تائید و حمایت کس طرح حیرت انگیز طریقہ پر کرتے ہیں کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جانے والے طوفان میں بھی ان کی سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ واضح کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب عذابِ الٰہی کو دعوت دیتا ہے جس طرح پچھلی امتیں تکذیب انبیاء کے سبب عذاب میں گرفتار ہو گئیں۔ آج کے لوگوں کو بھی اُس سے بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔

دلیل نقلی سوم

حضرت ہُود علیہ السّلام کا عقیدۂ توحید

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ	اور بھیجا طرف عاد کے
هُوْدًا ؕ قَالَ	بھائی ان کے ہود کو کہا
یٰقَوْمِ اعْبُدُوا	اے قوم میری عبادت کرو
اللّٰهَ مَا لَكُمْ	اللہ کی نہیں واسطے تمہارے
مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ	کوئی معبود سوائے اُس کے
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝	کیا پس نہیں ڈرتے
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ	کہا سرداروں نے جو کافر

كَفَرُوْا مِنْ   ہوتے تھے قوم اس کی سے
قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ   تحقیق ہم دیکھتے ہیں تجھ کو
فِىْ سَفَاهَةٍ   بیچ بیوقوفی کے اور البتہ
وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ   گمان کرتے ہیں ہم تجھ کو
الْكٰذِبِيْنَ ○ قَالَ   جھوٹوں سے کہا اے
يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ   قوم میری نہیں مجھ کو
سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ   بیوقوفی ولیکن میں بھیجا
رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ   ہوا ہوں پروردگار عالموں
الْعٰلَمِيْنَ ○ اُبَلِّغُكُمْ   کی طرف سے پہنچاتا ہوں
رِسٰلٰتِ رَبِّىْ   میں تم کو پیغام رب اپنے کی
وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ   طرف سے اور میں واسطے
اَمِيْنٌ ○   تمہارے خیرخواہ ہوں
اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ   کیا تعجب کیا تم نے یہ کہ
جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ   آئی تمہارے پاس نصیحت
رَّبِّكُمْ عَلٰى   رب تمہارے کی طرف سے
رَجُلٍ مِّنْكُمْ   اوپر ایک مرد کے تم میں سے
لِيُنْذِرَكُمْ ط وَاذْكُرُوْٓا   تو کہ ڈراوے تم کو اور یاد
اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ   کرو جس وقت کہ کیا تم
مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ   کو جانشین پیچھے قوم
نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ   نوح کے اور زیادہ کیا تم
فِى الْخَلْقِ بَصْطَةً   کو بیچ پیدائش کے پھیلاؤ

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ   ہیں پس یاد کرو نعمتیں
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝   اللہ کی تو کہ تم فلاح پاؤ
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا   کہا انہوں نے کیا آیا ہے
لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ   تو ہمارے پاس اس واسطے
وَنَذَرَ مَا كَانَ   کہ عبادت کریں ہم اللہ
يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ   اکیلے کی اور چھوڑ دیں ہم جو
فَاْتِنَا بِمَا   کچھ تھے عبادت کرتے باپ
تَعِدُنَآ اِنْ   ہمارے پس لے آ ہمارے
كُنْتَ مِنَ   پاس جو کچھ وعدہ دیتا
الصّٰدِقِيْنَ ۝   ہے ہم کو اگر ہے تو سچوں
قَالَ قَدْ   سے کہا کہ تحقیق
وَقَعَ عَلَيْكُمْ   واقع ہوا اوپر تمہارے
مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ   پروردگار تمہارے سے عذاب
وَّغَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ   اور غصہ کیا جھگڑتے ہو
فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ   تم مجھ سے بیچ ناموں کے
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ   کہ رکھ لیے ہیں وہ نام تم
وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا   نے اور باپوں تمہارے نے
نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا   نہیں اتاری اللہ نے واسطے
مِنْ سُلْطٰنٍ ط فَانْتَظِرُوْٓا   اُن کے کچھ دلیل پس منتظر
اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ   رہو تحقیق میں بھی ساتھ تمہارے
الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝   منتظر رہنے والوں سے ہوں ۝

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ	پس نجات دی ہم نے
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ	اس کو اور اُن لوگوں کو
مِّنَّا وَقَطَعْنَا	کہ ساتھ اس کے تھے
دَابِرَ الَّذِیْنَ	ساتھ رحمت اپنی کے اور
كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا	کاٹ ڈالی ہم نے جڑ
وَمَا كَانُوْا	ان لوگوں کی کہ جھٹلاتے
مُؤْمِنِیْنَ ۝	تھے نشانیوں ہماری کو اور
(سورۃ الاعراف آیت ۶۵ تا ۷۲)	نہ تھے ایمان والوں سے

معارف و مسائل

عاد اور ثمود کی مختصر تاریخ عاد اصل میں ایک شخص کا نام ہے جو نوح علیہ السلام کی پانچویں نسل اور اُن کے بیٹے سام کی اولاد میں ہے۔ پھر اس شخص کی اولاد اور پوری قوم عاد کے نام سے مشہور ہو گئی۔ قرآن کریم میں عاد کی ساتھ کہیں لفظ عاداُولیٰ اور کہیں اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد کو اِرَم بھی کہا جاتا ہے اور عاد اولیٰ کے مقابلہ میں کوئی عاد ثانیہ بھی ہے، اس کی تحقیق میں مفسرین اور مؤرخین کے اقوال مختلف ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ عاد کے دادا کا نام اِرَم ہے۔ اس کے ایک بیٹے یعنی عوص کی اولاد میں عاد ہے یہ عاد اولیٰ کہلاتا ہے اور دوسرے بیٹے جثو کا بیٹا ثمود ہے۔ یہ عاد ثانی کہلاتا ہے۔ اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ عاد اور ثمود دونوں اِرَم کی دو شاخیں ہیں۔ ایک

شاخ کو عادِ اولیٰ اور دوسری کو ثمود یا عادِ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے اور لفظ ارم، عاد اور ثمود دونوں کے لیے مشترک ہے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ قوم عاد پر جس وقت عذاب آیا تو ان کا ایک وفد مکہ معظمہ گیا ہوا تھا وہ عذاب سے محفوظ رہا۔ اس کو عادِ اُخریٰ کہتے ہیں۔ (بیان القرآن)

اور ھُودؑ علیہ السلام ایک نبی کا نام ہے۔ یہ بھی نوح علیہ السلام کی پانچویں نسل اور سام کی اولاد میں ہیں۔ قوم عاد اور حضرت ھود علیہ السلام کا نسب نامہ چوتھی پشت میں سام پہ جمع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہود علیہ السلام عاد کے نسبی بھائی ہیں اسی لیے اَخَاهُمْ هُوْدًا فرمایا گیا۔

قوم عاد کے تیرہ خاندان تھے۔ عمان سے لے کر حضر موت اور یمن تک ان کی بستیاں تھیں۔ ان کی زمینیں بڑی سرسبز و شاداب تھیں۔ ہر قسم کے باغات تھے۔ رہنے کے لیے بڑے بڑے شاندار محلّات بناتے تھے۔ بڑے قدآور قوی الجثہ آدمی تھے۔ آیات مذکورہ میں زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی ساری ہی نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے تھے۔ مگر ان کی کج فہمی نے انہیں نعمتوں کو ان کے لیے وبالِ جان بنا دیا۔ اپنی قوت و شوکت کے نشہ میں بدمست ہو کر مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً کی ڈینگ مارنے لگے۔

اور رب العالمین جس کی نعمتوں کی بارش ان پہ ہو رہی تھی اس کو چھوڑ کر بُت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ اور بعض حالات

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جو خود انہیں کے خاندان سے تھے۔ اور ابوالبرکات جوفی جو انساب عرب کے بڑے ماہر مشہور ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ ہود علیہ السلام کے بیٹے یعرب بن قحطان ہیں جو یمن میں جا کر آباد ہوتے اور یمنی اقوام انہیں کی نسل ہیں۔ اور عربی زبان کی ابتدا انہیں سے ہوئی۔ اور یعرب کی مناسبت سے ہی زبان کا نام عربی اور اسی کے بولنے والوں کو عرب کہا گیا۔ (بحر محیط)

مگر صحیح یہ ہے کہ عربی زبان تو عہد نوح علیہ السلام سے جاری تھی کشتی نوح علیہ السلام کے ایک رفیق جرہم تھے جو عربی زبان بولتے تھے (بحر محیط) اور یہی جرہم ہیں جن سے مکہ معظمہ کی آبادی شروع ہوئی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یمن میں عربی زبان کی ابتدا یعرب بن قحطان سے ہوئی اور ابوالبرکات کی تحقیق کا یہی مطلب ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم عاد کو بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرنے اور ظلم و جور چھوڑ کر عدل و انصاف اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ مگر یہ لوگ اپنی دولت و قوت کے نشہ میں سرشار تھے۔ بات نہ مانی جس کے نتیجہ میں اُن پر پہلا عذاب تو یہ آیا کہ تین سال تک مسلسل بارش بند ہوگئی۔ ان کی زمین خشک ریگستانی صحرا بن گئی باغات جل گئے۔ مگر اس پر بھی یہ لوگ شرک و بت پرستی سے باز نہ آئے تو آٹھ دن اور سات راتوں میں ان پر شدید قسم کی آندھی کا عذاب مسلط ہوا جس نے ان کے رہے سہے باغات اور محلات کو زمین پر بچھا دیا۔ ان کے آدمی اور جانور ہوا میں اُڑتے اور پھر سر کے

بل آکر گرتے تھے۔ اس طرح یہ قوم عاد پوری کی پوری ہلاک کردی گئی۔

آیاتِ مذکورہ میں جو ارشاد ہے۔ وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا۔ یعنی ہم نے جھٹلانے والوں کی نسل قطع کردی۔ اس کا مطلب بعض حضرات نے یہی قرار دیا ہے کہ اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ سب فنا کردیئے گئے۔ اور بعض حضرات نے اس لفظ کے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ آئندہ کے لیے بھی قوم عاد کی نسل اللہ تعالیٰ نے منقطع کردی۔

حضرت ہود علیہ السلام کی بات نہ ماننے اور کفر و شرک میں مبتلا رہنے پر جب ان کی قوم پر عذاب آیا تو ہود علیہ السّلام اور ان کے رفقاء نے ایک حظیرہ (گھیر) میں پناہ لی۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس طوفانی ہوا سے بڑے بڑے محلّات تو منہدم ہورہے تھے مگر اس گھیر میں ہوا نہایت معتدل ہو کر داخل ہوتی تھی۔ ہود علیہ السّلام کے سب رفقاء عین نزولِ عذاب کے وقت بھی اسی جگہ مطمئن بیٹھے رہے ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ قوم کے ہلاک ہوجانے کے بعد مکہ معظمہ میں منتقل ہوگئے اور پھر یہیں وفات پائی (بحر محیط)

قوم عاد کا عذاب ہوا کے طوفان کی صورت میں آنا قرآن مجید میں صراحۃً مذکور اور منصوص ہے اور سورۃ مؤمنون میں قصّہ نوح علیہ السلام ذکر کرنے کے بعد جو ارشاد ہوا ہے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ یعنی پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور جماعت پیدا کی، ظاہر یہ ہے کہ اس جماعت سے مراد قوم عاد ہے۔ پھر اس جماعت کے اعمال و اقوال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ یعنی پکڑ لیا اُن کو ایک سخت آواز نے۔ اس ارشادِ قرآنی کی بنا پر بعض حضرات مفسّرین نے فرمایا کہ قوم عاد پر سخت قسم کی ہیبت ناک آواز کا عذاب مسلّط ہوا

تھا مگر ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ سخت آواز بھی ہوئی ہو اور ہوا کا طوفان بھی۔

یہ مختصر واقعہ ہے قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام کا اس کی تفصیل قرآنی آیات کے ساتھ یہ ہے۔

پہلی آیت میں وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ط قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ یعنی ہم نے قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود علیہ السلام کو ہدایت کے لیے بھیجا تو انہوں نے فرمایا ۔ اے میری قوم تم صرف اللہ تعالی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں۔

قوم عاد سے پہلے قوم نوح علیہ السّلام کا عذابِ عظیم ابھی تک لوگوں کے ذہنوں سے غائب نہ ہوا تھا اس لیے حضرت ہود علیہ السلام کو عذاب کی شدّت وعظمت بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی صرف اتنا فرمانا کافی سمجھا کہ کیا تم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں۔

دوسری آیت میں ہے۔ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ یعنی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم آپ کو بیوقوفی میں مبتلا پاتے ہیں اور ہمارا گمان یہ ہے کہ آپ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہیں۔

یہ تقریباً ایسا ہی معارضہ ہے جیسا حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم نے ان سے کیا تھا صرف بعض الفاظ کا فرق ہے۔ تیسری اور چوتھی آیت میں اس کا جواب بھی تقریباً اُسی انداز کا ہے جیسا نوح علیہ السّلام نے دیا تھا۔ یعنی یہ کہ مجھ میں بیوقوفی کچھ نہیں بات صرف اتنی ہے کہ میں ربِ العالمین

کی طرف سے رسول اور پیغمبر بن کر آیا ہوں اُس کے پیغامات تمہیں پہنچاتا ہوں اور میں واضح طور پر تمہارا خیرخواہ ہوں اس لیے تمہاری آبائی جہالتوں اور غلطیوں میں تمہارا ساتھ دینے کے بجائے میں تمہارے طبائع کے خلاف حق بات تمہیں پہنچاتا ہوں جس سے تم بُرا مانتے ہو۔

پانچویں آیت میں قومِ عاد کا وہی اعتراض ذکر کیا گیا ہے جو ان سے پہلے قوم نوح علیہ السّلام نے پیش کیا تھا کہ ہم کسی اپنے ہی جیسے بشر اور انسان کو کیسے اپنا بڑا اور پیشوا مان لیں۔ کوئی فرشتہ ہوتا تو ممکن تھا کہ ہم مان لیتے۔ اس کا جواب بھی قرآنِ کریم نے وہی ذکر کیا جو نوح علیہ السلام نے دیا تھا کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کوئی انسان اللہ کا نبی و رسول ہو کر لوگوں کو ڈرانے کے لیے آجائے۔ کیونکہ درحقیقت انسان کے سمجھانے بجھانے کے لیے انسان ہی کا پیغمبر ہونا موثر ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد ان کو وہ انعامات یاد دلائے جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر مبذول فرمائے ہیں۔ ارشاد فرمایا :- وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ - یعنی اس بات کو یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد زمین کا مالک و متصرف بنا دیا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ بھی زیادہ دیا۔ اس کی ان نعمتوں کو یاد کرو تو تمہارا بھلا ہو گا۔

مگر اس سرکش بدمست قوم نے ایک نہ سُنی اور وہی جواب دیا جو عام طور پر گمراہ لوگ دیا کرتے ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم سے ہمارے باپ دادا کا مذہب چھڑا دو اور سارے دیوتاؤں کو چھوڑ کر ہم صرف ایک خدا کو ماننے لگیں۔ یہ تو ہم سے نہ ہو گا۔ آپ جس عذاب کی دھمکی دے رہے

ہیں اس عذاب کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

چھٹی آیت میں ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ جب تمہاری سرکشی اور بے ہوشی کی یہ حالت ہے تو اب تم پر خدا تعالیٰ کا غضب اور عذاب آیا ہی چاہتا ہے تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی اب اُسی کا انتظار کرتے ہیں۔ قوم کے اس اشتعال آمیز جواب پر عذاب آنے کی خبر تو دے دی لیکن پیغمبرانہ شفقت و نصیحت نے پھر مجبور کیا کہ اس کلام کے دوران میں یہ بھی فرما دیا کہ افسوس ہے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے بے عقل بے جان چیزوں کو اپنا معبود بنا لیا جن کے معبود ہونے پر نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی اور پھر تم ان کی عبادت میں ایسے پختہ ہو گئے کہ ان کی حمایت میں مجھ سے جھگڑا کر رہے ہو۔

آخری آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہود علیہ السلام کی ساری جد و جہد اور عاد قوم کی سرکشی کا آخری انجام یہ ہوا کہ ہم نے ہود علیہ السلام کو اور اُن لوگوں کو جو اُن پر ایمان لائے تھے عذاب سے محفوظ رکھا اور جھٹلانے والوں کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

اس قصہ میں غافل انسانوں کے لیے خدا کی یاد اور اطاعت میں لگ جانے کی ہدایت اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سامانِ عبرت اور مبلغین و مصلحین کے لیے پیغمبرانہ طریقۂ تبلیغ و اصلاح کی تعلیم ہے۔

دلیل نقلی چہارم

حضرت صالح علیہ السلام کا عقیدۂ توحید

وَإِلَىٰ ثَمُودَ	اور ثمود کی طرف بھیجا ان
أَخَاهُمْ صَالِحًا ۘ قَالَ	کے بھائی صالح کو بولا اے
يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ	میری قوم بندگی کرو اللہ
مَا لَكُم مِّنْ	کی کوئی نہیں تمہارا معبود
إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ	اس کے سوا تم کو پہنچ
جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ	چکی ہے دلیل تمہارے رب
مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ	کی طرف سے یہ اونٹنی
نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ	اللہ کی ہے تمہارے لیے
آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ	نشانی سو اس کو چھوڑ دو
فِي أَرْضِ اللَّهِ	کہ کھاتے اللہ کی زمین میں
وَلَا تَمَسُّوهَا	اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بری
بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ	طرح ، پھر تم کو پکڑے گا
أَلِيمٌ ۝ وَاذْكُرُوا	عذاب دردناک اور یاد
إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ	کرو جب کہ تم کو سردار
مِن بَعْدِ عَادٍ وَ	کر دیا عاد کے پیچھے اور
بَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ	ٹھکانا دیا تم کو زمین میں
تَتَّخِذُونَ مِن	کہ بناتے ہو نرم زمین میں

بِسُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ	محل اور تراشتے ہو پہاڑوں
الْجِبَالَ بُيُوْتًا ج فَاذْكُرُوْٓا	کے گھر سو یاد کرو
اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا	احسان اللہ کے اور مت
فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝	مچاتے پھرو زمین میں فساد
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ	کہنے لگے سردار جو متکبر
اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ	تھے اس کی قوم میں غریب
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا	لوگوں کو کہ جو ان میں
لِمَنْ اٰمَنَ	ایمان لائے تھے ان میں
اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا	سے کیا تمہیں یقین ہے
مُّرْسَلٌ مِّنْ	کہ صالح بھیجا ہوا ہے اپنے
رَّبِّهٖ ط قَالُوْٓا	رب کی طرف سے انہوں
اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ	نے کہا کہ ہم، تو جو وہ
بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝	لے کر آیا اس پر
	[illegible]
قَالَ الَّذِيْنَ	کہا انہوں نے کہ تکبر کیا
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا	تھا تحقیق ہم ساتھ اس چیز
بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ	کے کہ ایمان لائے ہو تم ساتھ
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝	اس کے کہ کفر کرنیوالے ہیں
فَعَقَرُوا النَّاقَةَ	پس پاؤں کاٹے اونٹنی کے
وَعَتَوْا عَنْ	اور سرکشی کی حکم رب اپنے
اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا	کے سے اور کہا انہوں نے

يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا	اے صالح لے آ ہمارے
تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ	پاس جو وعدہ دیتا ہے تو ہم
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝	اگر ہے تو پیغمبروں سے
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ	پس پکڑا ان کو زلزلے نے
فَاَصْبَحُوْا فِيْ	پس بوقت فجر اٹھے بیچ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝	گھروں اپنے کے زانو پر
فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ	گرتے ہوئے پس منہ پھیرا
يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ	اُن سے اور کہا اے قوم
رِسَالَةَ رَبِّيْ	میری البتہ تحقیق پہنچا دیا
وَنَصَحْتُ لَكُمْ	تھا میں نے تم کو پیغام
وَلٰكِنْ لَّا	پروردگار اپنے کا اور خیر خواہی
تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝	کی ہم نے واسطے تمہارے
	ولیکن نہیں دوست رکھتے
(آیت ۷۳ تا ۷۹)	تم خیر خواہی کرنے والوں کو

تحقیق لبعض الفاظ

ذَرُوْا جمع حاضر امر کا صیغہ ہے۔ وَذَارَةٌ سے بنا ہے۔ کپڑے کی دھجیوں کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد چھوڑ دینا ہے۔ تَاْكُلُ مضارع کا صیغہ ہے اَكْلٌ سے بنا ہے بمعنی کھانا۔ لَا تَمَسُّوْا جمع حاضر نہی کا صیغہ ہے۔ مَسٌّ سے بنا ہے اس کا معنی چھونا۔ يَاْخُذَ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی پکڑنا ۔

فَاذْكُرُوْا جمع حاضر امر کا صیغہ ہے ذِکْرٌ سے بنا ہے بمعنی یاد کرنا۔ جَعَلَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا خُلَفَاءَ خَلِیْفَۃٌ کی جمع ہے بمعنی جانشین۔ بَوَّاَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ تَبْوِیَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی پکڑنا۔ تَنْحِتُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ نَحْتٌ سے بنا ہے اس کے متعدد معنی آتے ہیں یہاں کاٹنا مراد ہے۔ جِبَالٌ جَبَلٌ کی جمع ہے پہاڑ بُیُوْتٌ بَیْتٌ کی جمع ہے بمعنی گھر۔ اٰلَآءَ اَلْیٌ یا اِلْیٌ کی جمع ہے اس کا معنی نعمت۔ لَا تَعْثَوْا جمع حاضر نہی کا صیغہ ہے۔ عَثْوٌ سے بنا ہے اس کا معنی فساد کرنا، فساد پھیلانا۔ مُفْسِدِیْنَ جمع اسم فاعل کا صیغہ ہے اِفْسَادٌ سے بنا ہے فساد کرنا۔ اِسْتَکْبَرُوْا جمع غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ اِسْتِکْبَارٌ سے بنا ہے اس کا معنی بزرگی اور بڑائی جتانا۔ اُسْتُضْعِفُوْا جمع غائب ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اِسْتِضْعَافٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہے دوسرے کو اپنی نگاہ میں حقیر اور کمزور جاننا۔ عَقَرُوْا جمع غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ عَقْرٌ سے بنا ہے اس کا معنی چوپایہ کی کونچیں کاٹنا ہے۔ عَتَوْا جمع غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ عُتُوٌّ سے بنا ہے اس کا معنی سرکشی کرنا۔ اِئْتِ واحد مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے۔ اِتْیَانٌ سے بنا ہے اس کا معنی آنا یا لے آنا۔ تَعِدُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے عِدَۃٌ سے بنا ہے جو اصل میں وَعْدٌ ہے بمعنی وعدہ کرنا۔ اَصْبَحُوْا جمع غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ اِصْبَاحٌ سے بنا ہے اس کا معنی صبح کو آنا یا جانا جٰثِمِیْنَ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ جَاثِمٌ کی جمع ہے۔ جَثْمٌ یا جُثُوْمٌ سے

بنا ہے اس کا معنی زمین پر پڑا رہنا یا سینہ زمین کے ساتھ لگانا۔ تَوَلّٰی
واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے۔ باب تفعّل ہے۔ تَوَلّیٌ سے بنا ہے
اس کا معنی دوست رکھنا۔ اور اس کا معنی مُنہ موڑنا بھی آتا ہے۔ اگر اس
کے بعد عَنْ ہو۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔ لَا تُحِبُّوْنَ مضارع منفی کا صیغہ
ہے باب افعال ہے اِحْبَابٌ سے بنا ہے محبت کرنا۔

معارف و مسائل

ان آیات میں حضرت صالح علیہ السّلام اور ان کی قوم ثمود کے حالات
کا تذکرہ ہے جیسے اس سے پہلے قوم نوح اور قوم ہود علیہما السلام کا ذکر آ
چکا ہے اور سورۂ اعراف کے آخر تک بھی انبیاء سابقین اور انکی قوموں
کے احوال انبیاء کی دعوتِ حق پر اُن کے کفر و انکار کے انجامِ بد کا بیان ہے،
آیاتِ مذکورہ میں سے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا وَ اِلٰی ثَمُوْدَ
اَخَاهُمْ صٰلِحًا۔ اس سے پہلے قوم عاد کے تذکرہ میں بیان ہو چکا
ہے کہ عاد و ثمود ایک ہی دادا کی اولاد میں دو شخصوں کا نام ہے انکی اولاد
بھی ان کے نام سے موسوم ہو کر دو قومیں بن گئیں۔ ایک قوم عاد دوسری
قوم ثمود کہلاتی ہے۔ عرب کے شمال مغرب میں بستے تھے اور ان کے
بڑے شہر کا نام حِجْر تھا جس کو اب عموماً مدائن صالح کہا جاتا ہے۔ قوم
عاد کی طرح قوم ثمود بھی دولت مند، قوی اور بہادر قوم اور سنگ تراشی
اور فن تعمیر میں ماہر تھی۔ کھلی زمین پر بڑے بڑے محلات بنانے کے
علاوہ پہاڑوں کو کھود کر ان میں طرح طرح کی عمارتیں بناتے تھے۔ ارض
القرآن میں مولانا سید سلیمان صاحبؒ نے لکھا ہے کہ انکی تعمیری یادگاریں

اب تک باقی ہیں ان پر اِرَمی اور ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔

دنیا کی دولت و ثروت کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ ایسے لوگ خدا و آخرت سے غافل ہو کر غلط راستوں پر پڑجاتے ہیں۔ قوم ثمود کا بھی یہی حال ہوا حالانکہ ان سے پہلے قوم نوح علیہ السلام کے عذاب کے واقعات کا تذکرہ ابھی تک دنیا میں موجود تھا اور پھر ان کے بھائی قوم عاد کی ہلاکت کے واقعات تو تازہ ہی تھے۔ مگر دولت و قوت کے نشہ کا خاصہ ہی یہ ہے کہ ابھی ایک شخص کی بنیاد منہدم ہوتی ہے دوسرا اس کی خاک کے ڈھیر پر اپنی تعمیر کھڑی کر لیتا ہے اور پہلے کے واقعات کو بھول جاتا ہے۔ قوم عاد کی تباہی اور ہلاکت کے بعد قومِ ثمود اُن کے مکانات اور زمینوں کی وارث بنی اور انہیں مقامات پر اپنے عشرت کدے تیار کئے جن میں انکے بھائی ہلاک ہو چکے تھے اور ٹھیک وہ ہی اعمال و افعال شروع کر دیئے، جو قوم عاد نے کئے تھے کہ خدا و آخرت سے غافل ہو کر شرک و بُت پرستی میں لگ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت مُستمرہ کے مطابق ان کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ صالح علیہ السلام نسب وطن کے اعتبار سے قوم ثمود ہی کے ایک فرد تھے کیونکہ یہ بھی سام ہی کی اولاد میں سے تھے۔ اسی لیے قرآن کریم میں ان کو قوم ثمود کا بھائی فرمایا ہے — اَخَاهُمْ صَالِحًا۔ صالح علیہ السّلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی وہ وہی دعوت ہے جو آدم علیہ السّلام سے لے کر اس وقت تک سب انبیاء علیہم السّلام دیتے چلے آئے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا

الطَّاغُوتَ یعنی ہم نے ہر امّت میں ایک رسول بھیجا کہ وہ لوگوں کو ہدایت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور بُت پرستی سے بچو۔ عام انبیاء سابقین کی طرح صالح علیہ السلام نے بھی قوم سے یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور خالق و مالک سمجھو اس کے سوا کوئی معبود بنانے کے لیے لائق نہیں۔ فرمایا یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ ط یعنی اب تو ایک کھلا ہوا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آ پہنچا ہے۔ اس نشان سے مراد ایک عجیب و غریب ناقہ ہے جس کا اجمالی ذکر اس آیت میں بھی ہے اور قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں اُس کی مزید تفصیلات مذکور ہیں۔ واقعہ اس ناقہ کا یہ تھا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی جوانی کے زمانہ سے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دینا شروع کی اور برابر اس میں لگے رہے یہاں تک کہ بڑھاپے کے آثار شروع ہو گئے۔ صالح علیہ السّلام کے بار بار اصرار سے تنگ ہو کر ان کی قوم نے یہ قرار دیا کہ ان سے کوئی ایسا مطالبہ کرو جس کو یہ پورا نہ کر سکیں اور ہم ان کی مخالفت میں سرخرو ہو جائیں۔ مطالبہ یہ کیا کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو فلاں پہاڑی جس کا نام کاتبہ تھا اس کے اندر سے ایک ایسی اُونٹنی نکال دیجئے جو دس مہینہ کی گابھن ہو اور قوی و تندرست ہو۔

صالح علیہ السلام نے اوّل ان سے عہد لیا کہ اگر مَیں تمہارا یہ مطالبہ پورا کر دوں تو تم سب مجھ پر اور میری دعوت پر ایمان لے آؤ گے۔ جب سب نے معاہدہ کر لیا۔ تو صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دُعاء کی کہ آپ کے لیے تو کوئی کام دشوار نہیں اُنکا مطالبہ

پورا فرما دیں۔ دُعا کرتے ہی پہاڑی کے اندر ایک جنبش پیدا ہوئی اور اس کی ایک بڑی چٹان پھٹ کر اس میں سے ایک اونٹنی اُسی طرح کی نکل آئی جیسا مطالبہ کیا تھا۔

صالح علیہ السّلام کا یہ کھلا ہوا حیرت انگیز معجزہ دیکھ کر اُن میں سے کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے۔ اور باقی تمام قوم نے بھی ارادہ کر لیا کہ ایمان لے آئیں۔ مگر قوم کے چند سردار جو بتوں کے خاص پجاری اور بُت پرستی کے امام تھے انہوں نے ان کو بہکا کر اسلام قبول کرنے سے روک دیا۔ حضرت صالح علیہ السّلام نے جب دیکھا کہ قوم نے عہد شکنی کی اور خطرہ ہوا کہ ان پر کوئی عذاب آ جائے تو پیغمبرانہ شفقت کی بنا پر ان کو یہ نصیحت فرمائی کہ اس اونٹنی کی حفاظت کرو، اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ تو شاید تم عذاب سے محفوظ رہو ورنہ فوراً تم پہ عذاب آ جائے گا۔ یہی مضمون آیت مذکورہ کے ان جملوں میں ارشاد ہوا ہے۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ یعنی یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لیے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے۔ اور اس کو بُرائی کے ساتھ نہ لگانا ورنہ تم کو عذابِ الیم آ پکڑے گا اس ناقہ کو ناقۃ اللہ اس لیے کہا گیا کہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کی دلیل اور صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر حیرت انگیز طریق سے پیدا ہوئی۔ جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو روح اللہ فرمایا گیا کہ اُن کی پیدائش بھی معجزانہ انداز سے ہوئی تھی۔ تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس ناقہ کے کھانے پینے میں تمہاری ملک اور تمہارے گھر سے کچھ نہیں جاتا زمین اللہ کی ہے۔ اس کی پیداوار کا پیدا کرنے والا وہی ہے اس

کی اونٹنی کو اس کی زمین میں آزاد چھوڑ دو کہ عام چراگاہوں میں کھاتی رہے۔

قوم ثمود جس کنوئیں سے پانی پیتے پلاتے تھے اُسی سے یہ اونٹنی بھی پانی پیتی تھی مگر یہ عجیب الخلقت اونٹنی جب پانی پیتی تو پورے کنوئیں کا پانی ختم کر دیتی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے باذن ربانی یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ ایک دن یہ اونٹنی پانی پیے گی اور دوسرے دن قوم کے سب لوگ پانی پی لیں گے۔ اور جس روز یہ اونٹنی پانی پیے گی تو دوسروں کو پانی کے بجائے اونٹنی کا دودھ اتنی مقدار میں مل جاتا تھا کہ وہ اپنے سارے برتن اس سے بھر لیتے تھے۔ قرآن میں دوسری جگہ اس تقسیم کا ذکر اس طرح آیا ہے وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ۔ یعنی صالح علیہ السلام آپ اپنی قوم کو بتلا دیں کہ کنوئیں کا پانی اُن کے اور ناقۃ اللہ کے درمیان تقسیم ہوگا۔ ایک دن اونٹنی کا اور دوسرے دن پوری قوم کا اور اس تقسیم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی نگرانی مسلّط ہوگی کہ کوئی اس کے خلاف نہ کر سکے۔ اور ایک دوسری آیت میں ہے۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔ یعنی یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ ایک دن پانی کا حق اس کا اور دوسرے دن کا پانی تمہارے لیے معین و مقرر ہے۔

دوسری آیت میں اس وعدہ فراموش سرکش قوم کی خیر خواہی اور ان کو عذاب الٰہی سے بچانے کے لیے پھر اُن کو اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات یاد دلائے کہ اب بھی یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز آجائیں فرمایا۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ

الْجِبَالَ بُيُوتًا ج اس میں خلفاء خلیفہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں قائم مقام اور نائب اور قصور قصر کی جمع اونچی عالیشان عمارت اور محل کو کہا جاتا ہے۔ تَنْحِتُوْنَ، نحت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سنگ تراشی جبال، جبل کی جمع ہے بمعنی پہاڑ۔ بیوتا، بیت کی جمع ہے جو گھر کے کمرے کے لیے بولا جاتا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ اُس نے قوم عاد کو ہلاک کر کے اُن کی جگہ تم کو بسایا۔ ان کی زمین اور مکانات تمہارے قبضہ میں دے دیئے اور تم کو یہ صنعت سکھلا دی کہ کھلی زمین میں بڑے بڑے محلات بنا لیتے ہو اور پہاڑوں کو تراشش کر ان میں کمرے اور مکانات بنا لیتے ہو۔ آخر آیت میں فرمایا۔ فَاذْكُرُوْا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ یعنی اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور ان کا احسان مانو، اس کی اطاعت اختیار کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔

احکام و مسائل

آیاتِ مذکورہ سے چند اصولی اور فروعی مسائل معلوم ہوئے۔

اوّل یہ کہ اصولِ عقائد میں تمام انبیاء علیہم السلام متفق ہیں اور اُن کی شریعتیں متحد ہیں سب کی دعوت توحید کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا اور اس کی خلاف ورزی پر عذاب دینا وآخرت سے ڈرانا ہے۔

دوسرے یہ کہ تمام پچھلی امتوں میں ہوتا بھی رہا ہے کہ قوموں کے بڑے دولت مند آبرو دار لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اس کے نتیجہ میں دنیا میں بھی ہلاک و برباد ہوئے اور آخرت میں بھی مستحق عذاب ہوئے

تیسرے تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں دنیا میں کافروں پر بھی مبذول ہوتی ہیں۔ جیسا کہ قوم عاد و ثمود پر اللہ تعالیٰ نے دولت و قوت کے دروازے کھول دیئے تھے۔

چوتھے تفسیر قرطبی ہی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بڑے بڑے محلّات اور عالیشان مکانات کی تعمیر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور اُن کا بنانا جائز ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ انبیاء و اولیاء اللہ نے اس کو اس لیے پسند نہیں فرمایا کہ یہ چیزیں انسان کو غفلت میں ڈال دینے والی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اونچی تعمیرات کے بارے میں ارشادات منقول ہیں وہ اسی انداز کے ہیں۔

تیسری اور چوتھی آیت میں وہ مکالمہ اور مباحثہ ذکر کیا گیا ہے جو قوم ثمود کے دو گروہوں کے درمیان ہوا۔ ایک وہ گروہ جو صالح علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا، دوسرا منکرین و کفار کا گروہ۔ ارشاد فرمایا: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ، یعنی کہا قوم صالح علیہ السلام میں سے اُن لوگوں نے جنہوں نے تکبّر کیا اُن لوگوں سے جن کو حقیر و ضعیف سمجھا جاتا تھا یعنی جو ایمان لائے تھے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ اس جگہ ان دونوں گروہوں کے دو وصف قرآن کریم نے بتلائے مگر کفار کا وصف بصیغہ معروف بتلایا اِسْتَکْبَرُوْا اور مومنین کا وصف بصیغہ مجہول بتلایا۔ اُسْتُضْعِفُوْا اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ کفار کا یہ حال کہ وہ تکبر کرتے تھے خود اُن کا اپنا

فعل تھا جو قابل مواخذہ و ملامت اور انجام کار موجب عذاب ہوا۔ اور مؤمنین کا جو وصف یہ لوگ بیان کرتے تھے کہ وہ ذلیل و حقیر اور ضعیف ہیں۔ یہ کفار کا کہنا ہے۔ خود مؤمنین کا واقعی حال اور وصف نہیں جس پر کوئی ملامت ہو سکے بلکہ ملامت ان لوگوں پر ہے جو بلا وجہ ان کو حقیر وضعیف کہتے اور سمجھتے ہیں۔ آگے وہ مکالمہ جو دونوں گروہوں میں ہوا ہے کہ کفار نے مؤمنین سے کہا کہ کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

مؤمنین نے جواب دیا کہ جو ہدایات وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے کر بھیجے گئے ہیں ہم ان سب پر یقین وایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر کشاف میں ہے کہ قوم ثمود کے مؤمنین نے کیسا بلیغ جواب دیا ہے کہ تم جس بحث میں پڑے ہوئے ہو کہ یہ رسول ہیں یا نہیں یہ بات قابل بحث ہی نہیں بلکہ بدیہی اور یقینی ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہوا پیغام ہے۔ بات کچھ ہو سکتی ہے تو یہ کون کون اُن پر ایمان لاتا ہے کون نہیں، سو ہم تو بحمداللہ اُن کی لائی ہوئی سب ہدایات پر ایمان رکھتے ہیں۔

مگر ان کے بلیغ جواب پر بھی قوم نے وہی سرکشی کی بات کی کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اُس کے مُنکر ہیں۔ دنیا کی محبت اور دولت وقوت کے نشہ سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے کہ وہ انسان کی آنکھوں کا پردہ بن جاتے ہیں اور وہ بدیہی چیزوں کا انکار کرنے لگتا ہے۔

معارف ومسائل

پچھلی آیات میں آچکا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی دُعا سے پہاڑ کی ایک بڑی چٹان شق ہو کر اس سے ایک عجیب وغریب اونٹنی پیدا ہوگئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس اونٹنی کو بھی اس قوم کے لیے آخری امتحان اس طرح بنا دیا تھا کہ جس کنوئیں سے ساری بستی کے لوگ اور ان کے مویشی پانی حاصل کرتے تھے یہ اس کا سارا پانی پی جاتی تھی اس لیے صالح علیہ السلام نے ان کے لیے باری مقرر کر دی تھی کہ ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے دوسرے دن بستی والے۔

قوم ثمود اس اونٹنی کی وجہ سے ایک تکلیف میں مبتلا تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ ہلاک ہو جائے مگر خود ایسی حرکت کرنے سے ڈرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا عذاب آجائے گا۔

شیطان کا سب سے بڑا وہ فریب جس میں مبتلا ہو کر انسان اپنی ہوش وعقل کھو بیٹھتا ہے۔ وہ عورت کا فتنہ ہے۔ قوم کی دو حسین وجمیل عورتوں نے یہ بازی لگا دی کہ جو شخص اس ناقہ کو قتل کر دے گا ہم اور ہماری لڑکیوں میں سے جس کو چاہے وہ اس کی ہے۔

قوم کے دو نوجوان۔ مِصدع اور قُدار اس نشہ میں مدہوش ہو کر اس ناقہ کو قتل کرنے کے لیے نکلے اور ناقہ کے راستہ میں ایک پتھر کی چٹان کے نیچے چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب ناقہ سامنے آئی تو مصدع نے تیر کا وار کیا اور قدار نے تلوار سے اس کی ٹانگیں کاٹ کر قتل کر دیا۔

قرآن کریم نے اسی کو قوم ثمود کا سب سے بڑا اشقی اور بدبخت قرار دیا

ہے۔ اِذَا انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰھَا ۔ کیونکہ اس کے سبب پوری قوم عذاب میں گرفتار ہوگئی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ناقہ کے قتل کا واقعہ معلوم ہونے کے بعد قوم کو بحکم خداوندی بتلادیا۔ کہ اب تمہاری زندگی کے صرف تین دن باقی ہیں۔ فَتَمَتَّعُوۡا فِیۡ دَارِكُمۡ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِكَ وَعۡدٌ غَیۡرُ مَكۡذُوۡبٍ ۔ یعنی تین دن اور اپنے گھروں میں آرام کرلو (اس کے بعد عذاب آنے والا ہے) اور یہ وعدہ سچا ہے۔ اس میں خلاف کا امکان نہیں۔ مگر جب قوم کا وقت خراب آجاتا ہے اس کے لیے کوئی نصیحت وتنبیہ کارگر نہیں ہوتی۔ حضرت صالح علیہ السلام کے اس ارشاد پر بھی ان بدبخت لوگوں نے مذاق اُڑانا شروع کیا اور کہنے لگے کہ یہ عذاب کیسے اور کہاں سے آئے گا اور اُس کی علامت کیا ہوگی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ لو عذاب کی علامت بھی سُن لو، کل جمعرات کے روز تم سب کے چہرے سخت زرد ہوجائیں گے مرد و عورت، بچہ و بوڑھا کوئی اس سے مستثنیٰ نہ ہوگا، پھر پرسوں جمعہ کے روز سب کے چہرے سخت سُرخ ہوجائیں گے اور ترسوں اتوار کو سب کے چہرے شدید سیاہ ہوجائیں گے۔ اور یہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ بدنصیب قوم نے یہ سُن کر بھی بجائے اس کے کہ توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہوجاتے۔ یہ فیصلہ کیا کہ صالح علیہ السلام ہی کو قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ سچے ہیں اور ہم پر عذاب آنا ہی ہے تو ہم اپنے سے پہلے ان کا کام تمام کیوں نہ کر دیں۔ اور اگر جھوٹے ہیں تو اپنے جھوٹ کا خمیازہ بھگتیں۔ قوم کے اس ارادہ کا تذکرہ قرآن میں دوسری جگہ تفصیل سے

موجود ہے۔ قوم کے اس متفقہ فیصلہ کے ماتحت کچھ لوگ رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے مکان پر قتل کے ارادہ سے گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے راستہ ہی میں ان پر پتھر برسا کر ہلاک کر دیا۔ فَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ یعنی انہوں نے بھی ایک خفیہ تدبیر کی اور ہم نے بھی ایسی تدبیر کی کہ اُن کو اُس کی خبر نہ ہوئی۔

اور جب جمعرات کی صبح ہوئی تو صالح علیہ السلام کے کہنے کے مطابق سب کے چہرے ایسے زرد ہو گئے جیسے گہرا زرد رنگ پھیر دیا گیا ہو۔ عذاب کی پہلی علامت کے سچا ہونے کے بعد بھی ظالموں کو اس طرف کوئی توجہ نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اپنی غلط کاریوں سے باز آجاتے۔ بلکہ انکا غیض و غضب حضرت صالح علیہ السلام پر اور بڑھ گیا اور پوری قوم ان کے قتل کی فکر میں پھرنے لگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے قہر سے بچائے۔ اُس کی بھی علامات ہوتی ہیں کہ قلوب و دماغ اوندھے ہو جاتے ہیں۔ نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع۔ اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔

بالآخر دوسرا دن آیا تو پیش گوئی کے مطابق سب کے چہرے سُرخ ہو گئے اور تیسرے دن سخت سیاہ ہو گئے۔ اب تو یہ سب کے سب اپنی زندگی سے مایوس ہو کر انتظار کرنے لگے کہ عذاب کس طرف سے کس طرح آتا ہے۔

اسی حال میں زمین سے ایک شدید زلزلہ آیا اور اُوپر سے سخت ہیبتناک چیخ اور شدید آواز آئی جس سے سب کے سب بیک وقت بیٹھے بیٹھے اوندھے گر کر مر گئے۔ زلزلہ کا ذکر تو ان آیات میں موجود ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہیں فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ۔ رجفہ کے معنی ہیں زلزلہ۔

اور دوسری آیات میں اَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بھی آیا ہے۔

صَیۡحَۃ کے معنی ہیں چیخ اور شدید آواز۔ دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ دونوں طرح کے عذاب ان پر جمع ہو گئے تھے۔ زمین سے زلزلہ اور اوپر سے صیحہ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ۔ جٰثِمِیۡنَ مصدر جثوم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں بے حس و حرکت ہو کر ایک جگہ پڑ جانا یا بیٹھ رہنا (قاموس)۔ معنی یہ ہیں کہ جو جس حال میں تھا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ نَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ قَہۡرِہٖ وَعَذَابِہٖ۔

قوم ثمود کے اس قصہ کے اہم اجزاء تو خود قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں مذکور ہیں اور کچھ اجزاء روایات حدیث میں مذکور ہیں۔ کچھ وہ بھی ہیں جو مفسرین نے اسرائیلی روایات سے لیے ہیں مگر اُن پر کسی واقعہ اور حقیقت کے ثبوت کا مدار نہیں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا گزر اس مقام حجر پر ہوا جہاں قوم ثمود پر عذاب آیا تھا۔ تو آپؐ نے صحابہ کرام کو ہدایت فرمائی کہ اس عذاب زدہ بستی کی زمین میں کوئی اندر نہ جائے اور نہ اس کے کنوئیں کا پانی استعمال کرے۔ (مظہری)

اور بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم ثمود پر جب عذاب آیا تو ان میں بجز ایک شخص ابو رغال کے کوئی نہیں بچا۔ یہ شخص اس وقت حرم مکہ میں پہنچا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حرم مکہ کے احترام کے سبب اس کو عذاب سے بچا لیا اور بالآخر جب یہ حرم سے نکلا تو وہی عذاب جو اس کی قوم پر آیا تھا اس پر بھی آگیا اور یہیں ہلاک ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مکہ سے باہر ابو رغال کی قبر کا نشان بھی دکھلایا

اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے ساتھ ایک سونے کی چھڑی بھی دفن ہو گئی تھی۔ صحابۂ کرام نے قبر کھولی تو سونے کی چھڑی مل گئی وہ نکال لی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ طائف کے باشندے بنو ثقیف اسی ابو رغال کی اولاد ہیں (مظہری)

ان معذب قوموں کی بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کدے بنا کر قائم رکھا ہے اور قرآن کریم نے عرب کے لوگوں کو بار بار اس پر متنبہ کیا ہے کہ تمہارے سفر شام کے راستہ پر یہ مقامات آج بھی داستانِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا۔

قوم صالح علیہ السّلام کے واقعۂ عذاب کے آخر میں ارشاد ہے۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ۔ یعنی قوم پر عذاب نازل ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مؤمنین بھی اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ چار ہزار مؤمنین تھے ان سب کو لے کر یمن کے علاقہ حضر موت میں چلے گئے اور وہیں حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہوئی اور بعض روایات سے ان کا مکہ معظمہ چلے جانا اور وہیں وفات ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے چلتے وقت اپنی قوم کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی مگر افسوس تم خیر خواہوں کو ہی پسند نہیں کرتے۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جب ساری قوم عذاب سے ہلاک ہو چکی تو اب

ان کو خطاب کرنے سے کیا فائدہ ۔ جواب یہ ہے کہ ایک فائدہ تو یہی ہے کہ اُس سے لوگوں کو عبرت ہو اور یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں مرے ہوئے قریشی مشرکین کو خطاب کر کے کچھ کلمات ارشاد فرمائے تھے ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کا یہ فرمانا نزولِ عذاب اور ہلاکت قوم سے پہلے ہوا ہو اگرچہ بیان میں اُس کو مؤخر ذکر کیا ہے ۔

دلیل نقلی پنجم

حضرت لوط علیہ السلام کا عقیدۂ توحید

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ	اور بھیجا لوط کو جس وقت
لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ	کہا اس نے واسطے قوم
الْفَاحِشَةَ مَا	اپنی کے کیا کرتے ہو تم
سَبَقَكُمْ بِهَا	بے حیائی کہ نہیں کیا پہلے
مِنْ اَحَدٍ مِّنَ	تم سے اس کو کسی نے
الْعٰلَمِیْنَ ٥ اِنَّكُمْ	عالموں میں سے تحقیق
لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ	تم آتے ہو مردوں کے
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ	پاس شہوت سے سوائے
النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ	عورتوں کے بلکہ تم قوم ہو
قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ٥	حد سے نکل جانے والے ۔
وَ مَا كَانَ جَوَابَ	اور نہ تھا جواب قوم

قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ	اس کا مگر یہ کہ کہتے تھے
قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ	نکال دو ان کو بستی اپنی
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ	سے تحقیق یہ
اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ○	لوگ کہ پاک رکھتے ہیں آپ کو
فَاَنْجَيْنٰهُ	پس نجات دی ہم نے
وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ صلے	اس کو اور لوگوں اس کے
كَانَتْ مِنَ	کو مگر عورت اس کی کو کہ
الْغٰبِرِيْنَ ○	تھی پیچھے رہ جانے والوں
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ	سے اور برسایا ہم نے
مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ	اوپر اُن کے مینہ پتھروں
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ○	کا پس دیکھ کیونکہ ہوا
سورۃ الاعراف آیت ۸۰ تا ۸۴	انجام گنہگاروں کا ۔

تحقیق بعض الفاظ

لُوْط لام کی پیش سے ایک پیغمبر کا نام ہے اور لام کی زبر سے اغلام بازی کو کہتے ہیں ۔ فَاحِشَۃ واحد مؤنث اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ فُحْشٌ سے بنا ہے اس کا معنی بدی کا حد سے گذر جانا ۔ نِسَاءَ اِمْرَاَۃٌ کی جمع ہے من غیر لفظ ۔ مُسْرِفُوْنَ جمع اسم فاعل کا صیغہ ہے اِسْرَافٌ سے بنا ہے اس کا معنی حد سے گذر جانا ۔ اَخْرِجُوْا جمع مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے ۔ اِخْرَاجٌ سے بنا ہے بمعنی نکالنا ۔ اُنَاسٌ اِنْسٌ کی جمع ہے بمعنی محبت کرنا ۔ يَتَطَهَّرُوْنَ جمع غائب مضارع

کا صیغہ ہے۔ طُھْرٌ یا طَہَارَۃٌ سے بنا ہے۔ باب تَفَعُّلٌ سے ہے بمعنی پاک ہونا۔ اَنْجَیْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے اِنْجَاءٌ سے بنا ہے بمعنی نجات دینا۔ اَھْلٌ یہ لفظ واحد تثنیہ اور جمع کے لیے بھی آتا ہے اس کا معنی ہے مہذّب، شائستہ اور آدمی کے خویش واقارب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ غَابِرِیْنَ جمع اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا واحد غَابِرٌ ہے۔ غَبْرٌ سے بنا ہے بمعنی ٹھہرنا۔ اَمْطَرْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے۔ اِمْطَارٌ سے بنا ہے اس کا معنی پتھروں کا مینہ برسانا۔

معارف و مسائل

انبیاء علیہم السلام اور اُن کی امتوں کے قصص کا جو سلسلہ اوپر سے چل رہا ہے اُس کا چوتھا قصہ حضرت لُوط علیہم السّلام کا ہے۔

لُوط علیہ السلام حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السّلام کے بھتیجے ہیں۔ دونوں کا اصل وطن مغربی عراق میں بصرہ کے قریب ارضِ بابل کے نام سے معروف تھا اس میں بت پرستی کا عام رواج تھا۔ خلیل اللہ علیہ السلام کا گھرانہ خود بت پرستی میں مبتلا تھا۔ حق تعالےٰ نے ان کی ہدایت کے لیے ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ قوم نے مخالفت کی جس کی نوبت آتش نمرود تک پہنچی۔ خود والد نے گھر سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔

اپنے گھرانہ میں سے صرف زوجہ محترمہ حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام مسلمان ہوئے۔ فَاٰمَنَ لَہٗ لُوْطٌ۔ بالآخر انہیں دونوں کو ساتھ لے کر وطن سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ نہر اُردن پر پہنچنے کے بعد بحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السّلام علاقہ کنعان میں جا کر مقیم ہوئے

جو بیت المقدس کے قریب ہے۔

اور لوط علیہ السلام کو بھی حق تعالیٰ نے نبوت عطا فرما کر اردن اور بیت المقدس کے درمیان مقام سدوم کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ یہ علاقہ پانچ اچھے بڑے شہروں پر مشتمل تھا۔ جن کے نام سدوم، عمورہ، ادمہ، صبوبیم اور بالع یا صوغر تھے۔ ان کے مجموعہ کو قرآن کریم نے مؤتفکہ اور مؤتفکات کے الفاظ میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ سدوم ان شہروں کا دارالحکومت اور مرکز سمجھا جاتا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے یہیں قیام فرمایا۔ زمین سرسبز و شاداب تھی۔ ہر طرح کے غلے اور پھولوں کی کثرت تھی۔ (یہ تاریخی تفصیلات بحر محیط، مظہری، ابن کثیر، المنار وغیرہ میں مذکور ہے۔

انسان کی عام عادت قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی، اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی ۝ یعنی انسان سرکشی کرنے لگتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں رہا۔ ان لوگوں پر بھی حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ عام انسانی عادت کے تحت دولت و ثروت کے نشہ میں مبتلا ہو کر عیش و عشرت اور ہوا و ہوس کے اُس کنارے پر پہنچ گئے کہ انسانی غیرت و حیا اور اچھے بُرے کی فطری تمیز بھی کھو بیٹھے۔ ایسے خلاف فطرت فواحش میں مبتلا ہو گئے جو حرام اور گناہ ہونے کے علاوہ فطرت سلیمہ کے لیے نفرت اور ایسے گھن کے کام ہیں کہ عام جانور بھی اس کے پاس نہیں جاتے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے مامور فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم کو خطاب کر کے فرمایا۔ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی بطور تنبیہ کے

فرمایا، کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے سارے جہان میں کسی نے نہیں کیا۔

زنا کے بارہ میں تو قرآن کریم نے اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً بغیر الف لام کے ذکر کیا ہے اور یہاں الف لام کے ساتھ الفاحشہ فرما کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ خلافِ فطرت بدکاری گویا تمام فواحش کا مجموعہ اور زنا سے زیادہ شدید جرم ہے۔

پھر یہ فرمایا کہ یہ بدکاری تم سے پہلے سارے جہان میں کسی نے نہیں کی۔ عمرو بن دینار نے فرمایا کہ اس قوم سے پہلے دنیا میں کبھی ایسی حرکت نہ دیکھی گئی تھی (مظہری) اور نہ اہل سدوم سے پہلے کسی برے سے برے انسان کا ذہن اس طرف گیا تھا۔ اُموی خلیفہ عبدالملک نے کہا کہ اگر قرآن میں قوم لوط علیہ السلام کا واقعہ مذکور نہ ہوتا تو میں کبھی گمان نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی انسان ایسا کام کر سکتا ہے (ابن کثیر)

اس میں ان کی بے حیائی پر دو حیثیت سے تنبیہ کی گئی اول تو یہ کہ بہت سے گناہوں میں انسان اپنے ماحول یا اپنے اسلاف کی تقلید کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے گو وہ بھی کوئی شرعی عذر نہیں۔ مگر عرفاً اس کو کسی نہ کسی درجہ میں معذور کہا جا سکتا ہے۔ مگر ایسا گناہ جو پہلے کسی نے نہیں کیا نہ اُس کے لیے خاص مقتضیات ہیں یہ اور بھی زیادہ وبال ہے۔ دوسرے اس حیثیت سے کہ کسی برے کام یا بری رسم کو جو شخص ایجاد کرتا ہے اُس پر اپنے فعل کا گناہ اور عذاب تو ہوتا ہی ہے اس کے ساتھ ان تمام لوگوں کا عذاب و وبال بھی اسی کی گردن پر ہوتا ہے جو قیامت تک اس کے فعل سے متاثر ہو کر مبتلائے گناہ ہو جاتے ہیں۔

دوسری آیت میں ان کی اس بے حیائی کو زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو اس میں اشارہ دیا کہ انسان کی طبعی اور فطری خواہش کی تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک حلال اور جائز طریقہ عورتوں سے نکاح کرنے کا مقرر فرما دیا ہے اس کو چھوڑ کر غیر فطری طریقہ کو اختیار کرنا نری خباثت اور گندہ ذہنی کا ثبوت ہے۔

اسی لیے صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اس جرم کو عام بدکاری سے زیادہ شدید جرم و گناہ قرار دیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا ایسا فعل کرنے والے کو ایسی ہی سزا دینا چاہیئے جیسے قوم لوط کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی کہ آسمان سے پتھر برسے، زمین کا تختہ الٹ گیا اس لیے اس شخص کو کسی اونچے پہاڑ سے گرا کر اوپر سے پتھراؤ کر دیا جائے۔ مسند احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ میں بروایت ابن عباسؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کام کرنے والوں کے بارے میں فرمایا۔ فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ یعنی اس کام کے فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے (ابن کثیر)

آخر آیت میں فرمایا: بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۔ یعنی تم ایسی قوم ہو جو حد انسانیت سے گزر گئی ہے۔ یعنی تمہارا اصل مرض یہ ہے کہ تم ہر کام میں اس کی حد سے نکل جاتے ہو۔ جنسی خواہش کے بارے میں بھی ایسا ہی ہوا کہ خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے نکل کر خلاف وضع فطری میں مبتلا ہو گئے۔

تیسری آیت میں حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں ان کی قوم کا جواب اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں سے کوئی معقول جواب تو بن نہیں سکا ضد میں آکر آپس میں یہ کہنے لگے کہ یہ لوگ بڑی پاکی اور صفائی

کے مدعی ہیں ان کا علاج یہ ہے کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔

تیسری اور چوتھی آیتوں میں قوم سدوم کی اس کجروی اور بے حیائی کی سزاءِ آسمانی کا ذکر ہے اور یہ کہ اس پوری قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا صرف لوط علیہ السلام اور ان کے چند ساتھی عذاب سے محفوظ رہے۔ قرآن کریم کے الفاظ میں نَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ آیا ہے یعنی ہم نے لوطؑ اور اُن کے اہل کو عذاب سے نجات دی۔ یہ اھل کون لوگ تھے۔ بعض حضرات مفسرین کا قول ہے کہ اہل میں دو لڑکیاں تھیں جو مسلمان ہوئی تھیں۔ بیوی بھی مسلمان نہ ہوئی تھی۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں فَمَا وَجَدْنَا فِیْھَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ مذکور ہے کہ اُن تمام بستیوں میں ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا۔ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ لوط علیہ السلام کے صرف گھر کے آدمی مسلمان تھے جن کو عذاب سے نجات ملی اُن میں بھی بیوی داخل نہ تھی۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اہل سے مراد عام ہے اپنے گھر والے اور دوسرے متعلقین جو مسلمان ہو چکے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ گنے چنے چند مسلمان تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے بچانے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دے دیا کہ بیوی کے سوا دوسرے اہل و متعلقین کو لے کر آخر رات میں اس بستی سے نکل جائیں اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں کیونکہ جس وقت آپ اس بستی سے نکل جائیں گے تو بستی والوں پر فوراً عذاب آ جائے گا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے حکم خداوندی کی تعمیل کی۔ اپنے اہل و متعلقین کو لے کر آخر شب میں سدوم سے نکل گئے۔ بیوی کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ ساتھ چلی ہی نہیں۔ دوسری یہ کہ کچھ دور تک ساتھ چلی مگر حکم

خداوندی کے خلاف پیچھے مڑ کر بستی والوں کا حال دیکھنا چاہتی تھی تو اس کو عذاب نے پکڑ لیا۔ قرآن مجید کے مختلف مقامات میں اس واقعہ کو مجمل اور مفصل بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں تیسری آیت میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ہم نے لوط علیہ السلام اور اُن کے اہل و متعلقین کو عذاب سے نجات دے دی مگر ان کی بیوی عذاب میں رہ گئی۔ نجات دینے کی یہ صورت کہ یہ لوگ آخر رات میں بستی سے نکل جائیں اور مُڑ کر نہ دیکھیں دوسری آیات میں مذکور ہے۔

چوتھی آیت میں اس قوم پر نازل ہونے والے عذاب کو مختصر لفظوں میں صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ ان پر ایک عجیب قسم کی بارش بھیجی گئی اور سورۂ ہود میں اس عذاب کی مفصّل کیفیت یہ بیان فرمائی ہے۔ فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ مَّنۡضُوۡدٍ مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ بِبَعِیۡدٍ۔ یعنی جب ہمارا عذاب آ پہنچا تو کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے اور برسائے ان پر پتھر کنکر کے تہ بہ تہ، نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس اور نہیں ہے وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور

اس سے معلوم ہوا کہ اوپر سے پتھروں کی بارش بھی ہوئی اور نیچے سے زمین کے پورے طبقہ کو جبرئیل امین نے اٹھا کر اوندھا پلٹ دیا۔ اور جن پتھروں کی بارش برسی وہ تہ بر تہ تھے یعنی ایسی مسلسل بارش ہوئی کہ تہ بر تہ جمع ہو گئے اور یہ پتھر نشان کیے ہوئے تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر ایک پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس کی ہلاکت کے لیے پھینکا گیا تھا۔ اور سورۂ حجر کی آیات میں اس عذاب سے پہلے یہ بھی مذکور ہے۔ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ مُشۡرِقِیۡنَ۔ یعنی آ پکڑا اُن کو چنگھاڑ نے

سورج نکلتے وقت۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے آسمان سے کوئی سخت آواز چنگھاڑ کی صورت میں آئی پھر اس کے بعد دوسرے عذاب آئے۔ ظاہر الفاظ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ چنگھاڑ کے بعد پہلے زمین کا تختہ الٹ دیا گیا پھر اس پر ان کی مزید ذلیل و تحقیر کے لیے پتھراؤ کیا گیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے پتھراؤ کیا گیا ہو بعد میں زمین کا تختہ الٹا دیا گیا ہو۔ کیونکہ قرآنی اسلوب بیان میں یہ ضروری نہیں، کہ جس چیز کا ذکر پہلے ہوا ہو وہ وقوع کے اعتبار سے بھی پہلے ہو۔

قوم لوط علیہ السلام کے ہولناک عذابوں میں سے زمین کا تختہ اُلٹ دینے کی سزا اُن کے فحش و بے حیائی عمل کے ساتھ خاص مناسبت بھی رکھتی ہے کہ انہوں نے قلب موضوع کا ارتکاب کیا ہے۔

سورہ ہود کی آیات کے آخر میں قرآن کریم نے اہل عرب کی مزید تنبیہ کے لیے یہ بھی فرمایا کہ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ۔ یعنی یہ اُلٹی ہوئی بستیاں ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ۔ سفر شام کے راستہ پر ہر وقت ان کے سامنے آتی ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ یہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

اور یہ منظر صرف نزول قرآن کے زمانہ میں نہیں آج بھی موجود ہے۔ بیت المقدس اور نہر اردن کے درمیان آج بھی یہ قطعہ زمین بحر لوط یا بحر میت کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی زمین سطح سمندر سے بہت زیادہ گہرائی میں ہے اور اُس کے ایک خاص حصّہ پر ایک دریا کی صورت ایک عجیب قسم کا پانی موجود ہے جس میں کوئی جاندار مچھلی، مینڈک وغیرہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے اُس کو بحر میت بولتے ہیں۔ یہی مقام سدوم کا بتلایا جاتا ہے۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ وَغَضَبِهٖ۔

دلیل نقلی ششم

حضرت شعیب علیہ السّلام کا عقیدۂ توحید

وَاِلٰی مَدْیَنَ	اور بھیجا طرف مدین کے بھائی
اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ط	ان کے شعیبؑ کو کہا اے
قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا	قوم میری عبادت کرو اللہ
اللّٰهَ مَا لَكُمْ	کی نہیں واسطے تمہارے کوئی
مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط قَدْ	معبود سوائے اس کے تحقیق
جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ	آئی ہے تمہارے پاس دلیل
رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ	پروردگار تمہارے سے پس
وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا	پورا کرو پیمان اور تول اور
النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ	مت کم دو لوگوں کو چیزیں
وَلَا تُفْسِدُوْا فِی	ان کی اور مت فساد کرو
الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ط	بیچ زمین کے پیچھے درستی
ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ	اس کی کے یہ بہتر ہے
اِنْ كُنْتُمْ	واسطے تمہارے اگر ہو تم
مُّؤْمِنِیْنَ ج وَلَا	ایمان والے اور مت
تَقْعُدُوْا بِكُلِّ	بیٹھا کرو ہر راہ میں کہ
صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ	ڈراتے ہو اور بند کرتے

وَتَصُدُّوْنَ عَنْ ہو راہ اللہ کی سے اس
سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ کو جو کوئی ایمان لاوے
اٰمَنَ بِهٖ ساتھ اس کے اور چاہتے
وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ہو ساتھ اس کے کجی
وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا اور یاد کرو کہ جس وقت کہ
فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا تھے تم تھوڑے پس بہت
كَيْفَ كَانَ کیا تم کو اور دیکھو کیوں کر
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ہوا ہے آخر کام فساد کرنے
وَاِنْ كَانَ والوں کا اور اگر ہے
طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ جماعت تم میں سے ایمان
اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ لائی ساتھ اس چیز کے کہ
اُرْسِلْتُ بِهٖ بھیجا گیا ہوں میں ساتھ اس
وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا کے اور ایک جماعت نہیں
فَاصْبِرُوْا حَتّٰى ایمان لائی پس صبر کرو یہاں
يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا تلک کہ حکم کرے اللہ
وَهُوَ خَيْرُ درمیان ہمارے اور وہ بہتر
الْحٰكِمِيْنَ ۝ حکم کرنے والا ہے۔
قَالَ الْمَلَاُ کہا سرداروں نے جو تکبّر
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا کرتے تھے قوم اس کی سے
مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ البتہ نکال دیں گے ہم تجھ
يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ کو اے شعیب اور ان

اٰمَنُوْا مَعَكَ لوگوں کو کہ ایمان لائے
مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ ساتھ تیرے بستی اپنی سے
لَتَعُوْدُنَّ فِيْ یا پھر آؤ گے تم بیچ دین
مِلَّتِنَاؕ قَالَ ہمارے کے کہا اگرچہ ہوں
اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ ○ ہم ناخوش رکھنے والے
قَدِ افْتَرَيْنَا تحقیق باندھ لیا ہم نے
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اوپر اللہ کے جھوٹ اگر
اِنْ عُدْنَا پھر آویں ہم بیچ دین تمہارے
فِيْ مِلَّتِكُمْ کے پیچھے اس کے کہ نجات
بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا دی ہم کو اللہ نے اس
اللّٰهُ مِنْهَاؕ وَمَا سے اور نہیں لائق ہم کو
يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ یہ کہ پھر آویں ہم بیچ اس
نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ کے مگر جو چاہے اللہ پروردگار
اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ہمارا سما لیا ہے رب
رَبُّنَاؕ وَسِعَ رَبُّنَا ہمارے نے ہر چیز کو علم
كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًاؕ میں اوپر اللہ کے توکل کیا
عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَاؕ ہم نے اے پروردگار کھول
رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا درمیان ہمارے اور درمیان
وَبَيْنَ قَوْمِنَا قوم ہماری کے ساتھ حق
بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ کے اور تو بہتر کھولنے
الْفٰتِحِيْنَ ○ وَقَالَ والا ہے۔ اور کہا

الْمَلَاُ الَّذِيْنَ	سرداروں نے جو کافر ہوئے
كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ	تھے قوم اس کی سے اگر
لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ	پیروی کروگے تم شعیبؑ کی
شُعَيْبًا اِنَّكُمْ	تحقیق تم اس وقت البتہ
اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝	ٹوٹا پانے والوں سے ہو،
فَاَخَذَتْهُمُ	پس پکڑا ان کو زلزلے نے
الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا	پس وقت فجر اٹھے بیچ
فِيْ دَارِهِمْ	گھروں اپنے کے زانو پر
جٰثِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ	گرے ہوئے۔ جنہوں
كَذَّبُوْا شُعَيْبًا	نے جھٹلایا شعیب کو گویا
كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا	کہ نہ رہتے تھے بیچ اس
فِيْهَا ۛ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	کے جنہوں نے جھٹلایا شعیب
شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ	کو ہوئے وہی ٹوٹا پانے
الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى	والے۔ پس منہ
عَنْهُمْ وَقَالَ	پھیرا ان سے اور کہا
يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ	اے قوم میری تحقیق پہنچائے
رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ	میں نے تم کو پیغام رب
نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ	اپنے کے اور خیرخواہی کی
فَكَيْفَ اٰسٰى	واسطے تمہارے پس کیونکر
عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝	غم کھاؤں اوپر قوم کافروں
وَمَا اَرْسَلْنَا	کے اور نہیں بھیجا ہم

فِيْ قَرْيَةٍ — نے بیچ کسی بستی کے
مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ — کوئی نبی مگر پکڑا ہم نے
اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ — لوگوں اس کے کو ساتھ فقر
وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ — کے اور مرض کے تو کہ وہ
يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ — عاجزی کریں پھر بدل
بَدَّلْنَا مَكَانَ — ڈالی ہم نے جگہ برائی کی
السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ — بھلائی یہاں تک کہ زیادہ
حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا — ہوئے اور کہنے لگے تحقیق
قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا — لگی تھی باپوں ہمارے کو
الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ — سختی اور راحت پس پکڑا
فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً — ہم نے ان کو ناگہاں اور
وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ — وہ نہیں جانتے تھے
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ — اور اگر لوگ ان بستیوں
الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا — کے ایمان لاتے اور پرہیزکاری
وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا — کرتے البتہ کھولتے ہم اوپر
عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ — ان کے برکتیں آسمان سے
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ — اور زمین سے ولیکن جھٹلایا
وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا — انہوں نے پس پکڑا ہم نے
فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا — اس کو ساتھ اس چیز کے کہ
يَكْسِبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ — تھے وہ کماتے کیا پس
اَهْلُ الْقُرٰٓى — نڈر ہوگئے ہیں رہنے والے

اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ بستیوں کے یہ کہ آوے اُن
بَاۡسُنَا بَیَاتًا وَّ کے پاس عذاب ہمارا رات
هُمۡ نَآئِمُوۡنَ ؕ کو اور وہ سوتے ہوں۔
اَوَ اَمِنَ اَهۡلُ کیا نڈر ہو گئے ہیں رہنے
الۡقُرٰۤی اَنۡ والے بستیوں کے یہ کہ
یَّاۡتِیَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًی آوے ان کے پاس عذاب
وَّ هُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ؕ ہمارا اور وہ کھیلتے ہوں
اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ ۚ کیا پس نڈر ہو گئے مکر
فَلَا یَاۡمَنُ خدا کے سے پس نڈر
مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا نہیں ہوتے ہیں مکر خدا
الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ؕ کے سے مگر قوم ٹوٹا پانے
اَوَ لَمۡ یَهۡدِ والی کیا نہیں راہ دکھائی
لِلَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ واسطے ان لوگوں کے کہ
الۡاَرۡضَ مِنۡۢ وارث ہوتے ہیں زمین کے
بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ پیچھے رہنے والے اُس کے
اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ یہ کہ اگر چاہیں ہم پکڑیں
اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ ہم ان کو ساتھ گناہوں اُن
وَ نَطۡبَعُ عَلٰی کے اور مُہر رکھیں ہم اوپر
قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا دلوں ان کے کہ پس وہ
یَسۡمَعُوۡنَ ؕ تِلۡكَ نہیں سنتے یہ بستیاں
الۡقُرٰی نَقُصُّ بیان کرتے ہیں ہم اوپر

عَلَيْكَ مِنْ — تیرے بعض چیزیں ان کی
اَنْبَآئِهَا وَلَقَدْ — اور تحقیق آئے تھے اُن
جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ — کے پاس پیغمبر ان کے ساتھ
بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا — دلیلوں کے پس نہیں تھے
كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا — کہ ایمان لاویں ساتھ اس
بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ — چیز کے کہ جھٹلایا تھا پہلے
قَبْلُ ط كَذٰلِكَ يَطْبَعُ — اس سے اسی طرح مہر رکھتا
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ — ہے اللہ اوپر دلوں کافروں
الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَا — کے اور نہیں پایا ہم
وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ — نے بہتوں اُن کے کو قائم
مِّنْ عَهْدٍ — رہتا اوپر عہد کے اور یہ
وَاِنْ وَّجَدْنَآ — کہ پایا ہم نے بہتوں اُن
اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝ — کے کو البتہ فاسق۔

سورۃ الاعراف آیت ۸۵ تا ۱۰۲

تحقیق بعض الفاظ

اَوْفُوْا جمع حاضر امر کا صیغہ ہے اِیْفَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی پورا کرنا۔ مِیْزَانٌ واحد اسم آلہ کا صیغہ ہے۔ اصل میں مِوْزَانٌ ہے واو کو یا سے بدلا ہوا ہے تولنے کے آلہ کو کہتے ہیں۔ لَا تَبْخَسُوْا جمع حاضر نہی کا صیغہ ہے۔ بَخْسٌ سے بنا ہے بمعنی چیز گھٹانا۔ لَا تَقْعُدُوْا جمع حاضر نہی کا صیغہ ہے قُعُوْدٌ سے بنا ہے اس کا معنی بیٹھنا۔ تُوْعِدُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ اِیْعَادٌ سے بنا ہے بمعنی دھمکی دینا۔

تَصُدُّوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے۔ صُدُوْدًا سے بنا ہے اس کا معنی روکنا۔ تَبْغُوْنَ جمع حاضر مضارع کا صیغہ ہے بَغْيًا سے بنا ہے بمعنی سرکشی کرنا۔ اِفْتَرَيْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے اِفْتَرَاءٌ سے بنا ہے بمعنی جھوٹ باندھنا۔ عُدْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے عَوْدٌ سے بنا ہے اس کا معنی لوٹنا۔ نَعُوْدَ جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے یہ بھی عَوْدٌ سے بنا ہے معنی لوٹنا۔ لَمْ يَغْنَوْا جمع مضارع فعل جحد کا صیغہ ہے غَنَاءٌ سے بنا ہے آبادی کو کہتے ہیں۔ آسٰی واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے اَسًی سے بنا ہے اس کا معنی غمگین ہونا۔ يَضَّرَّعُوْنَ جمع فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے باب تَفَعُّل سے ہے۔ تَضَرُّعًا سے بنا ہے اس کا معنی عاجزی کرنا۔ بَدَّلْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے تَبْدِيْلٌ سے بنا ہے معنی اس کا بدل دینا۔ عَفَوْا جمع غائب ماضی کا صیغہ ہے عَفْوٌ سے بنا ہے اس کا معنی بڑھنا اور مٹ جانا۔ یہاں اولی معنی مراد ہے۔ قُرٰی قَرْيَةٌ کی جمع ہے معنی آبادی۔ نَائِمُوْنَ جمع اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا واحد نَائِمٌ ہے نَوْمٌ سے بنا ہے معنی سونا۔ ضُحًی ضَحْوَةٌ کی جمع ہے ضَحْوٌ سے بنا ہے دن چڑھنے کا وقت۔ يَلْعَبُوْنَ جمع غائب مضارع کا صیغہ ہے۔ لَعِبٌ سے بنا ہے اس کا معنی کھیل تماشا۔ لَمْ يَهْدِ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے ہدایت سے بنا ہے اس کا معنی راہ نمائی کرنا۔ يَرِثُوْنَ جمع مضارع کا صیغہ ہے وِرَاثَةٌ سے بنا ہے اس کا معنی وارث ہونا۔ نَشَاءُ جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے شَيْءٌ سے بنا ہے بمعنی چیز یا چاہنا۔ اَصَبْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے اِصَابَةٌ سے بنا ہے اس کا معنی قصد

کرنا یا پہنچانا ہے۔ ذُنُوبِ ذَنْبٌ کی جمع ہے اس کا معنی گناہ۔ نَطْبَعُ جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے طَبْعٌ سے بنا ہے بمعنی مہر لگانا۔ نَقُصُّ جمع متکلم مضارع ہے۔ قِصَّۃٌ سے بنا ہے معنی بات بیان کرنا۔

معارف و مسائل

انبیاء علیہم السّلام کے قصص جن کا سلسلہ گزشتہ آیات سے چل رہا ہے ان میں پانچواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا ہے جو آیات متذکرہ میں بیان ہوا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادہ مَدْیَن کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت لُوط علیہ السلام سے بھی رشتہ قرابت رکھتے ہیں۔ مَدْیَن حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں ان کی نسل و اولاد بھی مَدْیَن کے نام سے معروف ہوگئی اور جس بستی میں ان کا قیام تھا اس کو بھی مَدْیَن کہتے ہیں۔ گویا مَدْیَن ایک قوم کا نام بھی ہے اور ایک شہر کا بھی۔ یہ شہر آج بھی شرق اُردن کی بندرگاہ مَعَان کے قریب موجود ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ مُوسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد ہے۔ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ۔ اس میں یہی بستی مراد ہے (ابن کثیر)۔ حضرت شعیب علیہ السّلام کو اُن کے حسن بیان کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا۔ (ابن کثیر۔ بحر محیط)

حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں قرآن کریم نے کہیں اُن کا اہل مدین اور اصحاب مَدْیَن کے نام سے ذکر کیا ہے اور کہیں اصحاب اَیکہ کے نام سے۔ اَیکہ کے معنی جنگل اور بن کے ہیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں قومیں الگ الگ تھیں۔ دونوں کی بستیاں بھی الگ تھیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام ان میں سے پہلے ایک قوم کی طرف بھیجے گئے ان کی ہلاکت کے بعد دوسری قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ دونوں قوموں پر جو عذاب آیا اس کے الفاظ بھی مختلف ہیں۔ اصحاب مدین پر کہیں صَیْحَہ اور کہیں رَجْفَہ مذکور ہے اور اصحاب ایکہ پر عذاب ظُلَّہ ذکر کیا گیا ہے۔ صَیْحَہ کے معنی چنگھاڑ اور سخت آواز کے اور رَجفہ کے معنی زلزلہ ہیں اور ظُلّہ سائبان کو کہا جاتا ہے۔ اصحاب ایکہ پر عذاب کی یہ صورت ہوئی کہ اوّل چند روز اُن کی پوری بستی میں سخت گرمی پڑی جس سے ساری قوم بلبلا اُٹھی۔ پھر اُن کے قریب جنگل پر ایک گہرا بادل آیا جس سے اُس جنگل میں سایہ ہو گیا اور ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ یہ دیکھ کر سارے بستی کے آدمی اس بادل کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ اس طرح یہ خدائی مجرم بغیر کسی وارنٹ اور سپاہی کے اپنے پاؤں چل کر اپنی ہلاکت کی جگہ پہنچ گئے۔ جب سب جمع ہو گئے تو بادل سے آگ برسی اور زمین میں بھی زلزلہ آیا جس سے یہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کا نام ہے اور عذاب کی جو تین قسمیں ابھی ذکر کی گئی ہیں۔ تینوں اس قوم پر جمع ہو گئیں۔ پہلے بادل سے آگ برسی پھر اس کے ساتھ سخت آواز چنگھاڑ کی شکل میں آئی پھر زمین میں زلزلہ آیا۔ ابن کثیرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

بہر حال یہ دونوں قومیں الگ الگ ہوں یا ایک ہی قوم کے دو نام ہوں حضرت شعیب علیہ السلام نے جو پیغام حق ان کو دیا وہ پہلی اور دوسری

آیات میں مذکور ہے۔ اس پیغام کی تفسیر سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ اسلام جو تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترک دعوت ہے۔ اس کا خلاصہ ادائے حقوق ہے۔ پھر حقوق دو قسم کے ہیں۔ ایک براہِ راست اللہ تعالیٰ کا حق جس کے کرنے یا چھوڑنے سے انسانوں کا کوئی معتدبہ نفع نقصان متعلق نہیں جیسے عبادات نماز، روزہ وغیرہ۔ دوسرے حقوق العباد جن کا تعلق انسانوں سے ہے۔ اور یہ قوم ان دونوں حقوق سے بے خبر اور دونوں کے خلاف کام کر رہی تھی۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں پر ایمان نہ لا کر حقوق اللہ کی خلاف ورزی کر رہے تھے اور اس کے ساتھ خرید و فروخت میں ناپ تول گھٹا کر لوگوں کے حقوق کو ضائع کر رہے تھے اور اس پر مزید یہ کہ راستوں اور سڑکوں کے دہانوں پر بیٹھ جاتے اور آنے والوں کو ڈرا دھمکا کر لوٹتے اور شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے سے روکتے تھے۔ اس طرح روئے زمین پر فساد مچا رکھا تھا۔ یہ ان کے شدید جرائم تھے جن کی اصلاح کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔

آیاتِ مذکورہ میں سے پہلی دو آیتوں میں اس قوم کی اصلاح کیلئے شعیب علیہ السلام نے تین باتیں فرمائیں۔

اول يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ یعنی اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا کوئی تمہارا معبود بننے کے لائق نہیں۔ یہ وہی دعوتِ توحید ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام دیتے آئے ہیں اور جو تمام عقائد و اعمال کی روح ہے۔ چونکہ یہ قوم بھی مخلوق پرستی میں مبتلا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے حقوق سے غافل تھی اس لیے اُن کو بھی سب سے پہلے یہی پیغام دیا گیا۔ اور فرمایا قَدْ جَآءَتْكُمْ

بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ یہاں واضح دلیل سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ تفسیر بحر محیط میں مختلف صورتیں ان کے معجزات کی ذکر کی ہیں۔

دوسری بات یہ فرمائی۔ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ۔ اس میں کیل کے معنی ناپ اور میزان بمعنی وزن تولنے کے معنی میں ہے اور بخس کے معنی کسی کے حق میں کمی کر کے نقصان پہنچانے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ تم ناپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے اُن کو نقصان نہ پہنچایا کرو۔

اس میں پہلے تو ایک خاص جرم سے منع فرمایا گیا جو خرید و فروخت کے وقت ناپ تول میں کمی کی صورت سے کیا جاتا تھا۔ بعد میں لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ فرما کر ہر طرح کے حقوق میں کتر بیونت اور کمی کوتاہی کو عام کر دیا۔ خواہ وہ مال سے متعلق ہو یا عزت و آبرو سے یا کسی دوسری چیز سے (بحر محیط)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح ناپ تول میں حق سے کم دینا حرام ہے اسی طرح دوسرے حقوق انسانی میں کمی کرنا بھی حرام ہے۔ کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کرنا۔ یا کسی کے درجہ اور رتبہ کے موافق اس کا احترام نہ کرنا۔ جس جس کی اطاعت واجب ہے اُن کی اطاعت میں کوتاہی کرنا یا جس شخص کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ اس میں کوتاہی برتنا۔ یہ سب امور اسی جرم میں داخل ہیں جو شعیب علیہ السلام کی قوم کیا کرتی تھی۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی آبرو کو اُن کے خون کے برابر واجب الاحترام

اور قابل حفاظت قرار دیا ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے۔

قرآن مجید میں جہاں مُطَفِّفِیْن اور تَطْفِیْف کا ذکر آیا ہے اُس میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ایک شخص کو جلدی جلدی رکوع سجدے کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا قد طففت یعنی تو نے ناپ تول میں کمی کردی (مؤطا امام مالک)۔ مراد یہ ہے کہ نماز کا جو حق تھا وہ تو نے پورا نہ کیا۔ اس میں حق نماز پورا ادا نہ کرنے کو تطفیف کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے

آخر آیت میں فرمایا لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا یعنی زمین کی درستی کے بعد اُس میں فساد مت پھیلاؤ۔ یہ جملہ اسی سورۂ اعراف میں پہلے بھی آچکا ہے وہاں اس کے معنی کی تفصیل بیان ہوچکی ہے کہ زمین کی ظاہری اصلاح ہر چیز کو اُس کے مصرف پر خرچ کرنے اور حدود کی رعایت کرنے اور عدل و انصاف قائم رکھنے پر موقوف ہے اور باطنی اصلاح، تعلق مع اللہ اور اطاعت احکام الٰہیہ پر اسی طرح زمین کا ظاہری اور باطنی فساد ان اصول کو چھوڑ دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ قوم شعیب علیہ السلام نے ان تمام اصول کو نظر انداز کر رکھا تھا جس کی وجہ سے زمین پر ظاہری اور باطنی ہر طرح کا فساد برپا تھا۔ اس لیے اُن کو یہ نصیحت کی گئی کہ تمہارے یہ اعمال ساری زمین کو خراب کرنے والے ہیں ان سے بچو۔

پھر فرمایا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ یعنی یہی بات تمہارے لیے نافع ہے اگر تم میری بات مانو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنی ان ناجائز حرکتوں سے باز آجاؤ تو اسی میں تمہارے دین و دنیا کی فلاح اور بہبود ہے۔ دین اور آخرت کی فلاح تو ظاہر ہے کہ احکام الٰہیہ کی اطاعت سے وابستہ ہے اور دنیا کی فلاح اس لیے کہ جب لوگوں کو معلوم

ہو جائے گا کہ فلاں شخص ناپ تول میں اور دوسرے حقوق میں دیانت داری سے کام کرتا ہے تو بازار میں اس کی ساکھ قائم ہو کر اس کی تجارت کو فروغ ہوگا

تیسری آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ تم لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے، راستوں سڑکوں پر نہ بیٹھا کرو۔ اس کا مطلب بعض مفسرین نے یہ قرار دیا کہ یہ دونوں جملے ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں کہ یہ لوگ راستوں پر بیٹھ کر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آنے والوں کو روکتے اور ڈراتے دھمکاتے تھے اس سے منع کیا گیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان کے یہ دو جرم الگ الگ تھے۔ راستوں پر بیٹھ کر لوٹ کھسوٹ بھی کرتے تھے۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے سے روکتے بھی تھے۔ پہلے جملہ میں پہلا مضمون اور دوسرے جملہ میں دوسرا مضمون بیان فرمایا ہے۔ تفسیر بحر محیط وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور راستوں پر بیٹھ کر لوٹ کھسوٹ کرنے میں اس کو بھی داخل قرار دیا ہے جو خلاف شرع ناجائز ٹیکس وصول کرنے کے لیے راستوں پر چوکیاں بنائی جاتی ہیں۔

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ جو لوگ راستوں پر بیٹھ کر خلاف شرع ناجائز ٹیکس وصول کرتے ہیں وہ بھی قوم شعیب علیہ السلام کی طرح مجرم ہیں، بلکہ ان سے زیادہ ظالم و جابر ہیں۔

آخر آیت میں فرمایا وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا یعنی تم لوگ اللہ کے راستہ میں کجی کی تلاش میں لگے رہتے ہو کہ کہیں انگلی رکھنے کی جگہ ملے تو اعتراضات و شبہات کے دفتر کھول دیں اور لوگوں کو دین حق سے بیزار کرنے کی کوشش کریں۔

اس کے بعد آیت کے آخر میں فرمایا: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ - اس میں ان لوگوں کی تنبیہ کے لیے ترغیب و ترہیب کے دونو پہلو استعمال کیے گئے اول تو ترغیب کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت یاد دلائی کہ تم پہلے اعداد و شمار کے لحاظ سے کم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری نسلیں بڑھا کر ایک بڑی وسیع قوم بنا دیا ۔ یا مال و سامان کے اعتبار سے کم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرما کر مستغنی کر دیا ۔ پھر ترہیب کے لیے فرمایا کہ اپنے سے پہلے فساد کرنے والی قوموں کے انجام پر نظر ڈالو کہ قوم نوحؑ ، قوم عاد و ثمود ، قوم لوط پہ کیا کیا عذاب آ چکے ہیں تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔

پانچویں آیت میں اس قوم کے ایک شبہ کا جواب ہے کہ شعیب علیہ السلام کی دعوت ایمان کے بعد ان کی قوم دو حصوں میں بٹ گئی کچھ ایمان لائے کچھ منکر رہے۔ مگر ظاہری اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ۔ دونوں جماعتیں یکساں آرام و عیش میں ہیں ۔ اگر منکر ہونا کوئی جرم ہوتا تو مجرم کو سزا ملتی ۔ اس کے جواب میں فرمایا فَاصْبِرُوا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا یعنی جلد بازی نہ کرو اللہ تعالیٰ اپنے حلم و کرم سے مجرموں کو مہلت دیتے ہیں جب وہ بالکل ہی سرکش ہو جاتے ہیں تو پھر فیصلہ کر دیا جاتا ہے ۔ تمہارا بھی یہی حال ہے اگر تم اپنے انکار سے باز نہ آئے تو عنقریب منکروں پر فیصلہ کن عذاب نازل ہو جائے گا۔

شعیب علیہ السلام سے جب اُن کی قوم نے یہ کہا کہ اگر آپ حق پر ہوتے تو آپ کے ماننے والے پھلتے پھولتے اور نہ ماننے والوں پر عذاب آتا مگر ہو یہ رہا ہے کہ دونوں فریق برابر درجہ میں آرام کی زندگی گزار رہے ہیں تو ہم آپ کو کیسے سچا مان لیں ۔ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ

جلد بازی نہ کرو عنقریب اللہ تعالیٰ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ فرمادینگے
اس پر قوم کے متکبر سرداروں نے وہی بات کہی جو ہمیشہ ظالم متکبر کہا کرتے
ہیں کہ اے شعیب یا تو تم اور جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں وہ سب ہمارے
مذہب میں واپس آجاؤ۔ ورنہ ہم تم سب کو اپنی بستی سے نکال دینگے۔
ان کے مذہب میں واپس آنا قوم شعیب علیہ السلام کے مؤمنین کے
متعلق تو اس لیے صادق ہے کہ وہ سب پہلے انہیں کے مذہب اور طریقہ
پر تھے۔ پھر شعیب علیہ السلام کی دعوت پر مسلمان ہو گئے۔ مگر حضرت شعیب
علیہ السلام تو ایک دن بھی اُن کے باطل مذہب و طریقہ پر نہ رہے تھے اور
نہ کوئی اللہ تعالیٰ کا پیغمبر کبھی کسی مشرکانہ باطل مذہب کی پیروی کر سکتا ہے تو
پھر اُن کے لیے یہ کہنا کہ ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ غالباً اس وجہ
سے تھا کہ نبوت عطا ہونے سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام ان لوگوں
کے باطل اقوال و اعمال پر سکوت فرماتے تھے اور قوم کے اندر رلے ملے رہتے
تھے۔ اس کے سبب اُن کا خیال حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں
بھی یہ تھا کہ وہ بھی ہمارے ہی ہم خیال اور ہمارے مذہب کے پیرو ہیں۔
دعوت ایمان کے بعد اُن کو معلوم ہوا کہ اُن کا مذہب ہم سے مختلف ہے اور
خیال کیا کہ یہ ہمارے مذہب سے پھر گئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے
جواب دیا۔ اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ۔ یعنی کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ تمہارے
مذہب کو ناپسند اور باطل سمجھنے کے باوجود ہم تمہارے مذہب میں داخل
ہو جائیں۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک
پہلی آیت کا مضمون ہے۔

دوسری آیت میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے

فرمایا کہ تمہارے باطل مذہب سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات دے دی۔ اس کے بعد اگر ہم تمہارے مذہب میں واپس ہو جائیں تو یہ ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ پر سخت جھوٹا بہتان ہو گا۔

کیونکہ اول تو خود کفر و شرک کو مذہب بنانا ہی یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس پر افتراء اور بہتان ہے اس کے علاوہ ایمان لانے اور علم و بصیرت حاصل ہونے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹنا گویا یہ کہنا ہے کہ پہلا طریقہ باطل اور غلط تھا حق اور صحیح وہ طریق ہے جس کو اب اختیار کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دوہرا جھوٹ اور بہتان ہے کہ حق کو باطل کہا اور باطل کو حق۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے اس قول میں ایک قسم کا دعویٰ تھا کہ ہم اب تمہارے مذہب میں پھر واپس نہیں ہو سکتے۔ اور ایسا دعویٰ کرنا بظاہر عبدیت کے خلاف ہے جو مقربان بارگاہ الٰہی اور اہل معرفت کی شایان شان نہیں اس لیے فرمایا :۔ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ یعنی ہم تمہارے مذہب میں ہرگز واپس نہیں ہو سکتے بجز اس کے کہ (خدانخواستہ) ہمارے پروردگار ہی کی مشیت و ارادہ ہماری گمراہی کا ہو جائے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ہم نے اُسی اللہ پر بھروسہ کیا ہے۔

اس میں اپنے عجز و ضعف کا اظہار اور اللہ تعالیٰ پر توکل و تفویض ہے جو کمالات نبوت میں سے ہے کہ ہم کیا ہیں جو کسی کام کے کرنے یا اس سے بچنے کا دعویٰ کر سکیں۔ کسی نیکی کا کرنا یا برائی سے بچنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے فضل سے ہے جیسا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا۔ یعنی

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو ہم کو صحیح راستہ کی ہدایت نہ ہوتی اور نہ ہم صدقہ خیرات کر پاتے نہ نماز پڑھ سکتے۔

یہاں تک کہ قوم کے متکبر سرداروں سے گفتگو کرنے کے بعد جب حضرت شعیب علیہ السلام کو یہ اندازہ ہوا کہ ان لوگوں پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اب ان کو خطاب چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔ یعنی اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ لفظ فتح کے معنی اس جگہ فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اسی معنی سے فاتح بمعنی قاضی آتا ہے۔ (بحر محیط)

اور درحقیقت ان الفاظ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے کفار کے لیے ہلاکت کی دعا کی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر ان لوگوں کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ دوسری آیت کا مضمون ختم ہوا۔

تیسری آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کے قوم کے متکبر سرداروں کا ایک گمراہ کن قول یہ نقل کیا ہے کہ وہ آپس میں کہنے لگے یا اپنے پیروں سے کہنے لگے کہ اگر تم نے شعیب کا اتباع کیا تو تم بڑے بیوقوف جاہل ٹھیرو گے (بحر محیط عن عطار)

چوتھی آیت میں اس سرکش قوم کے عذاب کا واقعہ اس طرح ذکر فرمایا فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ۔ یعنی ان کو سخت اور عظیم زلزلہ نے آپکڑا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

قوم شعیب علیہ السلام کا عذاب اس آیت میں زلزلہ کو بتلایا ہے اور دوسری آیات میں اَخَذَھُمۡ عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّةِ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کو یوم الظلۃ کے عذاب نے پکڑ لیا۔ یوم الظلہ کے معنی ہیں سایہ کا دن۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ان پر گہرے بادل کا سایہ آیا، جب اس کے نیچے جمع ہو گئے تو اسی بادل سے اُن پر پتھر یا آگ برسائی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے ان دونوں آیتوں میں تطبیق کے لیے فرمایا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم پر اوّل تو ایسی سخت گرمی مسلّط ہوئی جیسے جہنم کا دروازہ ان کی طرف کھول دیا گیا ہو جس سے ان کا دم گھٹنے لگا نہ کسی سایہ میں چین آتا تھا نہ پانی میں۔ یہ لوگ گرمی سے گھبرا کر تہ خانوں میں گھس گئے تو وہاں اوپر سے بھی زیادہ سخت گرمی پائی۔ پریشان ہو کر شہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ سب لوگ گرمی سے بدحواس تھے۔ دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس وقت یہ سارا بادل آگ ہو کر ان پر برسا۔ اور زلزلہ بھی آیا جس سے یہ سب لوگ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔ اس طرح اس قوم پر زلزلہ اور عذاب ظلہ دونوں جمع ہو گئے۔ (بحر محیط)

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ قوم شعیب علیہ السلام کے مختلف حصے ہو کر بعض پر زلزلہ آیا اور بعض عذاب ظلہ سے ہلاک کئے گئے ہوں۔

پانچویں آیت میں قوم شعیب کے واقعہ سے دوسروں کو عبرت کا سبق دیا گیا ہے جو اس واقعہ کے بیان کا اصل مقصود ہے فرمایا:- اَلَّذِیۡنَ

كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا۔ لفظ غَنِیَ کے ایک معنی کسی مقام میں خوش عیشی کے ساتھ بسر کرنے کے بھی آتے ہیں اس جگہ یہی معنی مراد ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جن مکانات میں آرام و عیش کی زندگی گزارتے تھے ۔ اس عذاب کے بعد ایسے ہوگئے کہ گویا کبھی یہاں آرام و عیش کا نام ہی نہ تھا۔ پھر فرمایا اَلَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخٰسِرِينَ۔ یعنی جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہی لوگ خسارہ میں پڑے۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ لوگ حضرت شعیب السلام اور ان کے مؤمن ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دینے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ انجام کار خسارہ انہیں پڑا۔

چھٹی آیت میں فرمایا فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ یعنی قوم پر عذاب آتا ہوا دیکھ کر شعیب علیہ السلام اور اُن کے ساتھی یہاں سے چل دیئے ۔ جمہور مفسرین نے فرمایا کہ یہ حضرات یہاں سے مکہ معظمہ آگئے ۔ اور پھر آخر تک یہیں قیام رہا۔

قوم کی انتہائی سرکشی اور نافرمانی سے مایوس ہو کر شعیب علیہ السلام نے بددعا تو کردی ۔ مگر جب اس کے نتیجہ میں قوم پر عذاب آیا تو پیغمبرانہ شفقت و رحمت کے سبب دل دکھا تو اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے قوم کو خطاب کر کے فرمایا۔ کہ میں نے تو تم کو تمہارے رب کے احکام پہنچا دیئے تھے اور تمہاری خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا مگر میں کافر قوم کا کہاں تک غم کروں۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

آیت ۹۴ چورانوے وَمَا اَرْسَلْنَا سے لے کر آیت ۹۶ چھیانوے يَكْسِبُونَ تک پہلی امتوں پر تنقیدی نگاہ ہے ۔ پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بھی آبادی یا علاقہ میں جب کوئی نبی بھیجا اور قوم نے اسے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کیا تا کہ وہ مان جائیں ۔ مگر انہوں

نے نہ مانا۔ اور دوسری آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ انہیں آسودہ حال بنا دیا اور انہوں نے خوب ترقی کی۔ ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ اس طرح مان جائیں۔ مگر انہوں نے پھر بھی نہ مانا۔

اور تیسری آیت میں فرمایا ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسمان اور زمین سے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی اور بد اعمالیوں سے باز نہ آئے تب انہیں ہلاک کیا گیا۔

اور آیت ساتویں اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی سے خٰسِرُوْنَ تک مخالفین اسلام کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر تم اسلام کی مخالفت سے باز نہیں آؤ گے تو ان پہلی قوموں کی طرح تمہیں تباہ کر دیا جائے گا اور اس کے بعد فاسقین تک آیات میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہربانی فرمائی ہے کہ تمہاری اصلاح کے لیے رسول بھیج دیا ہے۔

دلیل نقلی ہفتم

جنّات کا عقیدۂ توحید

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ	کہہ وحی کیا گیا ہے طرف
اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ	میری وہ کہ سنا ایک
مِّنَ الْجِنِّ	جماعت نے جنوں میں سے
فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا	پس کہا انہوں نے تحقیق سنا
قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ	ہم نے قرآن عجیب

يَهْدِيْٓ اِلَى	کہ راہ دکھاتا ہے طرف
الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا	بھلائی کے پس ایمان لائے
بِهٖ ۭ وَلَنْ	ہم ساتھ اس کے اور ہرگز
نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ	نہ شریک لاویں گے ہم ساتھ
اَحَدًا ۙ	رب اپنے کے کسی کو
وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ	اور یہ کہ بہت بلند ہے عزت
رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ	پروردگار ہمارے کی نہیں پکڑی
صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ	اس نے بی بی اور نہ اولاد
وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ	اور یہ کہ کہا کرتے تھے
سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ	بیوقوف ہمارے اوپر اللہ
شَطَطًا ۙ وَّ	تعالے کے زیادتی اور
اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ	ہم گمان کرتے تھے یہ کہ
لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ	ہرگز نہ کہیں گے آدمی اور
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ	جن اوپر اللہ تعالیٰ کے جھوٹ
وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ	اور یہ کہ تھے کتنے مرد
مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ	آدمیوں سے پناہ پکڑتے تھے
بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ	ساتھ مردوں کے جنوں سے
فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ	پس زیادہ کیا اُن کو تکبر۔
وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا	اور یہ کہ انہوں نے گمان کیا
كَمَا ظَنَنْتُمْ	تھا جیسا گمان کیا تھا تم نے
اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ	یہ کہ ہرگز نہ بھیجے گا اللہ

اللّٰہَ اَحَدًا ۙ وَّ اَنَّا	کسی کو اور یہ کہ
لَمَسْنَا السَّمَآءَ	ہم نے ٹٹولا آسمان کو
فَوَجَدْنٰہَا مُلِئَتْ	پس پایا ہم نے اس کو
حَرَسًا شَدِیْدًا	بھرا ہوا چوکیداروں سخت
وَّ شُہُبًا ۙ	سے اور شعلوں آگ کے سے
وَّ اَنَّا كُنَّا	اور یہ کہ بیٹھا کرتے تھے
نَقْعُدُ مِنْہَا	ہم آسمان میں سے جگہوں
مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ	میں واسطے سننے کے پس جو
فَمَنْ یَّسْتَمِعِ	کوئی سنتا ہے اب پاتا
الْاٰنَ یَجِدْ لَہٗ	ہے واسطے اپنے شعلہ
شِہَابًا رَّصَدًا ۙ	گھات لگائے ہوئے۔
وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ	اور یہ کہ ہم نہیں جانتے
اَشَرٌّ اُرِیْدَ	کیا برائی ارادہ کی گئی ہے
بِمَنْ فِی	ساتھ ان لوگوں کے کہ بیچ
الْاَرْضِ اَمْ	زمین کے ہیں کہ یا ارادہ کیا
اَرَادَ بِہِمْ رَبُّہُمْ	ہے ساتھ ان کے پروردگار
رَشَدًا ۙ	اُن کے نے بھلائی کا
وَّ اَنَّا مِنَّا	اور یہ کہ بعضے ہم میں
الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا	سے نیک ہیں اور بعضے
دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا	ہم میں سے سوائے اس
طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ	کے ہیں تھے ہم راہیں مختلف پر

وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ　اور یہ کہ جانا ہم نے یہ کہ
اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ　نہ عاجز کریں گے اللہ کو
اللّٰہَ فِی الْاَرْضِ　بیچ زمین کے اور ہرگز نہ عاجز
وَ لَنْ نُّعْجِزَہٗ هَرَبًا ۙ　کریں گے ہم اس کو بھاگ کر
وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا　اور یہ کہ جب سنی ہم نے
الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ　ہدایت ایمان لائے ہم
فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ　ساتھ اس کے پس جو کوئی
بِرَبِّهٖ فَلَا　ایمان لاوے ساتھ رب اپنے
یَخَافُ بَخْسًا　کے پس نہیں ڈرتا کم کر دینے
وَّ لَا رَهَقًا ۙ　سے اور نہ زیادہ رکھنے سے
وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ　اور یہ کہ بعضے ہم میں
وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ　سے مسلمان ہیں اور بعضے
فَمَنْ اَسْلَمَ　ہم میں سے ظالم ہیں
فَاُولٰٓىِٕكَ تَحَرَّوْا　پس جو کوئی اسلام لایا پس
رَشَدًا ۝　انہوں نے قصد کیا بھلائی کا
وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ　اور جو ظالم ہیں پس ہیں
فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ　واسطے دوزخ کے لکڑیاں
وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا　اور وحی کیا گیا ہے طرف
عَلَى الطَّرِیْقَةِ　میرے اگر یہ لوگ قائم رہتے
لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً　اوپر راہ کے البتہ پلاتے ہم
غَدَقًا ۙ　ان کو پانی وافر

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ	تو کہ آزماویں ہم ان کو
وَمَنْ يُعْرِضْ	بیچ اس کے اور جو شخص
عَنْ ذِكْرِ	اعراض کرتا ہے یاد رب
رَبِّهِ يَسْلُكْهُ	اپنے کی سے داخل کریگا
عَذَابًا صَعَدًا ۝	اس کو عذاب سخت میں
وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ	اور یہ کہ مسجدیں واسطے اللہ
لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا	کے ہیں پس مت پکارو
مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝	ساتھ اللہ کے کسی کو
وَأَنَّهُ لَمَّا	اور یہ کہ جس وقت کھڑا
قَامَ عَبْدُ اللَّهِ	ہوکر بندہ خدا کا پکارتا
يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ	ہے نزدیک ہیں کہ ہوویں
عَلَيْهِ لِبَدًا ۝	اوپر اس کے حلقہ حلقہ۔
قُلْ إِنَّمَا	کہہ سوائے اس کے نہیں کہ
أَدْعُوا رَبِّي	پکارتا ہوں میں رب اپنے کو اور
وَلَا أُشْرِكُ بِهِ	نہیں شریک لاتا میں ساتھ اس
أَحَدًا ۝ قُلْ	کے کسی کو کہہ تحقیق
إِنِّي لَا أَمْلِكُ	میں نہیں اختیار میں رکھتا
لَكُمْ ضَرًّا وَلَا	واسطے تمہارے ضرر کو اور
رَشَدًا ۝ قُلْ	نہ بھلائی کو کہہ کہ تحقیق
إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي	مجھ کو ہرگز نہ پناہ دیگا
مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ ۝	خدا سے کوئی

وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ	اور ہرگز نہ پاؤں گا میں سوائے
دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝	اس کے جگہ پناہ کی
اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ	مگر پہچانا اللہ کی طرف سے
اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ	اور پیغام لانے اُس کے سے
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ	اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ
وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ	کی اور رسول اس کے کی پس
لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ	تحقیق واسطے اس کے آگ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ	ہے دوزخ کی ہمیشہ رہنے والے ہیں
اَبَدًا ۝ حَتّٰٓى	بیچ اس کے ہمیشہ یہانتک
اِذَا رَاَوْا مَا	کہ جب دیکھیں گے جو کچھ
يُوْعَدُوْنَ	وعدہ دیئے جاتے ہیں پس
فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ	البتہ جان لیویں گے کون شخص
اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ	ناتوان ہے مددگاروں کا اور
اَقَلُّ عَدَدًا ۝ قُلْ	کم ہے عدد میں کہہ میں
اِنْ اَدْرِيْٓ	نہیں جانتا کہ نزدیک ہے
اَقَرِيْبٌ مَّا	جو کچھ وعدہ دیئے جاتے
تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ	ہو تم یا کرے واسطے اس
لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۝	کے پروردگار میرا مدت
عٰلِمُ الْغَيْبِ	وہ ہے جاننے والا غیب
فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى	کا پس نہیں خبردار کرتا اوپر
غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝	غیب اپنے کے کسی کو

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ	مگر جس کو پسند کرتا ہے
رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ	پیغمبر سے پس تحقیق وہ
مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ	چلاتا ہے آگے اس کے سے
وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًاۙ	اور پیچھے اس کے سے نگہبان
لِّيَعْلَمَ اَنْ	تاکہ وہ جان لے کہ تحقیق
قَدْ اَبْلَغُوْا	انہوں نے پہنچائے پیغام رب
رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ	اپنے کے اور گھیر لیا اس
بِمَا لَدَيْهِمْ	چیز کو جو پاس اُن کے ہے
وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ	اور گن لیا ہے ہر چیز کو
عَدَدًا ۠ سورۃ الجن	شمار میں۔

آیت ۱ تا ۲۸

تحقیق بعض الفاظ

اُوْحِيَ واحد مذکر ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اِیْحَاءٌ سے بنا ہے بمعنی بات دل میں ڈالنا۔ قرآنی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں جو باتیں ڈالی ہیں وہ وحی ہیں۔ تَعٰلٰی واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے باب تفاعل سے ہے تَعَالُوٌ سے بنا ہے اس کا معنی بلندی۔ يَعُوْذُوْنَ جمع مضارع کا صیغہ ہے۔ عَوْذًا سے بنا ہے اس کا معنی پناہ چاہنا۔ زَادُوْا جمع غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ زِيَادَةٌ سے بنا ہے بمعنی زیادہ ہونا۔ حَرَسًا حَارِسٌ کی جمع ہے حِرَاسَةٌ سے بنا ہے چوکیداری کرنا۔ شُهُبًا شِهَابٌ کی جمع ہے بمعنی چنگاری، چمک۔ مَقَاعِدَ مَقْعَدٌ کی جمع ہے بیٹھنے کی جگہ

یَجِدُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ وَجْدٌ یا وِجْدَانٌ سے بنا ہے
اس کا معنی پانا۔ لَا نَدْرِیْ جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے دِرَایَۃٌ
سے بنا ہے اس کا معنی جاننا۔ اُرِیْدَ واحد مذکر ماضی مجہول ہے اور اَرَادَ واحد مذکر
ماضی معروف ہے۔ یہ دونوں صیغے اِرَادَۃٌ سے بنے ہیں بمعنی ارادہ کرنا۔
طَرَائِقَ طریقہ کی جمع ہے بمعنی راستہ۔ نُعْجِزَ جمع متکلم مضارع کا صیغہ
ہے باب افعال سے ہے اِعْجَازٌ سے بنا ہے بمعنی عاجز بنانا۔ تَحَرَّوْا جمع
غائب مضارع کا صیغہ ہے۔ تَحَرِّیٌ سے بنا ہے اس کا معنی قصد
کرنا۔ قَاسِطُوْنَ جمع اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ قَاسِطٌ اس کی واحد ہے
اگر یہ لفظ مجرّد استعمال ہو یعنی قِسْطٌ تو پھر یہ ظلم کے معنی میں آتا ہے اور
اگر مزید استعمال ہو یعنی باب افعال سے آئے۔ اِقْسَاطٌ تو پھر یہ انصاف
کے معنی میں آتا ہے۔ اَسْقَیْنَا جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے۔ اِسْقَاءٌ
سے بنا ہے بمعنی پانی پلایا۔ نَفْتِنَ جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے فِتْنَۃٌ
سے بنا ہے یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہاں مراد آزمانا ہے
یُعْرِضُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے اِعْرَاضٌ سے بنا ہے اس کا معنی
منہ پھیرنا۔ یَسْلُكْ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے سُلُوْكٌ سے
بنا ہے اس کا معنی چلنا۔ لَا تَدْعُوْا جمع نہی کا صیغہ ہے دُعَاءٌ سے
بنا ہے اس کا معنی بلانا۔ کَادُوْا جمع غائب ماضی کا صیغہ ہے کَوْدٌ
سے بنا ہے اس کا معنی قریب ہونا۔ اس کا اصول یہ ہے کہ اگر ایک آدمی
کام کرنا چاہے اور وہ کام اس سے نہ ہو سکے تو پھر اس کے شروع میں
صرف نفی نہیں لگاتے۔ اور اگر وہ کام نہ کرنا چاہے مگر وہ ہو جائے تو پھر
اس کام کے شروع میں صرف نفی لگاتے ہیں۔ یُجِیْرُ واحد مذکر مضارع

کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے۔ اِجَارَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی کوئی چیز مزدوری پر دینا یا پناہ دینا۔ مُلْتَحَدٌ واحد مذکر ظرف کا صیغہ ہے قبر کو بھی کہتے ہیں اور جائے پناہ کو بھی کہتے ہیں۔ یَعْصِ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے عِصْیَانٌ سے بنا ہے بمعنی نافرمانی۔ اَضْعَفُ واحد مذکر اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ ضُعْفٌ سے بنا ہے اس کا معنی کمزوری ــــ یُوْعَدُوْنَ اور تُوْعَدُوْنَ جمع مضارع مجہول کے صیغے ہیں۔ انکی مصدر ہے وَعْدٌ۔ لَا یُظْهِرُ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے۔ اِظْهَارٌ سے بنا ہے اس کا معنی ظاہر کرنا آتا ہے۔ اِرْتَضٰی واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے۔ اِرْتِضَاءٌ سے بنا ہے اس کا معنی پسند کرنا۔ اَحَاطَ واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے ہے اِحَاطَۃٌ سے بنا ہے اس کا معنی گھیر لینا۔ اَحْصٰی واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے اِحْصَاءٌ سے بنا ہے بمعنی شمار کرنا۔

معارف و مسائل

نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ لفظ نفر تین سے دس تک عدد کے لیے بولا جاتا ہے۔ جن جنات کا یہاں ذکر ہے روایت یہ ہے کہ یہ نو حضرات تھے نصیبین کے رہنے والے۔

جنّات کی حقیقت

جن مخلوقات الٰہیہ میں ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو اجسام بھی ہیں ذی روح بھی اور انسان کی طرح عقل و شعور والے بھی مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں اسی لیے ان کا نام جنّ رکھا گیا کہ جن کے لفظی معنے مخفی کے ہیں۔ ان کی تخلیق کا

غالب مادہ آگ ہے جیسے انسان کی تخلیق کا غالب مٹی ہے اس نوع میں بھی انسان کی طرح نر و مادہ یعنی مرد و عورت ہیں اور انسان ہی کی طرح ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں جن کو شیاطین کہا گیا ہے وہ بھی جنات ہی میں سے شریر لوگوں کا نام ہے۔ جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن و سنت کی قطعی دلائل سے ثابت ہے جس کا انکار کفر ہے (تفسیر مظہری)

کفذ اُوحِیَ اِلَیَّ سے معلوم ہوا کہ جنات کے جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں آپ نے قرآن سننے والے جنات کو دیکھا نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دی۔

سورۂ جن کے نزول کے واقعہ کی تفصیل

صحیح بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ (اس واقعہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو قران بالقصد سنایا نہیں بلکہ اُن کو دیکھا بھی نہیں۔ بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ آپؐ اپنے کچھ صحابہؓ کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جن شیاطین کو آسمان کی خبریں سننے سے شہاب ثاقب کے ذریعہ روک دیا گیا تھا۔ اور جنات نے باہم مشورہ کیا کہ یہ حادثہ جو ہم پہ آسمانی خبروں سے ممنوع ہو جانے کا پیش آیا ہے یہ کوئی اتفاقی بات معلوم نہیں ہوتی دنیا میں کوئی نئی چیز پیش آئی ہے جو اس کا سبب ہوئی اور یہ طے کیا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور ہر طرف میں جنات کے وفود جائیں اور اس کی تحقیق کر کے آویں کہ یہ نئی چیز کیا پیش آئی ہے۔ ان کا جو وفد تہامہ حجاز کی طرف بھیجا گیا تھا وہ مقام نخلہ پہ پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے۔
جنّات کے اس وفد نے جب قرآن سُنا تو قسمیں کھا کر آپس میں کہنے لگے کہ واللہ یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے۔ یہ لوگ یہاں سے لوٹے اور جا کر اپنی قوم سے یہ قصّہ بیان کیا جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ انّ سمعنا قرانًا عجبا الآیۃ اللہ تعالیٰ نے اس سارے واقعہ کی خبر اپنے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں دے دی۔

ابُوطالب کی وفات اور آنحضرتؐ کا سفرِ طائف

اور اکثر مفسّرین نے فرمایا ہے کہ ابو طالب کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۂ مکرمہ میں بے یار و مددگار رہ گئے تو آپؐ نے تن تنہا طائف کا سفر کیا کہ وہاں کے قبیلہ بنی ثقیف سے اپنی قوم کے مظالم کے مقابلہ میں کچھ مدد اور معاونت حاصل کر سکیں۔
محمد بن اسحٰق کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم طائف پہنچے تو قبیلۂ ثقیف کے تین بھائیوں کے پاس گئے جو قبیلہ کے سردار اور شریف سمجھے جاتے تھے، یہ تین بھائی عُمیر کے بیٹے عبد یا لیل اور مسعود اور حلیب تھے ان کے گھر میں ایک عورت قریش کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اور اپنی قوم کے مظالم کا ذکر کر کے اُن سے معاونت کے لیے فرمایا۔ مگر ان تینوں نے بڑا سخت جواب دیا اور آپؐ سے کچھ کلام نہیں کیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قبیلہ بنو ثقیف کے یہی

تین آدمی ایسے شریف سمجھے جاتے تھے جن میں سے کسی معقول جواب کی اُمید تھی، ان سے بھی مایوسی ہوگئی تو آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ اچھا اگر آپ لوگ میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم میرے آنے کو میری قوم پر ظاہر نہ کرنا مقصد یہ تھا کہ ان کو خبر ملے گی تو اور زیادہ ستاویں گے، مگر ان ظالموں نے یہ بات بھی نہ مانی بلکہ اپنے قبیلہ کے بیوقوف لوگوں اور غلاموں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا کہ آپؐ کو گالیاں دیں اور شور مچائیں۔ ان کے شور وشغب سے بہت سے اور شریر جمع ہوگئے۔ آپؐ نے اُن کے شر سے بچنے کے لیے ایک باغ میں جو عتبہ اور شیبہ دو بھائیوں کا باغ تھا اُس میں پناہ لی اور یہ دونوں بھی اُس باغ میں موجود تھے۔ اُس وقت یہ شریر لوگ آپؐ کو چھوڑ کر واپس ہوئے اور آپؐ انگوروں کے باغ کے سائے میں بیٹھ گئے۔ یہ دونوں بھائی آپؐ کو دیکھ رہے تھے اور یہ بھی دیکھا تھا کہ ان کی قوم کے بے وقوفوں کے ہاتھوں آپؐ کو کیا تکلیف اور اذیت پیش آئی۔ اِسی درمیان میں وہ قریشی عورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی جو ان ظالموں کے گھر میں تھی۔ آپؐ نے اُس سے شکایت کی کہ تمہارے سسرال کے لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

جب اس باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کچھ اطمینان حاصل ہوا تو آپؐ نے اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں دُعا مانگنی شروع کی، اس دُعا کے الفاظ بھی عجیب وغریب ہیں۔ اور کسی موقعہ پہ آپ سے ایسے الفاظ دُعا منقول نہیں، وہ دُعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْ	یا اللہ میں آپ سے شکایت
اِلَیْكَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ	کرتا ہوں اپنی قوت کے ضعف
وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَهَوَانِیْ	اور کمی کی اور اپنی تدبیر کی ناکامی

عَلَى النَّاسِ — کی اور لوگوں کی نظروں میں
وَاَنْتَ اَرْحَمُ — اپنی خفت و بے توقیری کی
الرَّاحِمِيْنَ وَاَنْتَ — اور آپ تو بہت رحم کرنیوالوں
رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ — سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں
فَاَنْتَ رَبِّيْ — اور آپ کمزوروں کی پرورش
اِلٰى مَنْ — فرمانے والے ہیں آپ ہی میرے
تَكِلُنِيْ اِلٰى — رب ہیں آپ مجھے کس کے سپرد
بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ — کرتے ہیں۔ کیا ایک غیر آدمی
اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ — کے جو مجھ پر حملہ کرے یا کسی
مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ — دشمن کے جس کو آپ نے میرے
اِنْ لَّمْ تَكُنْ — معاملہ کا مالک بنا دیا ہے اگر جو
سَاخِطًا عَلَيَّ — چاہے کرے) اگر آپ مجھ پر
فَلَا اُبَالِيْ — ناراض نہ ہوں تو مجھے ان سب
وَلٰكِنَّ عَافِيَتَكَ — چیزوں کی بھی پرواہ نہیں لیکن
هِيَ اَوْسَعُ — آپ کی عافیت میرے لیے زیادہ
لِيْ۔ اَعُوْذُ بِنُوْرِ — بہتر ہے (اس کو طلب کرتا ہوں)
وَجْهِكَ الَّذِيْ — میں آپ کی ذاتِ مبارک کے
اَشْرَقَتْ لَهُ — نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے
الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ — تمام اندھیریاں روشن ہو جاتی
عَلَيْهِ اَمْرُ — ہیں اور اس کی بنا پر دنیا و
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ — آخرت کے سب کام درست ہو

مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ (مظہری باختصار)

جانتے ہیں اس بات سے کہ مجھ پر اپنا غضب نازل فرمائیں ہمارا کام ہی یہی ہے آپ کو راضی کرنے اور منانے میں لگے رہیں جب تک کہ آپ راضی نہ ہو جائیں اور ہم تو کسی برائی سے بچ سکتے نہیں نہ کسی کو حاصل کر سکتے ہیں بجز آپ کی مدد کے

جب ربیعہ کے دونوں بیٹوں عتبہ اور شیبہ نے یہ حال دیکھا تو اُن کے دل میں رحم آیا اور اپنے ایک نصرانی غلام عدّاس نامی کو بُلا کر کہا کہ انگور کا ایک خوشہ لو اور ایک طبق میں رکھ کر اُس شخص کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہو یہ کھائیں۔ عدّاس نے ایسا ہی کیا اُس نے جا کر انگور کا یہ طبق آپؐ کے سامنے رکھ دیا۔ آپؐ نے بِسمِ اللہ پڑھ کر اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عدّاس یہ دیکھ رہا تھا کہنے لگا واللہ یہ کلام یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے۔ اُس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھّا تو اللہ کے نیک بندے یونس بن متّی علیہ السّلام کی بستی کے رہنے والے ہو۔ اُس نے کہا کہ آپ کو یونس بن متّی کی کیا خبر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے میں بھی نبی ہوں۔

یہ سُن کر عدّاس آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کے سرِ مبارک اور ہاتھوں پاؤں کو بوسہ دیا۔ عتبہ اور شیبہ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس نے ہمارے غلام کو تو خراب کر دیا۔ جب عدّاس لوٹ کر ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ عدّاس تجھے کیا ہوا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا۔ اس نے کہا کہ میرے سردارو۔ اس وقت زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتلائی جو نبی کے سوا کوئی نہیں بتلا سکتا۔ انہوں نے کہا کمبخت ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی تجھے تیرے مذہب سے پھیر دے کیونکہ تیرا دین بہرحال اُس کے دین سے بہتر ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ گئے جبکہ ثقیف کی ہر چیز سے مایوس ہو گئے۔ واپسی میں آپؐ نے مقامِ نخلہ پر قیام فرمایا اور آخر شب میں نماز تہجد پڑھنے لگے تو ملک یمن نصیبین کے جنات کا یہ وفد بھی وہاں پہنچا ہوا تھا اُس نے قرآن سُنا اور سُن کر ایمان لے آئے اور اپنی قوم کی طرف واپس جا کر واقعہ بتلایا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیاتِ مذکورہ میں فرمایا (مظہری)

ایک صحابی جن کا واقعہ

ابن جوزی نے کتاب الصفوہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل عبداللہ سے نقل کیا کہ انہوں نے ایک مقام پر ایک بوڑھے جن کو دیکھا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے اور اون کا جُبّہ پہنے ہوئے تھا جس پر بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سہل کہتے ہیں، کہ میں نے اُن کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دے کر بتلایا کہ تم اس

جُبّہ کی رونق سے تعجب کر رہے ہو یہ جُبّہ سات سو سال سے میرے بدن پر ہے۔ اسی جُبّہ میں مَیں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ملاقات کی، پھر اسی جُبّہ میں محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور میں اُن جنّات میں سے ہوں جن کے بارہ میں سورۂ جن نازل ہوئی ہے۔ (مظہری)

اور روایات حدیث میں جو لیلۃ الجنّ کا واقعہ مذکور ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کے ساتھ تھے اس میں آپ کا بالقصد جنّات کو تبلیغ و دعوت کے لیے مکّہ مکرمہ کے قریب جنگل میں جانا اور قرآن سنانا منقول ہے وہ بظاہر اس واقعہ کے بعد کا قصّہ جس کا ذکر سورۂ جن میں آیا ہے۔

اور علامّہ خفاجیؒ نے فرمایا کہ احادیث معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جنّات کے وفود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھ مرتبہ حاضر ہوئے ہیں اس لیے ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کہ سورۂ جن والے واقعہ میں آپؐ کو جنّات کے آنے اور قرآن سننے کی خبر بھی نہ تھی جب تک بذریعہ وحی آپؐ کو بتلایا نہ گیا اور یہ کہ یہ واقعہ مقام نخلہ کا اور طائف سے واپسی کے وقت کا ہے اور دوسری روایات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر مکّہ کے قریب ہی جنگل میں آپؐ بالقصد اسی کام کے لیے تشریف لے گئے کہ جنّات کو دعوت اسلام دیں اور قرآن سنائیں یہ اس کے بعد پیش آیا (مظہری)

وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا جدّ کے معنے شان کے ہیں حق تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے، تعالیٰ جدّہٗ یعنی بلند و بالا ہے اس کی شان۔ یہاں جدّہٗ کی ضمیر راجع کرنے کے بجائے لفظ ربّ مظہر رکھا گیا ہے جس میں اس علو شان کی دلیل بھی آگئی کیونکہ جو ذات مخلوق کی پروردگار ہے اُس کا سب مخلوق سے عالی شان ہونا ظاہر ہے۔

اس آیت میں وَ اَنَّہٗ کے عطف اور ترکیب نحوی میں مفسرین کا کلام طویل ہے عوام کو اس کی حاجت نہیں۔

وَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۔ لفظ شططا کے معنی قول بعید از عقل اور ظلم و جور کے آتے ہیں، مراد یہ ہے کہ ایمان لانے والے جنات نے اب تک شرک و کفر میں مبتلا رہنے کا عذر یہ بیان کیا کہ ہماری قوم کے بیوقوف لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے سروپا باتیں کہا کرتے اور ہمیں یہ گمان نہ تھا کہ کوئی انسان یا جن اللہ کی طرف جھوٹی بات نسبت کر سکتا ہے اس لیے ان بیوقوفوں کی بات میں آکر آج تک ہم کفر و شرک میں مبتلا تھے اب قرآن سُنا تو حقیقت کھلی

وَ اَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْھُمْ رَھَقًا ۔ اس آیت میں مومن جنات نے یہ بیان کیا ہے کہ جاہلیت کے لوگ جب کسی جنگل میں قیام کرتے تو اس جنگل کے جنات کی پناہ مانگتے تھے اس سے جنات یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو انسان سے بھی افضل ہیں کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتا ہے اس بات نے جنات کی گمراہی میں اور اضافہ کردیا

حضرت رافع بن عمیرؓ کا اسلام بسبب جنات

تفسیر مظہری میں ہے کہ ہواتف الجن میں سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیرؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ رافع بن عمیر صحابیؓ نے اپنے اسلام قبول کرنے کا ایک واقعہ یہ بتلایا ہے کہ میں ایک رات ایک ریگستان میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا میں اپنی اونٹنی سے اترا اور سو گیا اور سونے سے پہلے میں نے اپنی قوم کی عادت کے مطابق یہ الفاظ کہہ لیے انی اعوذ بعظیم ھذا

الوادی من الجن" ۔ یعنی میں پناہ لیتا ہوں اس جنگل کے جنات کے سردار کی ۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ہے اس کو وہ میری ناقہ کے سینہ پر رکھنا چاہتا ہے ۔ میں گھبرا کر اُٹھا اور دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا تو میں نے دل میں کہا کہ یہ شیطانی خیال ہے اصلی نہیں اور پھر سوگیا اور بالکل غافل ہوگیا ۔ تو پھر وہی خواب دیکھا پھر میں اٹھا اور اپنی ناقہ کے چاروں طرف پھرا کچھ نہ پایا مگر ناقہ کو دیکھا کہ وہ کانپ رہی ہے ۔ میں پھر جاکر اپنی جگہ سوگیا ، تو پھر وہی خواب دیکھا ، میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ میری ناقہ تڑپ رہی ہے اور پھر دیکھا ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں حربہ ہے یہ وہی شخص تھا جس کو خواب میں ناقہ پر حملہ کرتے دیکھا تھا اور ساتھ ہی دیکھا کہ ایک بوڑھے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے جو ناقہ پر حملہ کرنے سے اُس کو روک رہا ہے ۔ اسی عرصہ میں تین گورخر سامنے آگئے ۔ تو بوڑھے نے اُس نوجوان سے کہا کہ ان تینوں میں سے جس کو تو پسند کرے وہ لے اور اس انسان کے ناقہ کو چھوڑ دے ۔ وہ جوان ایک گورخر لے کر رخصت ہوگیا پھر اس بوڑھے نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ اے بیوقوف جب تو کسی جنگل میں ٹھہرے اور وہاں کے جنات وشیاطین سے خطرہ ہو تو یہ کہا کر اعوذ باللہ رب محمد من ھول ھذا الوادی ۔ یعنی میں پناہ پکڑتا ہوں ربّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جنگل کے خوف اور شر سے اور کسی جن سے پناہ نہ مانگا کر ۔ کیونکہ وہ زمانہ چلا گیا جب انسان جنوں کی پناہ لیتا تھا ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہیں ۔ اُس نے کہا کہ یہ نبی عربی ؐ ہیں نہ شرقی نہ غربی ، پیر کے روز یہ مبعوث ہوئے ہیں ۔ میں نے پوچھا کہ یہ کہاں رہتے ہیں ۔ اُس نے بتلایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں جو کھجوروں کی

بستی ہے۔ اس نے بتلایا کہ وہ یثرب چلا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو میرا سارا واقعہ مجھے سُنا دیا اس سے پہلے کہ میں آپؐ سے کچھ ذکر کروں اور مجھے اسلام کی دعوت دی میں مسلمان ہو گیا۔

سعید بن جبیرؓ اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک اس معاملے کے متعلق قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ۔

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰھَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُھُبًا۔ لفظ سماء عربی لغت میں جس طرح آسمان کے لیے بولا جاتا ہے اُسی طرح بادل پر بھی لفظ سماء کا اطلاق عام اور معروف ہے یہاں بظاہر سماء سے مراد یہی بادل ہے۔

جنات آسمانی خبریں سننے کے لیے صرف بادلوں تک جاتے تھے

اور جنات وشیاطین کا آسمانی خبریں سننے کے لیے آسمان تک جانے کا مطلب یہی ہے کہ بادلوں تک جاتے تھے اور وہاں سے آسمانی خبریں سنتے تھے۔

اور دلیل اس کی حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث ہے جو صحیح بخاری میں بالفاظ ذیل آئی ہے:-

قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يقول ان الملائكة	سے سنا ہے کہ فرشتے عنان
تنزل فى العنان	سماء میں اترتے ہیں جس کے
وَهُوَ السحاب	معنیٰ بادل کے ہیں وہاں وہ
فتذكر الامر	اُن فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں
الذى قضى	جو اللہ تعالیٰ نے آسمان میں
فى السما مُصَدِّقٌ	جاری فرمائے ہیں یہاں سے شیاطین
الشياطين السمع	یہ خبریں چراتے ہیں اور سن کر
فتسمعه فتنوجه	کاہنوں کے پاس لاتے ہیں اور
الى الكهان فيكذبون	اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ
معها مائة كذبة من	ملا کر اُن کو بتاتے ہیں۔
عند انفسهم (از مظہری)	

اور صحیح بخاری ہی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اصل آسمانوں میں پیش آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم آسمان میں جاری فرماتے ہیں تو سب فرشتے بغرض اطاعت اپنے پر مارتے ہیں اور جب کلام ختم ہو جاتا ہے تو باہم تذکرہ کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ اس تذکرہ کو آسمانی خبریں چرانے والے شیاطین سن لیتے ہیں اور کاہنوں کے پاس اس میں بہت سے جھوٹ شامل کر کے پہنچاتے ہیں۔

یہ مضمون حدیث عائشہؓ مذکورہ کے منافی نہیں کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیاطین آسمانوں میں جا کر یہ خبریں چرا لاتے ہیں بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ خبریں درجہ بدرجہ آسمانوں میں فرشتوں کے اندر پھیلتی ہوں،

پھر فرشتے عنان سماء یعنی بادل تک آتے اور اس کا تذکرہ کرتے ہوں یہاں سے شیاطین خبروں کی چوری کرتے ہوں جیساکہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے (کذا فی المظہری)

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین کا آسمانی خبریں سن کر کاہنوں تک پہنچانے کا سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری تھا شیاطین بادلوں تک پہنچ کر فرشتوں سے سُن لیا کرتے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ کی آسمانی وحی کی حفاظت کے لیے اس سلسلہ کو اس طرح بند کردیا گیا کہ جب کوئی شیطان یہ خبریں سننے کے لیے اُوپر آتا تو اس کی طرف شہاب ثاقب کا انگارہ پھینک کر اس کو دفع کر دیا جاتا ہے۔ یہی وہ نیا حادثہ تھا جس کی شیاطین وجنات کو فکر ہوئی اور تحقیق حال کے لیے دنیا کی مشرق و مغرب میں وفود بھیجے پھر مقام نخلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک وفدِ جنّات کا قرآن سُن کر ایمان لانا سُورۂ جن میں ذکر فرمایا گیا۔

شہابِ ثاقب بعثتِ نبویؐ سے پہلے بھی تھے مگر انکے ذریعہ دفع شیاطین کا کام آپؐ کے زمانہ سے ہوا

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شہابِ ثاقب جس کو عرف عام میں ستارہ ٹوٹنا یا عربی میں انقضاض الکوکب کہتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں قدیم زمانے سے ہوتا آیا ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہدِ نبوی کی تخصیص ہے۔ جواب یہ ہے کہ شہابِ ثاقب کا وجود تو پہلے سے تھا خواہ اس کی حقیقت وہ ہو جو فلاسفہ بیان کرتے ہیں کہ زمین سے کچھ آتشیں مادے

فضا میں پہنچتے ہیں وہ کسی وقت بھڑک اُٹھتے ہیں۔ یا یہ ہو کہ خود کسی ستارہ اور سیارہ سے یہ آتشیں مادہ نکلتا ہو۔ بہر حال اس کا وجود اگرچہ ابتداء عالم سے ہے مگر اس آتشیں مادہ سے شیاطین کو دفع کرنے کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جتنے شہاب ثاقب نظر آتے ہیں سب سے ہی یہ کام لیا جاتا ہو اس کی پوری تفصیل سورۂ حجر کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۔ یعنی جنات و شیاطین کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا بطور سزا کے بھی ہو سکتا ہے کہ زمین والوں کو آسمان کی خبریں نہ ملا کریں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے یہ ہدایت کا سامان کیا ہو کہ جنات و شیاطین وحی آسمانی میں کوئی خلل نہ ڈال سکیں۔

فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا۔ بخس بفتح الباء وسکون الخاء کے معنے حق سے کم دینے اور کم کرنے کے ہیں اور رہق کے معنے ذلت و رسوائی طاری ہونا۔ مراد یہ ہے کہ جو اللہ پر ایمان لاتا ہے نہ اس کی جزا میں کوئی کمی ہو سکتی ہے اور نہ آخرت میں اس کو کوئی ذلت و رسوائی پیش آسکتی ہے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ مساجد جمع مسجد ہے، یہاں اس کے مشہور و معروف معنے بھی لیے جا سکتے ہیں یعنی وہ عبادت گاہیں جو نماز کے لیے وقف کی جاتی ہیں اور مسجد کہلاتی ہیں اس صورت میں معنے آیت کے یہ ہوں گے کہ جب سب مساجد صرف

اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں تو تم مسجدوں میں جا کر اللہ کے سوا کسی اور کو مدد کے لیے نہ پکارو جس طرح یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں اس شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حاصل اس کا مساجد کو عقائدِ فاسدہ اور اعمالِ باطلہ سے پاک رکھنا ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مساجد مَسْجَد بفتح الجیم کی جمع ہو جو مصدر میمی بمعنے سجدہ آتا ہے تو معنیٔ آیت کے یہ ہوں گے کہ سب سجدے، صرف اللہ کیلئے مخصوص ہیں، اور جو شخص غیر اللہ کو اعانت کے لیے پکارتا ہے گویا وہ اُس کو سجدہ کرتا ہے۔ غیر اللہ کے سجدہ سے اجتناب کرو۔

مسئلہ باجماعِ اُمت غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے اور بعض علماء کے نزدیک کفر ہے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا عٰلِمُ الْغَیْبِ۔ ان آیتوں میں سے پہلی آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ حکم فرمایا کہ آپ ان منکرین سے جو آپ کو قیامت کا معیّن وقت بتلانے پر مجبور کرتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں۔ یہ فرما دیجئے کہ قیامت کا آنا اور وہاں جزاء و سزا ہونا تو یقینی ہے لیکن اس کے واقع ہونے کی صحیح تاریخ اور وقت کو اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا، اس لیے میں نہیں جانتا کہ وہ روز قیامت قریب آچکا ہے یا میرا رب اُس کے لیے کوئی دور کی مدّت مقرر کر دے گا۔

دوسری آیت میں اس کی دلیل ارشاد فرمائی۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا۔ یعنی قیامت کے وقتِ معیّن سے میری بے خبری اس لیے ہے کہ میں عالم الغیب نہیں بلکہ عالم الغیب

ہونا صرف اللہ رب العالمین کی خصوصی صفت ہے۔ اس لیے وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی غالب و قادر نہیں بناتا۔ یہاں عالم الغیب میں الغیب کا الف لام استغراق جنس کے لیے ہے (کما فی الروح عن الرضی) یعنی عالم ہر فرد غیب اور جنس غیب کا۔ اور علی غیبہ میں غیب کی اضافت اللہ کی طرف کرنے سے بھی اسی استغراق اور جامعیّت کا اظہار مقصود ہے، یعنی ہر ہر فرد و جنس غیب کا علم جو اللہ رب العالمین کا مخصوص وصف ہے اُس پر وہ کسی کو قادر و غالب نہیں کرتا کہ کوئی جس غیب کو چاہے معلوم کرلے مقصود اس کلام سے علم غیب کُلّی کا جس سے جہان کا کوئی ذرّہ مخفی نہ ہو اُس کی غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات ہے لیکن کسی بے وقوف کو اس سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی غیب کی چیز کی خبر نہیں تو پھر وہ رسول کیا ہوئے، کیونکہ رسول کے پاس تو اللہ تعالیٰ ہزاروں غیب کی خبریں بذریعہ وحی بھیجتے ہیں۔ اور جس کے پاس اللہ کی وحی نہ آئے وہ نبی و رسول نہیں کہلا سکتا۔ اس لیے آگے آیت میں ایک استثناء کا ذکر فرمایا۔

علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا۔ حاصل استثناء کا اس سفیہانہ شبہ کا یہ جواب ہے کہ علم غیب کُلّی کی نفی ہے ہر غیب کی نفی مراد نہیں، بلکہ منصب رسالت کے لیے جس قدر علم غیب کی خبروں اور غیب کی چیزوں کا علم کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ ان کو من جانب اللہ بذریعہ وحی

دے دیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقہ سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے تو اس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ شیاطین اس میں کوئی مداخلت نہ کرسکیں۔ اس میں اوّل تو لفظِ رسول سے اُس غیب کی نوعیت متعین کردی گئی جس کا علم رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے علمِ شرائع و احکام ہتمامہ اور غیب کی خبریں بقدرِ ضرورت وقت دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جو علم غیب رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اس کی نوعیت اگلے جملے سے یوں بھی متعین کردی کہ وہ بذریعہ فرشتوں کے بھیجا جاتا ہے اور وحی لانے والے فرشتے کے گرد دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس استثناء سے جس علمِ غیب کا نبی و رسول کے لیے اثبات ہے وہ بعض اور مخصوص علمِ غیب ہے جس کی ضرورت منصب رسالت کے لیے درپیش ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ استثناء اصطلاحی لفظوں میں استثناءِ منقطع ہے، یعنی جس علم غیب کُلّی کی اصل کلام میں غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی مستثنیٰ میں اس کا اثبات نہیں بلکہ مخصوص علومِ غیبیہ کا اثبات ہے جس کو قرآن کریم میں جابجا انباء الغیب کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ تلك من انباء الغيب نوحيها اليك۔

بعض ناواقف غیب اور انباء الغیب میں فرق نہیں سمجھتے اس لیے وہ انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب کُلّی ثابت کرتے ہیں اور آپؐ کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ہر ہر ذرّہ کائنات کا علم رکھنے والا کہنے لگتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے

نعوذ باللہ منہ - اگر کوئی شخص اپنا خفیہ راز کسی اپنے دوست کو بتلا دے جو اور کسی کے علم میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتا - اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ہزاروں غیب کی چیزوں کا بذریعہ وحی بتلا دینا اُن کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا خوب سمجھ لیا جائے۔

جاہل عوام جو ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کرتے جب اُن کے سامنے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں، وہ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کو معاذ اللہ کسی غیب کی چیز کی خبر نہیں جس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، کیونکہ ایسا ہونے سے تو خود نبوّت و رسالت کی نفی ہو جاتی ہے جس کا کسی مومن سے امکان نہیں۔

آخر سورۃ میں فرمایا۔ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا - یعنی اللہ تعالٰے ہی کی ذات خاص ہے جس کے علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں۔ اُس کو پہاڑوں کے اندر جتنے ذرّے ہیں ان کا بھی عدد معلوم ہے۔ ساری دنیا کے دریاؤں میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار اس کے علم میں ہے۔ ہر بارش کے قطروں اور تمام دنیا کے درختوں کے پتوں کے اعداد و شمار کا اسی کو علم ہے۔ اس میں پھر علم غیب کُلّی کا ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا واضح کر دیا کہ کسی کو مذکورہ استثناء سے غلط فہمی نہ ہو جائے۔

مسئلہ علم غیب کے معنے اور اُس کے احکام سورۂ نمل کی آیت قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ کے تحت میں پوری تحقیق و تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دلیل نقلی ہشتم

فرشتوں کا عقیدہ توحید

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ	اللہ نے اور فرشتوں نے
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	اور علم والوں نے گواہی
وَالْمَلٰٓئِكَةُ	دی ہے کہ اس کے سوا
وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا	اور کوئی معبود نہیں ہے وہی
بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	انصاف کا حاکم ہے اس
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	کے سوا اور کوئی معبود نہیں
(سورہ آل عمران آیت ۱۸)	ہے زبردست حکمت والا ہے
اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ	وہ لوگ جو اٹھا رہے ہیں
الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ	عرش کو اور جو کوئی کہ گرد
يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ	اس کے ہیں پاکی بیان کرتے
رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ	ہیں ساتھ تعریف رب اپنے
بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ	کی اور ایمان لاتے ہیں ساتھ
اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ	اس کے اور بخشش مانگتے ہیں
كُلَّ شَيْءٍ	واسطے ان لوگوں کے کہ ایمان
رَّحْمَةً وَّعِلْمًا	لائے اے پروردگار ہمارے
فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ	سما لیا تو نے ہر چیز کو رحمت
تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا	میں اور علم میں پس بخشش
سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ	واسطے ان لوگوں کے کہ توبہ

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝	کی اور پیروی کی راہ تیرے کی اور بچا ان کو عذاب دوزخ
رَبَّنَا	کے سے۔ اے پروردگار
وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ	ہمارے اور داخل کر ان کو
عَدْنِ نِ الَّتِیْ	بہشتوں میں ہمیش رہنے کی
وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ	جو وعدہ دیا ہے تونے ان کو
صَلَحَ مِنْ	اور جو لائق بہشت کے ہیں
اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ	باپوں ان کے اور بیبیوں ان
وَذُرِّیّٰتِهِمْ ط اِنَّكَ	کی سے اور اولاد ان کی سے
اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝	تحقیق تو ہے غالب حکمت والا
وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ط	اور بچا ان کو برائیوں سے
وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ	اور جس کو تو بچاوے
یَوْمَئِذٍ فَقَدْ	برائیوں سے اس دن پس
رَحِمْتَهٗ ط وَذٰلِكَ	تحقیق مہربانی کی تونے
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝	اس کو اور یہ بات وہی ہے
(سورۃ المؤمن آیت ۶ تا ۹)	مراد پانا بڑا۔

تحقیق بعض الفاظ

ملائکۃ ملک کی جمع ہے اصل میں مَلْاَكٌ ہے ہمزہ کو تخفیف کے طور پر حذف کیا گیا ہے تب مَلَكٌ بنا ہے۔ یَحْمِلُوْنَ جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ حَمْلٌ سے بنا ہے اس کا معنی اٹھانا۔ عرش

بمعنی تخت ہے ۔ یہاں مراد وہ طبق ہے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر اور کرسی الٰہی کے نیچے ہے ۔ یہ ساتوں آسمانوں کو حاوی ہے مگر کرسی اس کو بھی حاوی ہے ۔ یُسَبِّحُوْنَ جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے تَسْبِیْحٌ سے بنا ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے ۔ یَسْتَغْفِرُوْنَ جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے، اِسْتِغْفَارٌ سے بنا ہے بمعنی معافی طلب کرنا ۔ اِغْفِرْ امر کا صیغہ ہے ۔ غِفْرَۃٌ سے بنا ہے ڈھانکنے کی چیز ۔ گناہ بخشنے کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ تَابُوْا جمع مذکر ماضی کا صیغہ ہے توبہ سے بنا ہے بمعنی رجوع کرنا ۔ اِتَّبَعُوْا جمع ماضی کا صیغہ ہے ۔ اِتِّبَاعٌ سے بنا ہے اس کا معنی پیروی کرنا ۔ قِ امر کا صیغہ ہے وقایۃ سے بنا ہے اس کا معنی بچانا ۔ اَدْخِلْ واحد مذکر امر کا صیغہ ہے ۔ اِدْخَالٌ سے بنا ہے بمعنی داخل کرنا ۔ سَیِّاٰتٌ سَیِّئَۃٌ کی جمع ہے بمعنی برائی ۔ تَقِ واحد مذکر مضارع کا صیغہ ہے وقایۃ سے بنا ہے اس کا معنی بچانا

تفسیر

اس سے پہلے عقیدۂ توحید پر انبیاء علیہم السلام اور جنات کے عقائد، اقوال اور فرامین نقل کیے گئے تھے ۔ اور اب یہاں فرشتوں کے عقائد اور اعمال نقل کیے جائیں گے ۔ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں مگر یہ نوری مخلوق ہے ان میں جنّات اور انسانوں جیسی سرکشی نہیں ہے ۔ یہ مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں ان میں انسانوں اور جنات کی طرح توالد اور تناسل کا سلسلہ نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مختلف ذمہ داریاں ہیں ۔ ان میں سے بعض کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے ۔

ان میں سے پہلی آیت سورۃ آل عمران کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے تین گواہیاں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی اپنی گواہی یعنی اعتراف ہے اس کی تفصیل پہلے عقلی دلائل کی شکل میں بیان ہو چکی ہے اور دوسری گواہی اُولُوالعلم یعنی انبیاء علیہم السلام وغیرہ کی ہے اس کی تفصیل بھی پہلے بیان ہو چکی ہے۔

اور تیسری گواہی فرشتوں کی ہے اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ مومن کی ان آیات میں بیان فرمائی ہے اور یہ گواہی ذمہ داریوں کی صورت میں بیان فرمائی ہے۔ ان فرشتوں کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھایا ہوا ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی مخلوق ہے حدیث میں ہے کہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان ان سب کی حیثیت ایک انگوٹھی کی سی ہے اور عرش کی حیثیت ایک بہت بڑے میدان کی ہے جس میں وہ انگوٹھی پھینک دی جائے۔ پس اتنی مخلوق کو اٹھانا یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور ان فرشتوں نے اس کو اٹھایا ہوا ہے۔

ان کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔

ان کی تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔

ان کی چوتھی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کے لیے معافی مانگتے رہتے ہیں۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دیں جو توبہ کریں اور تیرے راستے کی اتباع کریں اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اور انہیں جنت میں داخل فرما اور ان کو برائیوں سے

بچا - پس فرشتوں کی اس شہادت ایمان اور عملی نمونے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر یقین رکھتے ہیں -

عقیدہ توحید پر
عقلی اور نقلی دلائل کی برکات اور فوائد

کتاب کے شروع سے لے کر یہاں تک تو عقیدہ توحید پر عقلی اور نقلی دلائل کی تفصیل کا بیان گزرا ہے اور اب آئندہ اس طرز تحریر و تقریر کی برکات اور فوائد نقل کیے جائیں گے - بات اصل میں یہ ہے کہ انسان اسی چیز کو مانتا ہے کہ جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس کا مشاہدہ کرے - یا اس کے وجود کا کوئی عقلی اور نقلی ثبوت ہو -

خداوند تعالیٰ اجل مجدہ کو پہچاننے اور اس کا تعارف حاصل کرنے کے لیے پہلی صورت تو دنیا میں ناممکن ہے کیونکہ وہ ایک ایسی لطیف ذات ہے جو لطافت کے ارب ہا پردوں میں محجوب و مستور ہے اور لطیف چیزوں کے تعارف کا طریقہ یہی ہے کہ انسان ان کے آثار اور علامات میں غور کرے - بچشم خود آدمی انہیں دیکھ نہیں سکتا - اور اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا دوسرا طریقہ اس کی علامات اور دلائل کا ہے - چنانچہ اس نے اپنے تعارف کے لیے یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ نمونوں میں غور و فکر کرتا ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر ایسا یقین و ایمان پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر وہ کٹ بھی جائے تب بھی اس کے دل سے وہ ایمان نہیں نکلتا چنانچہ اس سلسلہ میں چند مثالیں ہدیۂ قارئین کی جاتی ہیں -

مثال اوّل

حضرت موسیٰؑ پر ایمان والے جادوگروں کی استقامت کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں فرعون لقب کے بہت بڑے جابر اور ظالم حکمران گزرے ہیں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ خدائی کے دعویدار تھے۔ اور انہوں نے اپنی خدائی اور حکمرانی منوانے کے لیے اور اسے طول اور دوام بخشنے کی خاطر اپنی محکوم اور زیر دست قوم بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے قتل اور ذبح کر دیئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ بہت بڑا مہربان ہے اس نے ان کے اتنے مظالم اور ستم رانیوں کے باوجود پھر بھی ان کی اصلاح کی خاطر اپنے پیارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انہیں عقیدۂ توحید سمجھانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دیئے۔ یہ معجزات کل نو تھے۔ اور ان میں سے بڑے بڑے دو معجزے تھے۔ ایک لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور دوسرا ید بیضا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ان میں سے کسی ایک فرعون کے سامنے عقیدۂ توحید، عقیدۂ قیامت اور عقیدۂ رسالت پیش کئے اور ساتھ ساتھ وہ دو بڑے معجزے بھی پیش کئے تو اس فرعون نے بجائے اس کے کہ وہ ایمان لاتا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ اور حضرت موسیٰؑ کو کہنے لگا کہ یہ تیرے معجزات نہیں ہیں بلکہ یہ تیرا جادو ہے اور تو اس اپنے جادو کے ذریعہ سے ہماری قوم کو مصر سے نکال کر اپنی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے۔ ہم تیرے ساتھ جادو کی سطح پر ہی مقابلہ کریں گے۔ تو تاریخ مقرر کر۔ اس تاریخ پر تم بھی آ جاؤ

اور ہم بھی سارے جمع ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ مقابلہ کے لیے عید کا دن مقرر کیا۔ چنانچہ اس وقت کے فرعون نے پورے ملک مصر سے بڑے بڑے ماہر جادوگر جمع کئے۔ ان کی تعداد بعض مفسرین نے نو سو سے لے کر تین لاکھ تک لکھی ہے۔ اور ان کے پاس تین سو اونٹوں کا بوجھ رسیاں اور لاٹھیاں تھیں۔ اور جب یہ لوگ فرعونی دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے انہیں بڑے بڑے عہدے دینے کا وعدہ کیا اور ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا تاکہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ جب مقابلہ کا وقت آیا تو ان جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم پہل کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں، تم پہل کرو۔

چنانچہ انہوں نے اپنے تین سو اونٹوں کا بوجھ رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں ڈال دیں تو وہ سب اژدہا بن گئے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ بھی اژدہا بن گئی اور وہ ان سب کو نگل گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر اسے پکڑا تو وہ پہلے کی طرح لاٹھی بن گئی۔ اب جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ فن جادوگری میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ معجزہ ہے کیونکہ تین سو اونٹوں کا بوجھ رسیاں اور لاٹھیاں جب اس کے پیٹ میں چلی گئیں اور ان کا وجود ہی ختم ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا حجم تک نہ بڑھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ معجزہ ہے جو درحقیقت فعل خداوندی ہے اور چیز کے حجم کو بڑھانا اور گھٹانا اسی کا کام ہے انسان کا کام نہیں ہے اس

اس لیے انہوں نے فوراً ایمان لے آنے کا اعلان کر دیا۔ ان کے ساتھ قوم فرعون میں سے چھ لاکھ آدمی بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر فرعون گھبرایا اور تشدد پر اتر آیا اور ان جادوگروں کو کہنے لگا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام تمہارا استاد ہے اس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔

تم سب کا مقصد یہ ہے کہ ہماری قوم کو مصر سے نکال دو اور خود حکمران بن جاؤ۔ میں تم سب کے ہاتھ پاؤں مخالف کاٹ دوں گا اور سب کو سولی پر لٹکا دوں گا

بقول حضرت ابن عباسؓ فرعون نے ان کے ساتھ ایسا ہی کیا مگر ان میں سے کوئی بھی ایمان سے نہ ہٹا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دلائل کے ذریعہ جو ایمان دل میں آجاتا ہے وہ بڑے سے بڑے تشدد سے بھی دل سے نہیں نکل سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے اپنی ذات کا تعارف کرانے کے لیے دلائل کا طریقہ اختیار فرمایا ہے

(ملخص از معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

مثال دوم

استقامت اصحاب کہف کا واقعہ

اصحاب کہف اولیاء اللہ تھے اور بڑے کٹر توحید پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کا نمونہ توحید پرستی بیان فرمایا ہے۔ یہ لوگ دین عیسوی کے پیروکار تھے۔ ان کے ایمان لانے کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ دقیانوس نامی ایک بادشاہ دنیا میں گزرا ہے۔ یہ بہت بڑا بادشاہ تھا اور

بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔ یہ لوگوں سے جبراً بت پرستی کرواتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے خاندان میں سے چند نوجوانوں کے دلوں میں ایمان ڈال دیا انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شریعت کے موافق اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کی اور اپنے لیے ایک مسجد بنائی اور اس میں وہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے تھے۔

اس بادشاہ کو جب ان کی توحید پرستی کا علم ہوا تو اس نے انہیں طلب کیا تو اس وقت ان اصحاب کہف نے اس بادشاہ کو اور اپنی قوم کو بھی عقیدہ توحید ماننے کی دعوت دی اور بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ عقیدۂ توحید پر اپنے دلائل دیئے۔ مگر اس بادشاہ نے اور اس کی قوم نے عقیدۂ توحید ماننے سے انکار کر دیا۔ اور ان نوجوانوں سے کہا کہ تم بھی عقیدہ توحید چھوڑ دو ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اور چند دن انہیں سوچنے کا موقعہ دیا۔ اور اُن کا شاہزادگی والا لباس بھی اتار دیا۔

چنانچہ ان لوگوں نے عقیدۂ توحید کے تحفظ کے لیے اور اپنے آپ کو قتل سے بچانے کی خاطر ہجرت کی اور ایک غار میں جا کر روپوش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر بڑا فضل فرمایا کہ وہ تین سو نو سال تک اس غار میں سوئے رہے مگر انہیں گرمی سردی سے اور خاک خوری سے بچایا۔ آب و دانے کی ضرورت تک محسوس نہ ہونے دی اور اتنے عرصے میں قدرت خود ان کی کروٹیں بدلتی رہی اور ان کی شکلیں بھی حالت بیداری جیسی ہی ہیں ذرا بھر بھی ان کی حالت میں تبدیلی اور تغیّر نہ آیا اور تین سو نو سال کے بعد وہ لوگ بیدار ہوئے۔

اس دور میں مسلمان بادشاہ تھا۔ وہ کافر بادشاہ مر چکا تھا اور اس کا

دور ختم ہو چکا تھا۔ اب ان لوگوں کو کھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو ایک کو کھانا لینے کی خاطر شہر میں بھیجا۔ اس نے جب کھانا خریدا اور پیسے دیئے تو سکہ پرانا ہونے کی وجہ سے یہ پکڑا گیا یہاں تک کہ وقت کے حکمران کو پتہ چلا تو اس نے اس کو تسلی دی کہ وہ ظالم بادشاہ مرگیا ہے اور میں تمہارا ہی ہم خیال ہوں، فکر نہ کرو۔ اور یہ بادشاہ اس کے ساتھ اس غار تک گیا۔ ان سب کے ساتھ اس کی ملاقات ہوئی۔ اس بادشاہ نے انہیں شہر آنے کی دعوت دی مگر وہ نہ آئے اور وہیں مرگئے۔

اس وقت کے بادشاہ اور مسلمانوں نے مل کر بطور یادگار ان کی غار کے پاس ایک مسجد بنا دی تاکہ پتہ چلے کہ یہ لوگ مسلمان تھے۔ ان کے غار میں پناہ لینے کا زمانہ سنہ ۲۵۰ء تھا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت سے بیس سال پہلے یہ لوگ بیدار ہوئے۔ یہ واقعہ ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ دلائل کے ذریعہ جو ایمان دل میں اترتا ہے وہ کسی بڑے سے بڑے تشدد سے بھی دل سے نہیں نکل سکتا جیسا کہ اصحاب کہف کے اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ (ملخص از معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

مثال سوم

خندق والوں کی استقامت کا واقعہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سال پہلے ملک یمن میں یوسف ذونو اس ایک بادشاہ گزرا ہے۔ یہ بادشاہ حمیر قوم سے تھا یمن میں یہ مشہور قوم گزری ہے۔ اور ایک عرصہ دراز تک انہوں نے ملک

یمن پر حکومت کی ہے۔ عقیدے میں یہ لوگ مشرک تھے اور یوسف ذونواس ان کا بادشاہ بھی مشرک تھا۔ اور اس زمانے کے بادشاہ زیادہ تر کاہنوں کی خبروں پر اعتماد کرتے تھے۔

چنانچہ اس نے بھی ایک کاہن رکھا ہوا تھا۔ کاہن اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو جنات کے ذریعہ یا ستاروں کے آثار کے ذریعہ مستقبل کی خبریں لوگوں کو بتائے۔ اس کاہن نے اس بادشاہ سے کہا کہ مجھے کوئی ہوشیار سا لڑکا دیا جائے تاکہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا دوں۔

عبداللہ نامی ایک لڑکا اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ اور اس لڑکے نے اس کاہن کے پاس آنا جانا شروع کیا۔ اس کے راستے میں ایک عیسائی پادری رہتا تھا جو لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین سکھاتا تھا۔ اور یہ لڑکا بھی اس کے پاس بیٹھنے لگا۔ اور اس نے اس پادری سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین سیکھنا شروع کیا اور اس وقت وہی دین برحق تھا۔ اس لڑکے نے کاہن کے پاس آنا جانا بند کر دیا۔ اور اس دین پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ بچہ صاحب کرامت ہو گیا۔ اور ایک دفعہ ایک عجیب واقعہ درپیش آیا کہ شیر نے راستہ روک رکھا ہے اور لوگ بڑے پریشان ہیں۔ تو اس لڑکے نے ہاتھ میں پتھر لے کر دعا کی کہ اے اللہ اگر اس راہب کا مذہب سچا ہے تو میرے یہ پتھر مارنے سے یہ جانور مر جائے۔ اور اگر اس کاہن کا مذہب سچا ہے تو میرے اس پتھر مارنے سے یہ جانور نہ مرے۔ یہ کہہ کر اس نے اس شیر کی طرف پتھر پھینکا، اسے لگا اور وہ مر گیا۔ اب لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس لڑکے کے پاس کوئی عجیب علم ہے۔

چنانچہ یہ بات ایک اندھے نے سنی اور اس نے اس لڑکے سے کہا

کہ میری آنکھیں ٹھیک کردو۔ اس نے کہا بشرطیکہ تو مسلمان ہو جائے تو اس نے قبول کیا۔ اس لڑکے نے اس کے لیے بھی دُعا کی تو اُس کی آنکھیں بھی ٹھیک ہو گئیں۔ چنانچہ یہ خبر جب مشہور ہوئی اور اس بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے اس لڑکے کو اس راہب اور نابینا تینوں کو گرفتار کر لیا۔ راہب اور اندھے کو قتل کرا دیا اور لڑکے کے بارے میں یہ حکم دیا کہ اسے پہاڑ کے اوپر لے جا کر گرا دیا جائے۔ چنانچہ جو لوگ اسے لے گئے وہ خود پہاڑ کے اوپر سے گر کر ہلاک ہو گئے۔ اور وہ لڑکا صحیح و سالم چلا آیا۔

پھر بادشاہ نے اسے سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ اب جو لوگ اسے غرق کرنے کے لیے لے گئے تھے وہ خود غرق ہو گئے۔ وہ لڑکا اسی طرح سلامت واپس آیا اور سیدھا بادشاہ کے پاس آیا کہ کہیں اور فرار نہ ہو۔ اور اس سے کہا کہ اے بادشاہ تم جس طرح مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو اس طرح تم مجھے ہلاک نہیں کر سکتے۔

میں اپنے ہلاک کرنے کا طریقہ تمہیں خود بتاتا ہوں کہ بسم اللہ پڑھ کر مجھے تیر مارو تو میں مر جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ لڑکا مر گیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر لوگوں کی زبان سے نعرہ بلند ہوا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کی تعداد بارہ ہزار لکھی ہے اور بعض نے بیس ہزار لکھی ہے۔

بادشاہ یہ دیکھ کر بڑا پریشان ہوا۔ اور ارکان سلطنت کے مشورہ سے ان سب کو جلا دینے کا حکم دیا اور بڑی بڑی خندقیں آگ سے بھروا کر اشتہار دیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا تو اس کو آگ میں جلا دیں گے۔ چنانچہ ان مسلمانوں میں سے ایک ایک کو حاضر کر کے کہا گیا کہ اسلام چھوڑ دو ورنہ اس آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو استقامت بخشی اور ان میں سے ایک بھی آدمی اسلام سے نہ پھرا اور آگ میں جانا قبول کیا۔ صرف ایک عورت جس کی گود میں بچہ تھا۔ اس کو آگ میں گرنے سے ذراسی جھجک محسوس ہوئی، تو چھوٹا سا بچہ بولا کہ اماں جان صبر کرو کیونکہ تم حق پر ہو۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو اس آگ سے اس طرح بچایا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی ان کی روحوں کو قبض کر لیا گیا تھا اللہ تعالیٰ اس آگ کو ٹھنڈا بھی کر سکتے تھے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈا کیا تھا لیکن اس طرح ان ایمان والوں کی استقامت کا اعلیٰ ترین نمونہ نہ بنتا۔ اور پھر وہ آگ پورے شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جلا دیا جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس بادشاہ نے بھاگ کر دریا میں چھلانگ لگائی اور ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ان مسلمانوں میں سے صرف دو مسلمان کسی طرح فرار ہو کر قیصر ملک شام کو جا کر اطلاع دی کہ یمن کے بادشاہ نے اس طرح مسلمانوں پر ظلم کیا ہے۔ آپ ان کا انتقام لیں۔ تو اس نے شاہ حبشہ کو خط لکھا کہ تم شاہ یمن سے انتقام لو۔ چونکہ شاہ حبشہ عیسائی تھا اور یمن سے قریب بھی تھا اس لیے اس کو شاہ قیصر نے یہ خط لکھا تھا۔ چنانچہ شاہ حبشہ نے یمن پر حملہ کیا۔ یمنیوں کو بری طرح شکست ہوئی اور یمن کا بادشاہ دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ (ملخص از معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

ہمارا مقصد یہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید سمجھانے کے لیے جو دلائل کا طریقہ اختیار کیا ہے اس سے ایسا ایمان دل میں اترتا ہے جو آدمی کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب ہوتا ہے جیسا کہ اصحاب

اخدود کے اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی جانیں تو دے دیں مگر ایمان چھوڑنا گوارا نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی شہادت کا اعلیٰ ترین مقام انہیں عطا فرمایا۔ اور ان کے اجسام کو بھی ان کی روحیں نکال کر تکلیف سے بچالیا۔ اور اجسام جل جانے کے باوجود انہیں جلن کی تکلیف محسوس نہ ہونے دی جیسا کہ شہدار کو بوقت شہادت تکلیف کا احساس نہیں ہوتا بلکہ راحت ہوتی ہے۔

یہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے واقعات تھے اور اب آئندہ آپؐ کے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی استقامت کے واقعات نقل کیے جائیں گے۔

مثال چہارم

حضرت زبیر بن عوامؓ کی استقامت کا واقعہ

ابوالاسود کی روایت میں ہے کہ حضرت زبیر بن عوامؓ آٹھ سال کی عمر میں اسلام لائے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ہجرت کی۔ حضرت زبیرؓ کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ دیتے۔ اور چٹائی میں آگ دے کر اسکی دھونی دیتے اور کہتے کہ کفر کی طرف لوٹ آ۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اب میں کبھی کافر نہ ہوں گا۔

حفص بن خالد فرماتے ہیں کہ موصل سے ایک سن رسیدہ بزرگ ہم لوگوں کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں زبیرؓ کے ساتھ

ان کے بعض سفروں میں تھا۔ حضرت زبیرؓ کو ایک چٹیل میدان میں نہانے کی حاجت ہو گئی جہاں نہ پانی نہ گھاس نہ انسان تھا۔ مجھ سے کہا کہ مجھ پر پردہ ڈال دو۔ میں نے ان پر پردہ ڈال دیا۔ اتفاقیہ میری نظر ان پر جا پڑی۔ میں نے دیکھا کہ ان کا تمام جسم تلوار سے جگہ بہ جگہ کٹ رہا ہے میں نے کہا خدا کی قسم میں نے آپ پر تلوار کے زخم کے اتنے نشانات دیکھے ہیں کہ کبھی کسی کے جسم پر اتنے نشانات نہیں دیکھے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے یہ دیکھ لیا؟ میں نے کہا جی ہاں۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا سُن لو۔ خدا کی قسم ان میں سے کوئی زخم ایسا نہیں جس کو میں نے حضورؐ کے ساتھ رہ کر اللہ کے راستے میں نہ کھایا ہو۔

مثال پنجم

حضرت بلالؓ بن رباح کی استقامت کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں جن لوگوں نے اسلام ظاہر کیا۔ وہ یہ سات حضرات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمار بن یاسر اور ان کی والدہ سمیہؓ حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ پاک نے آپ کے چچا کے ذریعہ حفاظت کرائی۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت ان کی قوم کے ذریعے کرائی۔ باقی مسلمانوں کو مشرکین نے پکڑا اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنائیں اور سخت دھوپ میں انکو تپایا

ان میں سے سوائے حضرت بلال رضؓ کے مشرکین کی ان کے امور میں بظاہر اطاعت کر گئے۔

مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ کے راستے میں اپنے نفس کی قطعاً پرواہ نہ تھی۔ اور یہ قوم کے نزدیک بہت بے قدر سے تھے۔ لوگوں نے انہیں پکڑا اور لڑکوں کے حوالے کر دیا۔ لڑکے انہیں مکہ کی گلیوں میں چکر دیتے پھرتے تھے اور ان کی زبان پر اَحَدٌ اَحَدٌ کا کلمہ جاری رہتا تھا کہ اللہ ایک ہے۔

حضرت مجاہد کی حدیث میں اس طرح ہے کہ ان چاروں حضرات کو لوہے کی زرہیں پہنائی گئیں پھر ان کو دھوپ میں تپایا گیا۔ دھوپ اور لوہے کی گرمی سے ان حضرات کو انتہائی مشقت اور مصیبت پہنچائی گئی۔ شام کے وقت ان کے پاس ابوجہل لعنۃ اللہ آیا۔ اپنے ساتھ نیزہ لیے ہوئے تھا۔ ان لوگوں کو گالیاں دیں، اور ڈرایا دھمکایا۔ مجاہد نے حضرت بلال کے بارے میں نقل کیا ہے کہ مشرکین مکہ ان کے گلے میں رسّی ڈال کر مکہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان کھینچے کھینچے پھرتے تھے۔

عُروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال بنی جمحہ کی ایک عورت کے غلام تھے۔ مشرکین ان کو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر بھری دوپہر میں سزا دیتے تھے تاکہ یہ شرک کی طرف لوٹ آئیں لیکن ان کی زبان پر اَحَدٌ اَحَدٌ کا کلمہ ہوتا۔ ورقہ ان کے پاس سے گزرتے اور وہ اسی حالت میں اَحَدٌ اَحَدٌ کہتے ہوتے۔ تو ورقہ کہتے کہ اے بلال یہ اَحَدٌ اَحَدٌ کا کلمہ کب تک کہو گے؟ یعنی کس طرح جان بچاؤ گے۔ اور وہ ورقہ لوگوں سے کہتے خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے انہیں قتل کر دیا تو میں اس قصہ کو ہمیشہ کے لیے داستانِ غم بنا لوں گا۔

حضرت عروہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ورقہ بن نوفل حضرت

بلالؓ کے پاس سے گزرتے اور لوگ انہیں انتہائی سخت سزا دے رہے ہوتے اور حضرت بلالؓ کی زبان پر اَللہُ اَحَدُ کا کلمہ جاری ہوتا۔ ورقہ کہتے اللہ اللہ اے بلال اس حالت میں اللہ اَحَد کا کلمہ جاری ہے۔ اس کے بعد ورقہ بن نوفل امیہ بن خلف سے جو انہیں تکلیف پہنچاتا ہوتا، متوجہ ہو کر کہتے کہ اللہ عزوجل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم لوگوں نے اسے قتل کر دیا تو میں ان کے قتل کو ہمیشہ کے لیے باعث رنج و اَلم بنا لوں گا۔

ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا اور لوگ انہیں سزائیں دے رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُمیّہ سے کہا کہ تو اس مسکین کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتا۔ کب تک تو یہ تکلیفیں اور ایذا رسانی کرتا رہے گا؟ امیّہ بولا کہ اس کو تمہیں نے بگاڑا ہے۔ اب تم ہی اسے سزا سے چھڑاؤ۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہاں! میں یہ بھی کروں گا۔ میرے پاس ایک حبشی غلام جو بہت ہی پھرتیلا اور ان سے زیادہ کاروبار کرنے والا ہے اور تیرے دین پر پکا ہے۔ ان کے بدلے میں تجھے وہ دے دوں گا۔ اُمیّہ نے کہا کہ وہ مجھے منظور ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جا وہ میں نے تجھے دے دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس غلام کو اُمیّہ کے حوالے کیا اور حضرت بلال کو ان سے لے کر آزاد کر دیا۔ اس سے قبل حضرت ابوبکرؓ نے مکہ سے ہجرت فرمائی۔ چھ اور غلاموں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے تکالیف برداشت کر رہے تھے خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت بلال ان میں ساتویں تھے۔

ابن اسحاق سے منقول ہے کہ جب دوپہر انتہائی گرم ہو جاتی تو امیّہ حضرت بلالؓ کو لے کر نکلتا اور مکہ کی پتھریلی زمین پر ان کو پیٹھ کے بل لٹا دیتا۔

پھر حکم دینا کہ ایک بہت بڑا پتھر جلتا ہوا ان کے سینہ پر رکھ دیا جائے۔ پھر ان سے کہنا کہ تم اسی طرح پڑے رہو گے یا مر جاؤ گے۔ اور نہیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرو اور لات و عزیٰ کی پرستش کرو۔ حضرت بلال اس مصیبت میں بھی اَحَدُ اَحَدُ کہتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چونکہ ان غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ اسی لیے ان کا لقب عتیق قرار پایا۔ کیونکہ عتیق کے معنی آزاد کنندہ کے ہیں۔

مثال ششم

حضرت یاسرؓ اور ان کی بیوی کی استقامت کا واقعہ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت عمارؓ اور ان کے گھر والوں کی طرف سے ہوا۔ اور یہ لوگ انہیں اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اے عمار اور یاسر کی اولاد خوشخبری سنو تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں پتھریلی زمین پر سے گزرا۔ حضرت عمارؓ، ان کے والد اور ان کی والدہ کو دھوپ میں تپایا جا رہا تھا۔ اور تکلیف دی جا رہی تھی تاکہ یہ لوگ اسلام سے پھر جائیں۔ حضرت ابو عمارؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ زمانہ ایسا ہی ہے؟ آپ نے فرمایا اے آل یاسر! صبر کرو۔ اس کے بعد آپؐ نے دُعا دی کہ اے میرے اللہ خاندانِ یاسر کی مغفرت فرما۔ اور ان لوگوں کی مغفرت

کر دی گئی۔

حضرت عبداللہؓ بن جعفر فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت یاسرؓ، حضرت عمارؓ اور ان کی والدہ کی طرف گزر ہوا۔ یہ لوگ اللہ کے راستے میں تکالیف دیئے جا رہے تھے۔ آپؐ نے ان لوگوں سے دو مرتبہ فرمایا۔ اے آل یاسر! صبر کرو، وعدہ جنت تمہارے ہی لیے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے اسی جیسی ہی روایت ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ ابوجہل نے حضرت سُمیّہؓ کی پیشاب گاہ میں نیزہ مارا جس سے اُن کی شہادت واقع ہوئی۔ حضرت یاسرؓ بھی انہیں سزاؤں اور مصائب میں انتقال کر گئے۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی شہادت حضرت عمارؓ کی والدہ سُمیّہؓ خاتون کی ہوئی۔ ابوجہل نے ان کی پیشاب گاہ میں نیزہ مار کر انہیں شہید کیا تھا۔

مثال ہفتم

حضرت خبابؓ بن ارت کی استقامت کا واقعہ

شعبی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنی مسند پر بٹھا کر یہ فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی بھی آدمی تم سے زیادہ اس جگہ بیٹھنے کا مستحق نہیں ہے مگر ایک آدمی۔ خباب بن ارتؓ نے دریافت کیا اے

امیرالمومنین! وہ کون؟ ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، وہ بلالؓ ہیں ۔ حضرت خبابؓ کہنے لگے وہ مجھ سے زیادہ مستحق نہیں ہیں اس لیے کہ حضرت بلالؓ کے لیے مشرکین میں سے ایسے لوگ موجود تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالے انہیں بچا لیتا تھا اور میرا بچانے والا کوئی نہیں تھا ۔

میں نے دیکھا کہ ایک دن مشرکین نے مجھ کو پکڑا اور میرے لیے آگ روشن کی ۔ پھر مجھ کو اس آگ میں ڈال دیا ۔ اس کے بعد ایک آدمی میری چھاتی پر پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا ۔ میں زمین پر گرنے سے ہی بچ سکا ۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر خباب نے یوں کہا کہ وہ گرم زمین میری ہی پشت سے ٹھنڈی ہوئی ۔ پھر اپنی پشت پر سے کپڑا اٹھا کر دیکھا جو جگہ جگہ سے جل کر سفید ہو رہی تھی ۔

شعبی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خباب نے فرمایا کہ مشرکین نے میرے لیے آگ دہکائی اور مجھے اس میں لٹا دیا ۔ اس آگ کو بجھانے والی صرف میری پیٹھ کی چربی تھی ۔

(حیاتِ صحابہ حصہ دوم)

(تالیف مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ)

مثال ہشتم

حضرت زیدؓ بن دثنہ اور حضرت خبیبؓ کی استقامت کا واقعہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبیلہ عضیل اور قارہ کی ایک چھوٹی سی جماعت آئی ۔ اور انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ

علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور آپ اپنے صحابہ میں سے کچھ لوگ ہمیں دیں جو ہمیں قرآن سکھایا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھیجی۔ یہ لوگ اس جماعت کو لے کر چلے۔ جب رجیع پر پہنچے (یہ پانی کا ایک چشمہ ہے جو حجاز کے ایک کنارے موضع ھداۃ کے شروع پر ہے) تو ان لوگوں نے ان صحابہ سے بدعہدی کی اور ان کے خلاف قبیلہ ھُذَیل سے مدد طلب کی۔ جب ھُذَیل مسلح ہو کر نکلے اور انہوں نے صحابہؓ کو گھیر لیا تو انہوں نے بھی مقابلہ کی تیاری کی، تو ھُذَیل کے لوگوں نے صحابہؓ سے کہا کہ خدا کی قسم ہم لوگ تمہارے قتل کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے عوض اہل مکہ سے کچھ مال حاصل کر لیں اور ہم تم سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے ان صحابہؓ نے یہ کہا کہ ہم مشرکین کا عہد کبھی قبول نہیں کریں گے۔ اس کے بعد ان کے مابین جنگ ہوئی تو وہ صحابہؓ شہید کر دیئے گئے۔ مگر حضرت زیدؓ بن دثنہ اور حضرت خُبَیبؓ نے آخر میں نرمی کی اور ان کا عہد قبول کر لیا اُن لوگوں نے ان کو گرفتار کر لیا اور انہیں مکہ لے جا کر فروخت کر دیا۔ حضرت خبیبؓ بن عدی کو حُجَیر بن ابی رہاب تمیمی نے خریدا۔ زیدؓ بن دثنہ کو صفوان بن ابی امیہ نے خرید لیا تاکہ اپنے باپ سے ان کو قتل کرائے۔ ان دونوں کا کھانا پینا بھی بند کر دیا گیا۔

چنانچہ زید کو قتل کرنے کے لیئے جب قریش کے چند لوگ جمع ہوئے تو ان میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا تو اس نے حضرت زیدؓ سے پوچھا کہ اے زید میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تجھے یہ بات محبوب ہے کہ آج تیرے بجائے یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور وہ تیرے

بجائے قتل کیے جائیں اور تو اپنے بیوی بچوں میں آرام سے رہے ؟ تو حضرت زیدؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت جس جگہ کہ آپ ہیں آپ کو کوئی کانٹا بھی لگے اور اُن کو تکلیف پہنچائے اور میں اپنے اہل وعیال میں بیٹھا ہوا ہوں۔

بقول راوی ابوسفیان نے سن کر کہا کہ میں نے انسانوں میں ایسا کوئی نہیں دیکھا کہ وہ کسی کو اتنا محبوب سمجھتا ہو جتنا کہ اصحاب محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) محمدؐ کو محبوب سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت خبیبؓ کی باری آئی۔ آپ جس گھر میں گرفتار تھے اس گھر کی عورت سے آپ نے استرا مانگا تاکہ اپنی ضروری صفائی کر سکیں اس نے اپنے بچے کے ہاتھ میں اُسترا دے کر حضرت خبیبؓ کے پاس بھیجا۔ اور وہ بچہ جب استرا لے کر حضرت خبیبؓ کے پاس گیا تو انہوں نے اسے پکڑ کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور اس سے پیار کرنا شروع کیا تو وہ عورت یہ ماجرا دیکھ کر لڑکھڑا سی گئی کہ کہیں یہ میرے بچے کو انتقاماً قتل نہ کر دے۔ حضرت خبیبؓ اس کی گھبراہٹ کو بھانپ گئے اور انہیں تسلی دی کہ مسلمان ایسا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے اس بچے کو چھوڑ دیا۔

جب وہ مشرکین حضرت خبیبؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی دینے کے لیے تنعیم لے گئے اور جب انہیں سولی دینے کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دو تاکہ میں دو رکعات نماز ادا کر لوں تو انہوں نے اجازت دے دی۔ آپ نے نہایت حسن وخوبی کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر مشرکین کے پاس

آئے اور فرمایا کہ خدا کی قسم اگر تم لوگ یہ گمان نہ کرتے کہ یہ قتل کے ڈر سے نماز لمبی کر رہا ہے تو میں اور بھی نماز پڑھتا۔ جب کفار نے ان کو سولی کے تختہ پر اٹھایا اور ان کو باندھا تو اس وقت آپ نے دو دُعائیں کیں۔ ایک یہ ہے کہ اے اللہ میں نے تیرے رسول کے دین کی تبلیغ کی ہے۔ میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے آپ یہ رسول اللہ تک پہنچا دیں۔ اور دوسری دُعا یہ فرمائی کہ اے اللہ ان کفار کو شمار کر لے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اس کے بعد مشرکین نے آپ کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تم پسند کرو گے کہ آج تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور وہ تمہاری جگہ قتل کیے جائیں تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں یہ بھی نہیں پسند کرتا کہ میرے عوض ایک کانٹا بھی آپ کے قدموں میں چبھے۔ اس کے بعد حضرت خبیبؓ کو شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کی شہادت کی خبر دی اور آپ نے ان کو سلام کیا۔

یہاں صرف اس واقعہ کا خلاصہ نقل کیا گیا ہے۔ مزید تحقیق اور تفصیل کے لیے حیاتِ صحابہؓ جلد سوم (تالیف مولانا یوسفؒ) کا مطالعہ فرمائیں ان واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تعارف توحید کے لیے عقلی اور نقلی دلائل سے جو ایمان اور یقین پیدا ہوتا ہے وہ کسی قسم کے تشدد سے انسان کے دل سے نہیں نکل سکتا۔

مگر یہاں ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھر اپنے اتنے مخلص بندوں کی مدد کیوں نہ فرمائی؟ اور ان کو خندقوں کے لیے تختہ مشق کیوں بنایا کیا خدا کمزور ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مومن کی حیثیت ایک فوجی اور سپاہی کی ہے

جیسے گورنمنٹ اس لیے تربیت دیتی ہے کہ وہ ملکی سرحدات کا تحفظ کرے اور اس کی خاطر وہ اپنی جان تک کی بازی لگا دے۔ یہ حکومت کی کمزوری کی علامت نہیں ہوتی اور اسی لیے گورنمنٹ ایسے جانبازوں اور سرفروشوں کو انعامات اور مراتب بھی دیتی ہے۔ اسی طرح ایک مومن کا بحیثیت مومن ہونے کے یہ مشن ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی توحید کا تعارف کرائے اور اس سلسلہ میں وہ اپنے آپ کو نمونہ توحید پرستی بنا کر پیش کرے اور اگر ایسے موقعہ پہ وہ مومن ڈر جائے اور اپنی جان کے تحفظ کی خاطر وہ عقیدہ توحید کا انکار کرے تو وہ نمونہ نہیں رہتا اور پھر لوگوں کو اللہ تعالےٰ کا تعارف بھی نہیں ہوگا۔

چنانچہ ان واقعات میں جن لوگوں نے سب سے پہلے استقامت کا ثبوت دیا اسی کی بدولت باقی لوگ مسلمان ہوئے اور انہیں عقیدۂ توحید سمجھ میں آیا۔ اگر وہ سابقین استقامت و جرأت کا ثبوت نہ دیتے تو بعد میں آنے والوں کو عقیدہ توحید سمجھ میں نہ آتا۔ اور جو لوگ اس مسئلہ توحید کو سمجھانے کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی انہیں اپنے انعامات سے نوازتے ہیں اور انہیں مراتب عطا فرماتے ہیں۔ ان سرفروشوں کے سرخیل تو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام ہوتے ہیں۔

دوسرے نمبر پہ صدیقین اور چوتھے نمبر پہ شہداء ہوتے ہیں۔ اور ان شہداء کے بارے میں تو قرآن نے فرمایا ہے کہ نہ ان کو مردہ کہو اور نہ انہیں مردہ گمان کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دربار عالیہ سے انہیں روزی ملتی ہے اور ان کی زندگی کا تمہیں شعور نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ عقیدہ توحید کی خاطر جانیں قربان کرنے والوں کا بہت بڑا اونچا مرتبہ ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانباز اور عقیدہ توحید کی خاطر ایسی قربانیاں دینے والے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ یہ تین چار واقعات جو پیش کئے گئے ہیں یہ تو صرف مشتے از نمونہ خروارے ہیں۔ اختصار کی خاطر صرف انہیں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ استقامت ہر مومن کو عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۃ التفسیر القرآن

جلد ۱

عقیدۂ توحیدِ باری تعالیٰ

استاذ التفسیر مفتی حمید الرحمن عباسی مدظلہ

مدرسہ قاسم العلوم

شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن

33- حق سٹریٹ اردو بازار لاہور